روزہ

روزہ ایسی عبادت ہے جس کا حال خدا اور بندے کے سوا کسی دوسرے پر نہیں کھل سکتا اگر کوئی چاہے تو بناوٹی منھ بنا کر دوسروں کو دھوکا دے سکتا ہے اور چھپ کر کھا پی سکتا ہے لیکن جو شخص اللہ کی خوشی کے لیے روزہ رکھتا ہے وہ خاص اُسی کے لیے ہوتا ہے اور اس کا بڑا اجر ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِىْ وَاَنَا اَجْزِىْ بِهٖ۔

آدمی کا ہر عمل خدا کے یہاں کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے ایک نیکی دس گنی سے سات سو گنی تک پھلتی پھولتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے وہ خاص میرے لیے ہے اور میں اُس کا جتنا چاہتا ہوں بدلہ دیتا ہوں۔

روزے کی حالت میں آپ صبح سے شام تک عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر عین عبادت کی حالت میں:

آپ جھوٹ کیسے بول سکتے ہیں؟ غیبت کس طرح کر سکتے ہیں؟

بات بات پر لڑائی کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ کی زبان سے گالیاں کیسے نکل سکتی ہیں

آپ لوگوں کا حق کیسے مار سکتے ہیں؟ حرام کھانے اور حرام کھلانے کا کام کیسے کر سکتے ہیں؟

یا اللہ کی کوئی بھی نافرمانی آپ سے کس طرح ہو سکتی ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِىْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔

جب کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اللہ کو اُس کا کھانا اور پینا چھڑا دینے کی کوئی حاجت نہیں۔

جس کے روزے جتنے اچھے ہوں گے، آپ رمضان کے بعد اُسے اُتنا ہی اچھا پائیں گے۔

اچھی طرح روزے رکھیے، اچھے بنیے۔ یہی سب سے بڑی دولت ہے، جو آپ رمضان میں کما سکتے ہیں +

آسان اردو زبان میں

لڑکوں لڑکیوں اور عورتوں کے لیے

خالص اسلامی تعلیمات

کے

پندرہ روزہ رسالے

احسنات

کا

رسالہ نمبر

مرتبہ

[illegible]الحلیم محمد عبدالحی

انتساب

اللہ کے سب رسولوں پر ایمان لانے والے

اُن سرفروشوں کے نام

جو آخری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کی روشنی میں

رسولوں کے مقصدِ بعثت کو اپنا مقصدِ حیات بنالیں

[illegible]

رسالت نمبر میں کیا ہے اور کہاں؟

مقالات

نظمیں

(محمد ... طابع و ناشر نے ... برقی پریس ... میں چھپوا کر دفتر الحسنات ... سے شائع کیا)
(رنگین ... پریس ...)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالت نمبر

ماہنامہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر دہلی

ہم اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے کہ اس نے توحید نمبر اور آخرت نمبر کے بعد الحسنات کے تیسرے خاص نمبر "رسالت نمبر" کی اشاعت کا موقع عنایت فرمایا۔ یہ نمبر کیسا ہے اس کے بارے میں ہمیں کچھ کہنا نہیں ہے۔ اگر اللہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمالے اور اس کے ذریعے لوگوں کے سامنے کچھ ایسی باتیں آجائیں جن سے ان کی زندگیوں میں کوئی بہتر تبدیلی ہو جائے تو یہ سب کچھ ہے، ورنہ کچھ بھی نہیں۔ چاہے آپ اسے کیسا ہی پسند کریں اور ہماری کوششوں کی کتنی ہی داد دیں۔

رسالت نمبر میں پوری توجہ رسالت کے عام عنوان پر کی گئی ہے۔ اس نمبر میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ رسول پاک حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس ذات بابرکات کے بارے میں بھی کچھ لکھا جاتا جو رسالت کی تکمیل کا آخری نمونہ تھی اور جس ذات میں پوری انسانیت کے لیے اللہ کی رحمت اور حکمت ہمیشہ کے لیے سمٹ آئی تھی۔ اس ذات والا صفات کے بارے میں ایک تو یوں ہی اگر دفتر کے دفتر لکھے جائیں تب بھی کافی نہیں ہو سکتے، نہ کہ الحسنات کا ایک محدود رسالہ جس کو رسالت کے عام عنوان پر بھی کچھ لکھنا ہو، اس کے لیے کافی ہو جائے۔ اس لیے جیسا کہ ابتدا میں ہی اعلان کیا جا چکا ہے یہ نمبر صرف رسالت کے عام عنوان کے لیے خاص کر دیا گیا ہے، اور اب اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ایک اور خاص نمبر "رسول نمبر" یا "سیرت نمبر" کے عنوان سے اس کے لیے وقف کر دیا جائے گا کہ اس میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کے بارے میں کچھ لکھا جائے۔

ہمیں خیال ہے کہ بہت سے الحسنات پڑھنے والوں کو پوری طرح یہ معلوم نہ ہوگا کہ "رسالت" سے کیا مراد ہے؟ اور ہماری زندگی سے اس کا کیا لگاؤ ہے۔ اس خاص نمبر میں ہم نے یہی کوشش کی ہے کہ ہم رسالت کے بارے میں آپ کو ایسی باتیں بتا سکیں جو آپ کو اب تک معلوم نہ ہوئی ہوں، اور ساتھ ہی ساتھ آپ پر یہ واضح کر سکیں کہ خود آپ کی زندگی سے رسالت کا کیا تعلق ہے۔

کچھ ایسے سوالات بھی جانے وقت پر کسی نہ کسی شکل میں ہر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے بہت سے پڑھنے والوں کے دل میں بھی کبھی یہ باتیں نہ آئی ہوں، لیکن ایسا نہیں [illegible] رسالت کے [illegible] رسالت انسان کی فطرت کی آواز ہے اور یہ [illegible]

پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ایسے سوالات ہیں جو انسان کے دل میں ہمیشہ ایک کھٹک پیدا کرتے رہتے ہیں اور اس کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ان کا جواب دے۔ اور کسی انسان کے لیے بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ان سوالوں کے جوابات کو لیا دہ دنوں تک ٹالتا رہے ——— یہ تو ہو سکتا ہے کہ صحیح رہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے جوابات غلط دے بیٹھیں اور ان جوابات سے زبردستی اطمینان بھی حاصل کر لیا جائے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی طرف سے بالکل ہی آنکھیں بند کر لی جائیں ——— سوالات یہ ہیں:

اس عالم کو کس نے پیدا کیا ہے ؟

اسے کون چلا رہا ہے ؟

اس کی صفات کیا ہیں ؟

ہم سے اس کا کیا تعلق ہے ؟

اسے کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ؟

ہماری اس زندگی کا انجام کیا ہے ؟

مرنے کے بعد کچھ ہے یا نہیں ؟

ان سوالات کے جوابات ہر انسان چاہتا ہے۔ اور جب تک وہ ان کا کوئی نہ کوئی جواب نہ دے لے اسے سکون نہیں ہوتا۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہ صحیح جواب نہ پا کر کسی غلط جواب سے ہی اپنے کو کچھ مطمئن کر لے۔

آپ اس دنیا میں موجود ہیں۔ یہاں کی ہوا، یہاں کے پانی، یہاں کے سورج، غرض یہ کہ یہاں کے ذرّے ذرّے سے آپ کی زندگی کا ایک تعلق ہے، آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ نے نہ خود اپنے آپ کو بنایا ہے اور نہ ان ساری چیزوں کو پیدا کرنے میں آپ کے ارادے یا اختیار کو کوئی دخل ہے ——— پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اس ساری کائنات اور خود اپنے بنانے والے سے کوئی دلی تعلق محسوس نہ کریں۔ لیکن دل کا یہ لگاؤ اور روح کا تعلق اسی وقت تو قائم ہو سکتا ہے کہ جب آپ کو اس پیدا کرنے والی ذات کی صفات کا کوئی علم ہو، آپ جب تک اس کی صفات کے بارے میں کچھ جانتے نہ ہوں محض نام سے کوئی تعلق پیدا نہیں ہو سکتا۔

دلی لگاؤ پیدا ہونے کے لیے آپ کو صاف طور سے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ مالک جو کائنات اور خود آپ کا پیدا کرنے والا ہے وہی آپ کو پال بھی رہا ہے، وہی آپ کی زندگی کو باقی رکھنے کے لیے سامان کر رہا ہے، اسی کی رحمت کا نتیجہ ہے کہ آپ اس زمین پر بس رہے ہیں۔ اسے پورے عالم پر قدرت اور اختیار حاصل ہے، وہ سب [illegible] مہربان ہے، آپ کی تمام ضرورتوں کو وہی پورا کر سکتا ہے اور کر رہا ہے، اس کے [illegible] نہیں رہ سکتے۔ اگر یہ سب کچھ معلوم ہو جائے تو پھر ممکن نہیں کہ آپ [illegible]

مالک کے ملک میں آپ بس رہے ہیں آپ اُس کی مرضی تلاش کریں اور اسی کی مرضی کے موافق اپنی زندگی گزاریں۔ اُس کی سلطنت میں بسنے اور اُس کی بخشی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانے کے بعد ہر انسان کی فطرت اُسے یہ فرض یاد دلاتی ہے کہ اُسے کوئی کام ایسا نہ کرنا چاہیے جو اُس مالک کی مرضی کے خلاف ہو۔

اُس کی مرضی کیا ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے؟ اُسے کیا پسند ہے اور کیا ناپسند؟ —— یہ سوالات فوراً آپ کے سامنے آجاتے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا نہ ہو کہ آپ اپنی زندگی کے انجام کے بارے میں کچھ معلوم کرلیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس سوال کے ذہن میں آتے ہی یہ سوچ کر اُسے ٹالنا چاہتے ہیں کہ

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

مگر ذرا سا سوچیے تو آپ کو خود معلوم ہوجائے گا کہ یہ خیال کتنا غلط ہے۔ یہاں جو زندگی ہم گزار رہے ہیں اس کا بڑا گہرا تعلق اس سوال کے جواب سے ہے۔ فرض کریجیے کوئی یہ طے کرتا ہے کہ مرنے کے بعد کچھ نہیں ہے تو اُس کی زندگی کا ڈھنگ کچھ اور ہوگا، اور اگر کوئی یہ طے کرتا ہے کہ مرنے کے بعد ایک اور زندگی گزارنی ہے، اور اُس زندگی کی کامیابی کا دار اس دُنیا کی زندگی کے کاموں پر ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کی زندگی کا طریقہ کچھ اور ہوگا۔ اس لیے یہ سوال ایسا نہیں ہے کہ اس کا تعلق صرف آئندہ سے ہو اور حال سے نہ ہو، بلکہ سچ پوچھیے تو حال سے اس کا بڑا گہرا تعلق ہے۔

یہ وہ سوالات ہیں جو ایک اعتبار سے تو انسان کی فطرت کی آواز ہیں اور پھر وہ اتنے اہم بھی ہیں کہ انھیں پر انسان کی کامیابی اور ناکامی کا دار ہے۔ ان کے جواب میں ذرا سی غلطی ہوجائے تو پھر سب کچھ اکارت ہے۔ آپ ہی سوچیے کہ ایسے سوالات کو حل کرنے کے لیے کوئی یوں ہی بغیر سمجھے بوجھے کسی فیصلے پر کیسے عمل کرے گا۔ وہ شخص جو کسی بہت ہی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو اور جس کی زندگی کے لالے پڑے ہوں یوں ہی اپنے آپ کو کسی عطائی کے حوالے نہیں کرسکتا اور نہ وہ لوگوں کو اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ اس پر اپنی اپنی دواؤں کا تجربہ کیا کریں۔

آپ ان باتوں پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر ضرور پہنچ سکتے ہیں کہ ان سوالات کے صحیح جوابات معلوم کرنا ہماری زندگی کا سب سے زیادہ اہم کام ہے۔

اوپر بیان کیے ہوئے سوالات کے جوابات دو ہی طریقوں سے پا سکتے ہیں۔
پہلا طریقہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ ہم آپ اور سارے انسان اپنی عقل کے [illegible]

جواب ڈھونڈھ نکالیں۔ اس طریقے سے ہم زیادہ سے زیادہ جس نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں وہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس عالم کا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے' لیکن اب یہ سوال کہ اس کی صفات کیا ہیں اور وہ کیسا ہے' کس طرح حل کیا جائے؟ یہ معاملہ تو ہم آپ سب کے بس سے باہر ہے۔ بھلا جس ذات کو ہم دیکھ نہ سکیں' اُس کی کوئی آواز سُن نہ سکیں' اور جس کے بارے میں کچھ بھی معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہ ہو اُس کی صفات کا علم ہمیں کس طرح ہو سکتا ہے۔ پھر مشکل یہ ہے کہ ہم نے آج تک جتنی چیزوں کو دیکھا ہے اور جتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں کچھ علم ہے وہ ان میں سے کسی کی مثل ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ ہماری عقل ہی یہی بتاتی ہے کہ کوئی مخلوق اپنے خالق کی مانند نہیں ہو سکتی' اور ہم صرف مخلوقات کے ہی بارے میں کچھ معلومات رکھتے ہیں یا رکھ سکتے ہیں' اور پھر طرّہ یہ کہ خود بھی مخلوق ہی ہیں' اس لیے یہ خیال ہی بڑا دیوانہ پن معلوم ہوتا ہے کہ اپنی تحقیقات کی بنیاد پر ہم خالق کی صفات معلوم کرنے کی کوشش کریں اور کامیاب ہو جائیں۔

اب رہا یہ سوال کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے تو یہ اُس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ آپ کو تجربہ ہوگا کہ اکثر آپ فیصلہ کرتے ہیں کہ آپ کے دوست یا عزیز کو فلاں بات پسند ہوگی اور آپ اُسے کر ڈالتے ہیں۔ لیکن بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے دوست کی پسندیدگی کے بدلے اُلٹی ندامت اُٹھانا پڑتی ہے ـــــ حالانکہ آپ اپنے دوست سے خوب واقف ہوتے ہیں اور اُس کے مزاج کو جاننے کا دعوٰی بھی رکھتے ہیں تو بھلا بتائیے جس ذات کے بارے میں آپ خود کچھ بھی نہیں جان سکتے اور جو آپ کی معلومات کی پہنچ سے باہر ہے اُسے خوش کرنے کا سوال کتنا ٹیڑھا ہے۔ یہ معاملہ اتنا آسان نہیں کہ محض گمان اور قیاس سے طے کر لیا جائے اور بس اپنی عقل کے بھروسے پر یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ ہم سے ایسا اور ایسا چاہتا ہوگا۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسا کرنا کس قدر خطرناک غلطی ہے۔

اچھا' لیجیے ایک اور مشکل! آپ جانتے ہیں کہ ہر شخص کے سوچنے کا انداز جُدا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے غور اور فکر کے بعد کسی ایک نتیجے پر پہنچیں اور کوئی دوسرا شخص کچھ اور ہی طے کرے۔ یہ آئے دن کی بات ہے۔ اسی مسئلے کو لیجیے۔ کچھ لوگوں نے یہ سوچا اور طے کیا کہ واقعی اس عالم کے سارے کارخانے کا ایک بنانے والا ہے اور وہی اس کو چلا رہا ہے۔ لیکن کچھ اور لوگوں نے سوچا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ کارخانہ آپ سے آپ بن گیا ہے اور یوں ہی چل رہا ہے۔ کسی نے کہا بنانے والا تو ہے لیکن بنانے کے بعد اُسے کسی بات سے کوئی مطلب نہیں' کوئی بولا کہ بنایا تو اُس نے ہے لیکن اُس نے اس کا انتظام اوروں کو سونپ دیا ہے' کسی نے کہا یہ سب کچھ یوں ہی بلا کسی غرض اور مقصد کے بن گیا ہے اور یوں ہی ایک دن ختم بھی ہو جائے گا ـــــ یہی حال اُس مالک کی مرضی طے کرنے میں بھی ہوا۔ کسی نے کہا وہ ایسا چاہتا ہے کسی نے کہا ایسا۔ غرض یہ کہ جتنے منہ اُتنی باتیں ـــــ اور آپ کو سُن کر تعجب ہوگا کہ جب بھی انسان نے یہ طے کیا کہ اُس دُنیا کے مالک کی صفات کو وہ خود ہی معلوم کر سکتا ہے' اور اس کی مرضی کا پتہ لگانا بھی اُس کا اپنا کام ہے' تو وہ بالکل ہی بھٹک گیا۔ جہاں دیکھا کہ کسی سے کوئی نفع پہنچ سکتا ہے یا نقصان کا ڈر ہے

وہیں اُن کے سامنے سرٹیک دیا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ پیڑوں کو، پہاڑوں کو، دریاؤں کو، پتھروں کو، ستاروں کو، فرشتوں کو، اپنے ہی جیسے انسانوں کو اور معلوم نہیں کس کس کو انسان نے اپنا اِلٰہ بنایا۔

اسی خود سوچنے اور خود طے کرنے کا نتیجہ ہے کہ انسان نے اپنے آپ کو صرف ایک ترقی یافتہ حیوان شمار کیا۔ اس نے اپنی خواہشات اور ضروریات کو بالکل بے لگام بنا لیا، نہ کسی کی پوچھ گچھ کا خوف نہ کسی کے سامنے جواب دینے کا خیال۔ جو چاہا کیا اور جس طرح چاہا کیا، اپنا ملک اپنا راج ــــــ نیکی وہ جو خود کو نفع دے۔ بُرائی وہ جس سے اپنی غرض پوری نہ ہوتی ہو۔ جسے چاہا مارا، جسے چاہا لوٹ لیا۔ غرض یہ کہ اس آزاد فکری نے دُنیا کو جہنم بنا دیا۔ جہاں دیکھو فساد، جدھر دیکھو جنگ۔

یہ ہیں موٹے موٹے نتیجے ان بُنیادی سوالات کو خود حل کرنے کے۔ اور آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آج دُنیا کے سارے روگوں کی جڑ اگر ہے تو یہی ہے۔

اب رہ گیا ان سوالات کو حل کرنے کا دوسرا طریقہ، اس سے پہلے کہ ہم اس طریقے کی کچھ تشریح کریں آپ ایک بات پر غور فرمایئے ــــــ اگر خدا نہ کرے آپ کو کسی مقدمے کی پیروی کرنا ہو تو آپ کیا کرتے ہیں؟ یہی نا، کہ ایک اچھے سے وکیل کو تلاش کرتے ہیں، اور پھر معاملہ بالکل اُس کو سونپ دیتے ہیں، آپ بغیر کچھ سوچے سمجھے اُس کے سکھائے ہوئے بیانات عدالت میں لکھوا آتے ہیں چاہے وہ جھوٹ ہی کیوں نہ ہوں۔ اپنے گواہوں سے وہ سب کچھ کہلوا دیتے ہیں جو وکیل صاحب کہلوانا چاہیں، چاہے اُس کی مصلحت آپ کی سمجھ میں آ رہی ہو یا نہ آ رہی ہو۔ اسی طرح آپ ایک بیمار کو ڈاکٹر کے حوالے کر دیتے ہیں، جو دوا وہ بتاتا ہے وہ کھلا دیتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ یہ دوا ہے یا زہر، نفع دے گی یا نقصان؟ ــــــ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ وجہ ظاہر ہے۔ آپ کو وکیل صاحب پر اعتماد ہے، آپ جانتے ہیں کہ وہ قانون جانتے ہیں اور آپ نہیں جانتے۔ اسی طرح ڈاکٹر پر بھی آپ بھروسہ کرتے ہیں، آپ سمجھتے ہیں کہ دوا اور علاج کے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتے، ڈاکٹر جانتا ہے۔

ان سوالات کے حل کرنے کا دوسرا طریقہ یہی ہے۔ ہمیں ضرورت ہے کہ ہم اس بارے میں بھی کچھ لوگوں پر بھروسہ کریں، ایسے لوگوں پر جو ان باتوں کو جانتے ہوں اور ان کے بارے میں کوئی یقینی علم رکھتے ہوں، وہ جو کچھ کہتے ہوں اندھیرے میں اٹکل کے تیر نہ چلاتے ہوں۔ جو یہ نہ کہتے ہوں کہ یہ جوابات ہم نے خود سوچے ہیں۔ اس لئے کہ انسان کے سوچے ہوئے جوابات کی خرابی تو آپ جان ہی چکے۔ بلکہ وہ یہ کہتے ہوں کہ یہ باتیں ہم کو بتائی گئی ہیں اور ان میں سے کچھ چیزوں کو ہم خود مشاہدہ کر چکے ہیں۔ جو کچھ ہم بتاتے ہیں وہ سب کچھ یوں سمجھو ہماری آنکھوں دیکھا معاملہ ہے۔ کچھ ہمارا قیاس یا وہم نہیں ہے۔

وہ صاف صاف بتاتے ہوں کہ اس کائنات کے خدا کی صفات کیا ہیں، وہ کیا پسند کرتا ہے اور کیا ناپسند

اپنے بیان کی سند میں خود اُس مالکِ کائنات کا فرمان پیش کرتے ہوں، اور یہ دعوےٰ کرتے ہوں کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ جو پیام انھیں دیا گیا ہے وہی پہنچا رہے ہیں ۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى	وہ جو کچھ بولتا ہے اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وہ تو
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى	وحی ہے جو وحی کی جارہی ہے ۔

یہی لوگ پیغمبر ہیں ۔ انھیں کو رسول کہتے ہیں ۔ انسان کی زندگی کے وہ بنیادی سوال جن کے بغیر اس کی زندگی کی گاڑی صحیح راہ پر نہیں چلتی ان ماہروں کے بغیر حل نہیں ہو سکتے ۔ انسانی زندگی کی گتھیاں سلجھانے کے لیے انھیں کے بتائے ہوئے قانون کی ضرورت ہے ۔ فساد اور بدامنی کا روگ انھیں کی بتائی ہوئی دوا سے دُور ہو سکتا ہے ۔ یہ کچھ سب سے الگ قسم کے لوگ ہوتے ہیں ۔ ان کی سیرت دوسرے انسانوں سے ممتاز ہوتی ہے ۔ خود غرضیوں اور مفاد پرستیوں سے ان کا دامن پاک ہوتا ہے، ان کی بات مصلحتوں اور وقتی تقاضوں کے پردوں میں بھی چھپی ہوئی نہیں ہوتی ۔ راست بازی ان کی پہچان ہوتی ہے، یہ دیانت اور خلق کا نمونہ ہوتے ہیں ۔ جس حکمت اور جس عقل مندی کا ثبوت ان کے کاموں سے ملتا ہے اُس کو دیکھ کر یہ یقین ہونے لگتا ہے کہ وہ انسانوں سے بڑھ کر کچھ اور قوتوں کے مالک ہیں، کبھی کبھی ان سے ایسے کاموں کا بھی ظہور ہوتا ہے جس کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے ۔ غرض یہ کہ ان کو سمجھ لینے کے بعد کوئی انصاف پسند انسان یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان کا رشتہ یقیناً کسی اور قوت سے جڑا ہوا ہے ۔

وہ جو کچھ کہتے ہیں پورے یقین اور اطمینان کے ساتھ کہتے ہیں ۔ وہ اتنا ہی نہیں کہتے کہ خدا ہے اور اُس کی یہ صفات ہیں، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اُس کی باتیں سنتے ہیں، وہ ہم سے خود باتیں کرتا ہے، اُس کے پیغام ہمارے پاس آتے ہیں، وہ اپنے فرشتوں کو ہمارے پاس بھیجتا ہے ۔ کوئی چاہے ان کی باتیں مانے یا نہ مانے البتہ ان کی باتیں سُن کر وہ یہ اندازہ ضرور لگا سکتا ہے کہ بولنے والا ایسی قوت کے ساتھ بول رہا ہے گویا کہ وہ اپنی آنکھوں دیکھی بات کہہ رہا ہے ۔ جب لوگ اس کی باتوں میں اُلجھتے ہیں اور اس سے بحث کرتے ہیں تو وہ ان سے صاف صاف کہہ دیتا ہے کہ میری آنکھیں وہ سب کچھ دیکھ رہی ہیں، جو تم نہیں دیکھ سکتے، میرے کانوں میں وہ آوازیں آرہی ہیں جن کو تمھارے کان نہیں سُن سکتے ۔ وہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ دیکھو تمھارے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ تم میری بات سُنو اور یقین کرو ۔ جو بات تمھارے علم کی پہنچ سے باہر ہے اس کے پیچھے مت پڑو ـــــــ ہاں تمھیں اطمینان کرنا ہے تو میرے بارے میں اطمینان کرلو دیکھو میں جھوٹا تو نہیں ہوں، دیکھو میری باتوں میں میری کوئی اپنی غرض تو چھپی ہوئی نہیں ہے، دیکھو میں دیوانہ تو نہیں ہوں دیکھو میں تمھارا دشمن تو نہیں ہوں ۔

اب جو کسی کو زندگی کے بنیادی سوالات کو حل کرکے اپنی زندگی کو صحیح راہوں پر لگانا ہو اس کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے ماہر کو تلاش کرے جو ان سوالات کے جوابات دینے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اللہ نے جو عقل دی ہے اسے کام میں لگانا چاہیے، جن تک عقل کی پہنچ ممکن ہے۔ ایسی باتوں کو بے سوچے سمجھے مان لینا بڑی بد نصیبی ہے لیکن اس سے بڑی بد نصیبی یہ ہے کہ انسان اپنی عقل کو ان باتوں کے سمجھنے میں الجھا دے جو اس کی پہنچ سے باہر ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ ڈاکٹر کی تلاش اور انتخاب میں پوری سمجھ داری سے کام لیں لیکن جو شخص خود ڈاکٹر نہیں ہے وہ اگر دوا کی گولی اور ہر گولی کی ترکیب اور بناوٹ معلوم کرنے لگے تو اسے آپ یقیناً پسند نہیں کریں گے۔

جب حضرات انبیا علیہم السلام کو اصل حقیقتوں کا علم ہو جاتا ہے اور وہ اپنی کھلی آنکھوں سے یہ دیکھ لیتے ہیں کہ یہ سارا عالم کس کا بنایا ہوا ہے، اس کائنات میں کس کا حکم چل رہا ہے، اور یہ کہ انسانوں کے بارے میں اس خالق و مالک کی مرضی کیا ہے تو پھر اس وقت وہ انسانوں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ انھیں یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ جس مالک کے آگے اس جہان کا ذرہ ذرہ جھکا ہوا ہے، اور جس کے حکموں پر پوری کائنات چل رہی ہے، انسان اس مالک کو بھولا ہوا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ خوشی سے یا ناخوشی سے بہر حال اس عالم کی ہر چیز، چاہے وہ چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ہو، جو نظر بھی نہ آتا ہو، یا بڑے سے بڑا کوئی کرہ، یا نظامِ فلکی کا کوئی جزو ہو، سب کے سب اس کی مرضی کے مطابق کام کرنے پر بالکل مجبور اور بے بس ہیں، لیکن وہ انسان جو اس کائنات کا ہی ایک جزو ہے، اور جسے اس کے مالک نے ہی کچھ تھوڑی سی باتوں میں اپنی خواہش اور اپنے ارادے سے کام کرنے کی مہلت عطا فرما دی ہے، اپنی خواہش اور اپنے ارادے سے اس مالک کے سامنے نہیں جھکتا۔ حالانکہ وہی انسان بلا ارادہ اپنی زندگی کے کچھ حصے میں اسی کی فرماں برداری پر مجبور ہے۔ وہ ان سارے قوانین کا پابند ہے جن کے ماتحت اس کی زندگی بسر ہوتی ہے اس کا پیدا ہونا، اس کا بڑھنا اور پلنا، جوان ہونا، بوڑھا ہونا، بیمار پڑنا، مر جانا اور اسی طرح بے شمار حالات سے گزرنا یہ سب کچھ تو اسی خالق کے مقرر کیے ہوئے ضابطوں اور قاعدوں کے ماتحت ہی ہوتا ہے۔ لیکن جب اس سے کہا جاتا ہے کہ جن باتوں میں تیرے مالک نے تجھے کچھ تھوڑا سا اختیار دیا ہے ان میں بھی تو اسی مالک کی اطاعت کر، اور اس اختیار اور ارادے کی آزادی کو دوسرے لوگوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے کام میں مت لا، تو وہ سرکشی کرتا ہے۔ یہ حالات حقیقت کے جاننے والے ان بزرگوں کو ایک سخت بے چینی میں مبتلا کر دیتے ہیں اور بے تابانہ ان کی زبان سے نکلتا ہے:

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ	کیا یہ اللہ کی کامل اطاعت کے سوا کسی اور کی فرمانبرداری کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ زمین اور آسمان کی سب چیزیں

طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ اپنی خوشی سے یا مجبوراً اللہ ہی کی فرماں برداری کر رہی ہیں، اور ان سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
(آلِ عمران - ۹)

جس زمانے میں انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے ہیں، اُس وقت عام انسان خدا کو بھولے ہوئے ہوتے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو انسانوں کی عام روش سے غیر مطمئن ہوتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ انسانیت میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے اور اسے دُور ہونا چاہیے۔ اور جس طرح لوگوں کی حالت دیکھ کر ایک نبی کو دُکھ ہوتا ہے، ویسے ہی یہ بھی حالات دیکھ دیکھ کر کُڑھتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اپنی حد تک اصلاح کا کام بھی کرتے ہیں، لوگوں کی خرابیوں کو خود محسوس کرتے ہیں اور دوسروں کو محسوس کراتے ہیں، مگر ان کے ذہن میں عام اصلاح کا کوئی واضح نقشہ نہیں ہوتا، وہ یہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ کام کہاں سے اور کس طرح شروع کیا جائے۔ ان بے چاروں کے پاس کوئی باضابطہ خدائی ہدایت نہیں ہوتی۔ ان کے زمانے سے پہلے آئے ہوئے نبی کی تعلیمات کو دُنیا یا تو بھلا چکی ہوتی ہے۔ یا اُسے توڑ مروڑ کر اپنے رنگ میں رنگا جا چکا ہوتا ہے۔

یہی وہ وقت ہوتا ہے جب اس کائنات کا شہنشاہ اپنی بھٹکی ہوئی مخلوق کے لیے رہنمائی کا انتظام فرماتا ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ بے شک صحیح راستہ بتانا ہمارے ذمّے ہے۔

اور رہنمائی کے لیے انسانوں میں سے ہی ایک موزوں انسان کو چُن لیتا ہے، اپنی طرف سے اس کی رہنمائی کا انتظام کرتا ہے، اس کو تمام حقیقتوں کا علم بخشتا ہے، اور پھر اپنے بھٹکے ہوئے بندوں کی اصلاح کے کام پر لگا دیتا ہے ـــــ

اصلاح پسند کرنے والے دوسرے لوگوں میں اور ایک نبی میں یہی فرق ہوتا ہے کہ نبی کی رہنمائی براہِ راست خدا کی طرف سے ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے خطاب اور اپنی ہدایت سے نوازتا ہے جبکہ دوسرے لوگوں کے پاس اللہ کی دی ہوئی عقل کے سوا رہبری کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہوتا۔

کچھ لوگ اس طرح سوچتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اُس کی صفات کو پہچانے اور اُس کی مرضی کا پتہ چلا کر زندگی اُس کے بتائے ہوئے ڈھنگ پر گذارے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی عقل کیوں نہ دی کہ وہ ان باتوں کا علم خود اپنی عقل کی مدد سے حاصل کر لیتا ـــــ اور اُس سے بھی آگے بڑھ کر بعض یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم کو تو اللہ نے جتنی عقل دی ہے، ہم تو بس اُسی کو کام میں لائیں گے، اور جو کچھ ہماری سمجھ میں آجائے گا ہم وہی کرنے لگیں گے۔

اس طرح سوچنا کئی وجہ سے غلط ہے:

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ سب انسانوں میں عقل کو کام میں لانے کی قوت یکساں نہیں ہے، اور

آپ بھی جانتے ہیں کہ انسانوں کا ایک بہت بڑا گروہ تو وہ ہے جو کسی مشاہدے اور کسی مطالعے کے لیے آمادہ ہی نہیں ہوتا، وہ نہ سوچتا ہے اور نہ سوچ سکتا ہے، ایسا گروہ ہمیشہ دوسروں کے سوچے ہوئے راستوں پر آنکھیں بند کئے چلتا ہے، اور اگر کوئی صحیح رہنمائی موجود نہ ہو ہمیشہ خود غرضوں اور مفاد پرستوں کا شکار ہوتا رہتا ہے ——— اللہ تعالیٰ کے کرم اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ایسے گروہ کی رہنمائی کا کوئی بندوبست فرمائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مشاہدے اور مطالعے کی صلاحیت موجود بھی ہو تو پھر اس سے ٹھیک ٹھیک نتیجہ نکالنے میں بھی اکثر غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ایک ہی واقعے کو مختلف لوگ دیکھتے ہیں لیکن وہ اس سے بالکل الگ الگ اخذ کرتے ہیں، اور علیحدہ علیحدہ نتیجے نکالتے ہیں۔ اس طرح اگر لوگوں کو اپنے اپنے نکالے ہوئے نتیجوں پر کام کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے تو نتیجہ وہی نکلے گا جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ یہی وہ صورت ہے جو سارے عالم کو فساد اور بدامنی سے بھر دیتی ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ انسان میں باپ دادا کی تربیت اور سوسائٹی کے اثرات قبول کرنے کا مادہ موجود ہے بڑے بڑے عقل مند اور سوچنے والے اس مرض سے آزاد نہیں ہوتے، وہ جو کچھ سوچتے ہیں اور اپنے سوچے ہوئے سے جو کچھ نتیجے نکالتے ہیں اُسی سے اُن کے خاندانی اثرات کا پتہ چلایا جا سکتا ہے ——— عام انسانوں کی رہنمائی کے لیے ایسے شخص کی سوچی ہوئی کوئی بات مفید نہیں ہو سکتی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ انسان کے ارادے میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ وہ جس چیز کو حق جان لے اس پر فوراً ہی عمل بھی شروع کر دے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کی عقل کچھ فیصلہ کرتی ہے، لیکن اس کا دل کچھ اور ہی چاہتا ہے۔ وہ حق ایک بات کو سمجھتا ہے لیکن ماحول اور سوسائٹی کا دباؤ اس کا گلا دباتے ہیں اور وہ اس حق کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ حق کو ظاہر کرنے کے لیے جس شخص کو چنا جائے وہ عام انسانوں سے بڑھ کر کچھ صفات رکھتا ہو۔

عقل کی مدد سے ایک اونچے سے اونچا انسان تحقیق کرنے کے بعد کچھ حقیقتوں کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہے کہ شاید ایسا ہو، ایسا ہونا ممکن ہے، ایسا ہونا چاہیے۔ لیکن پورے یقین کے ساتھ یہ کہنا کہ ایسا ہی ہے، صرف اُسی وقت ممکن ہے کہ جب معاملہ عقل کی حد سے گذر کر علم و یقین اور عینی مشاہدے کی حد تک پہنچ جائے۔ چنانچہ جو باتیں انسان کے مشاہدے اور تجربے کے دائرے سے باہر ہیں ان میں صرف عقل کی مدد سے کوئی آخری فیصلہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

اسی مقام پر ایک عینی شاہد، حقیقت شناس اور واقف راز کی ضرورت پڑتی ہے ——— یہ درجہ انسانوں میں صرف انبیاء علیہم السلام کو بخشا گیا ہے۔ بڑے سے بڑا محقق اور بڑے سے بڑا سوچنے والا بھی یہ مقام حاصل نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور شعور [illegible] اس پر جو کرم فرمایا ہے اس کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی [illegible]

جب تک وہ اُس پر اپنے ایسے پوشیدہ راز ظاہر کرنے کا انتظام نہ فرماتا جن کا جاننا اس کے لیے لازمی تھا۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اُس نے اپنے رسولوں کو بھیجا ——— یہ سلسلۂ رسالت انسانیت پر اُس کا سب سے بڑا کرم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر بسایا، اس کی زندگی کا سامان کیا، اس کے سانس لینے کو ہوا، اس کے کھانے کو غلہ، پھل اور ترکاریاں، اس کے پینے کو پانی غرض یہ کہ اس کے زندہ رہنے کے لیے جو سامان ضروری تھا وہ سب کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ساری قوتیں اس کو پرورش کرنے اور زندہ رکھنے کے لیے لگی ہوئی ہیں۔

ایک ایسی ہستی جو انسان پر اس درجہ مہربان ہے ایسا نہیں کر سکتی کہ اس کے لیے زندگی کو صحیح طریقے پر بسر کرنے کا کوئی انتظام نہ کرے۔ یہ اُس کے رب ہونے کی شان کے خلاف ہے۔

اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے۔ انسان یہاں جو کچھ کمائے گا، وہاں پائے گا ——— وہاں کامیاب ہونے کے لیے ایک شخص کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے۔ اگر یہ باتیں اسے بتائی نہ جائیں اور قیامت کے دن اس کے کاموں کی فہرست سامنے رکھ کر اس کے لیے سزا یا انعام تجویز کر دیا جائے تو یہ بڑی بے انصافی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے انصاف کا تقاضا ہے کہ رسول آئیں اور لوگوں کو راہ دکھائیں۔ جس شخص کو یہ بتایا ہی نہ گیا ہو کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اس سے اس کے کاموں کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ کرنے کا کسی کو کیا حق ہو سکتا ہے؟ کل قیامت کے دن لوگوں کے کاموں کا اچھا یا بُرا بدلہ اسی صورت میں تو دیا جا سکتا ہے کہ جب وہ مالکِ کائنات کی عدالت میں یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں تو معلوم ہی نہ تھا کہ آپ چاہتے کیا ہیں؟ ——— رسولوں کا بھیجنا لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لیے بے حد ضروری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ مالکِ کائنات جو سارے انسانوں کا رب ہے اور جس سے زیادہ انصاف و کرم والی ذات کوئی اور نہیں ہو سکتی، اس نے جس دن سے زمین پر انسان کو بسایا، اُسی دن سے رسالت کا سلسلہ شروع کیا [illegible] پہلا انسان اُس کا رسول ہی تھا۔ اور اُس کے بعد سے لے کر آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک ان گنت رسول آئے۔ یہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہر ملک اور ہر قوم میں آئے، اور ہمیشہ [illegible] کے لیے اللہ کی رحمت اور کرم کا سبب ہوئے۔

الحسنات کا یہ خاص نمبر جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ کی اسی رحمت کی تشریح کے لیے وقف ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ مختلف طریقوں سے ان سب باتوں کو آپ کے سامنے لے آئیں جو رسالت [illegible]

جاننا آپ کے لیے ضروری ہے۔ ہر مضمون "رسالت" کے کسی نہ کسی پہلو کی تشریح کے لیے ... میں لکھا گیا ہے، اور امید ہے کہ ان کے پڑھنے کے بعد آپ کو رسالت کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے، اور اس کو ہمارے لیے اور ہمارے پڑھنے والوں کے لیے خیر کا سبب بنائے۔ اب آپ "رسالت نمبر" کے مضامین کا بغور مطالعہ فرمائیے، ہم آپ کو اور زیادہ منتظر نہیں رکھنا چاہتے ——

خدا کے رسول

جناب حافظ عبدالسمیع صاحب حافظ دہاپوری

خدا کے جتنے رسول آئے خدا کی باتیں بتاتے آئے
تجلیٔ حق سے گوشہ گوشہ جہان کا جگمگاتے آئے

رموز و اسرارِ دینِ فطرت کے ہر بشر کو سمجھاتے آئے
دلوں پہ پردے پڑے جو جتنے تھے لوگ کے پردے اٹھاتے آئے

ضلالت و گمرہی مٹاتے، رہِ صداقت دکھاتے آئے
خدا کے باغی جو تھے انہیں کو، خدا کے آگے جھکاتے آئے

ہوا جو مقصد میں ان کا سکون و امن و اماں کا ضامن
جہاں سے خونریزیاں مٹاتے پیامِ رحمت سناتے آئے

سب آئے دیتے ہوئے مسلسل وہ نوعِ انساں کو دعوتِ حق
ہر ایک فردِ بشر کو یعنی خدا کی جانب بلاتے آئے

بساطِ باطل الٹ کے رکھ دی طلسمِ طاغوت توڑ ڈالا
یوں ہی شیاطیں کی قوتوں سے وہ لڑتے آئے [illegible]

سوائے ذاتِ خدائے واحد کوئی نہیں بندگی کے لائق
یہی بتاتے، یہی سکھاتے، یہی سبق وہ پڑھاتے آئے

انہیں کی دعوت سے ہر جہاں میں دینِ فطرت کا نام چمکا
وہی تو باطل کی ظلمتوں میں چراغِ حق کا جلاتے آئے

کھلا دیے پھول علم و حکمت کے گلستانِ جہاں میں حافظ
وہ دینِ حق کی بہار بن کر فضائے عالم پہ چھاتے آئے

جناب مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی

ہمارے حقیقی رہنما

آپ نے دُنیا میں ایسا کوئی بھی آدمی نہ دیکھا ہوگا جو اپنی زندگی کے ہر معاملے میں صرف اپنی ہی سُوجھ بوجھ کو کافی سمجھتا ہو اور جو کبھی دوسروں کی سُوجھ بُوجھ کا سہارا نہ لیتا ہو، زندگی کے تمام معاملات تو ایک طرف رہے، شاید چند معاملے بھی ایسے نہ دکھائی پڑیں گے جن کے اندر وہ کسی نہ کسی شکل میں دوسروں کی واقفیتوں کا، ان کی عقل مندیوں کا اور ان کے تجربوں کا محتاج نہ ہو۔ جب تک وہ بچہ رہتا ہے اور اس کی دُنیا گھر کی چار دیواری کے اندر محدود ہوتی ہے، اُس وقت تک نہ صرف یہ کہ اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتے داروں کی پرورش اور دیکھ بھال کا محتاج ہوتا ہے، بلکہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ وہ اسے اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، باتیں کرنے، کھانا کھانے اور پانی پینے، تن ڈھانکنے اور صفائی رکھنے، کچھ باتوں کو کرنے کا اور کچھ کو نہ کرنے کا، اور اسی طرح نہ جانے کتنی باتوں کا ڈھنگ سکھائیں۔ ورنہ آگے چل کر اس کا طور طریق جنگل کے جانوروں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہو سکتا۔ پھر جب وہ بڑا ہوتا ہے اور اس کے اندر کچھ اور جاننے کی ضرورت اور خواہش محسوس ہوتی ہے، وہ اپنے گھر، اپنے خاندان، اپنی بستی، اپنے ملک اور پھر پوری دُنیا کے متعلق کچھ جاننا چاہتا ہے، تو اس وقت بھی وہ قریب قریب ہر بات میں دوسروں ہی کی عقل اور اُن کے تجربوں سے یہ مقصد حاصل کرتا ہے۔ یہی دوسرے اسے بتاتے ہیں کہ ماں باپ کے، رشتے داروں کے، خاندان والوں کے، ملکی بھائیوں کے اور عام انسانی برادری کے تم پر یہ یہ حقوق ہیں۔ انھیں میں سے کچھ لوگ اُسے مدرسوں میں ملتے ہیں، جو اس کو زندگی سے متعلق بہت سے علوم کا درس دیتے ہیں۔ کچھ کارخانوں میں ملتے ہیں جو اسے صنعت کا فن سکھاتے ہیں، کچھ بازاروں میں ملتے ہیں جو اس کو لین دین کا ڈھنگ بتاتے ہیں، کچھ کھیتوں میں کام کرتے نظر آتے ہیں جو اس کو جوتنے بونے، سینچنے اور اناج پیدا کرنے کا گُر سکھاتے ہیں، کچھ حکومت کے اداروں اور کونسلوں میں ہوتے ہیں جو اس کو مُلک کا نظم و نسق چلانے کی ٹریننگ دیتے ہیں۔ کوئی انسان ان میں سے کسی فن اور کام کی الف بے سے زیادہ ہرگز نہیں جان سکتا اگر دوسرے لوگوں کی رہنمائی اور رہبری اسے حاصل نہ ہو۔ حد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے جسم کی صحت نہیں برقرار رکھ سکتا اور نہ علد بیماریوں کے پنجے سے نجات پا سکتا ہے اگر دوسروں کی (یعنی حکیموں اور ڈاکٹروں کی) معلومات اس کی امداد نہ کریں۔

انسان کتنا کمزور پیدا ہوا ہے؟ اس کی طاقتیں کتنی محدود ہیں؟ وہ پیدائشی طور پر دوسرے انسانوں کی بے شمار اعانتوں کا کس حد تک محتاج ہے؟ شاید اس کا اندازہ آپ نے ان سطروں کے پڑھ لینے سے کرلیا ہوگا۔ اچھا تو اب ذرا ایک قدم اور آگے بڑھیے اور یہ سوچنے کی کوشش کیجیے کہ کیا انسان کو صرف اتنے ہی امور کی بابت کچھ جاننا اور معلومات حاصل کرلینا ضروری ہے، یا اس کے لیے ان کے آگے بھی کچھ سوچنے اور جان لینے کے قابل باتیں ہیں؟ اس سوال کا جواب ہر معقول اور ذمے دار شخص لازماً یہی دے گا کہ ہاں، یقیناً ان باتوں کے اوپر کچھ باتیں اور بھی ہیں جن کے متعلق اس کو جاننا چاہیے، اور آج تک دُنیا اس جاننے کی ضرورت کا احساس بڑی سختی سے کرتی رہی ہے۔ یہ کون سی باتیں ہیں؟ یہ وہ باتیں ہیں جن کا تعلق اپنی زندگی کے مقصد اور اس کے انجام سے ہے۔ ورنہ اندازہ لگائیے، یہ کتنی بڑی نادانی اور ناانصافی کی بات ہوگی کہ انسان اپنے اور اپنی اس دُنیا کے متعلق تو بہت کچھ جاننے اور اس کے لیے اپنی اَن تھک کوشش صرف کر ڈالے، بلکہ زندگی بھر کرتا رہے، مگر اس کے بارے میں کچھ نہ سوچے اور نہ کچھ جانے کہ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ وہ کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے؟ پھر یہ کہ اس مقصد کو پورا کرنے اور اس انجام کو اچھا بنانے کے لیے اسے کیا کرنا چاہیے؟ کون سی باتیں اس کے کرنے کی ہیں اور کون سی بچنے کی؟ کیا اس کے حق میں اچھا ہے اور کیا بُرا؟

غور کیجیے، یہ باتیں کتنی اہم ہیں، اور ان کی بابت ہمیں ٹھیک ٹھیک معلوم ہونا کتنا ضروری ہے! اگر ہم اُن چھوٹی چھوٹی باتوں کے متعلق کچھ نہ جانیں، یا بہت کم جانیں، یا غلط جانیں، جن کا اوپر ذکر ہوا، یعنی اگر ہم اس بات سے پوری طرح باخبر نہ ہوں کہ کھیتی کس طرح کی جاتی ہے؟ مکان کیوں کر تعمیر کیے جاتے ہیں؟ کپڑے کس طرح بُنے جاتے ہیں؟ ضرورت کی دوسری چیزیں کس طرح بنائی جاتی ہیں؟ کارخانے کس طرح چلتے ہیں؟ چیزوں کی خرید و فروخت کس طرح کی جاتی ہے؟ تندرستی کی حفاظت کیسے کی جاتی ہے؟ بیماریوں کا علاج کیسے کیا جاتا ہے؟ تو اس بے خبری اور جہالت کا جو نقصان ہمیں پہنچے گا وہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ہم فاقے کرنے پر مجبور ہوں گے، زندگی ا آسانیوں سے محروم ہو جائیں گے، قدم قدم پر مشقتیں اور زحمتیں اُٹھائیں گے، بیماریوں سے پریشان ہوں گے لیکن اگر ہم یہ نہ جانیں کہ ہم پیدا کس لیے کیے گئے ہیں؟ اور ہمارا انجام کیا ہونے والا ہے؟ اور اپنے مقصدِ ندگی کو حاصل کرنے اور اپنے انجام کو خوش آیند بنانے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ تو اس نہ جاننے کا نقصان تنا بڑا ہو سکتا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارا پہلا فرض کیا ہو جاتا ہے؟ ف یہ کہ ہم اس سوال کو حل کرنے کی کوشش اور ان باتوں کو جان لینے کی فکر سب سے زیادہ کریں۔ اس سے بہرحال زیادہ کریں جتنی اپنے کھانے پینے اور تن ڈھانکنے کے لیے کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان باتوں کا پتہ کیسے لگائیں؟ کیسے جانیں کہ ہم کس لیے پیدا کیے گئے ہیں؟ کیسے جانیں کہ ہماری زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے

فلاں رویہ صحیح ہے' اور دوسرے رویے غلط ہیں؟ اپنی ذاتی صلاحیتوں کا' اور اپنی عقل و فہم کی [illegible] کا اندازہ آپ اوپر لگا چکے ہیں۔ یہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ انسان اس معاملے میں کتنا بے بس ثابت ہوا ہے اور معمولی معمولی باتوں میں وہ غیروں کا محتاج ہے۔ تو پھر اس سے یہ امید رکھنا کہ وہ اپنی زندگی کے اس سب سے اہم اور مشکل سوال کا حل خود ہی معلوم کرے گا' نری نادانی ہوگی۔ اس کے برخلاف وہ اس معاملے میں تو باہر کی امداد اور رہنمائی کا اور زیادہ محتاج ہوگا۔ اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس معاملے میں رہنمائی کس کی قبول کرے؟ یہ بات تو ہر شخص جانتا ہوگا کہ معاملہ جتنا اہم ہو اُتنی ہی زیادہ اس کے بارے میں احتیاط برتنی چاہیے' اور رہنما کے انتخاب میں اُتنی ہی زیادہ ہوشیاری اور انتہائی چھان بین سے کام لینا چاہیے۔ اگر آپ کو معمولی سا زکام ہوتا ہے تو کسی ادنٰے درجے کے عطار سے بھی نسخہ لکھا لینے اور دوا لے لینے کو کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن خدانہ کرے اگر کبھی آپ نمونیہ کی زد میں آجائیں تو کیا اُس وقت بھی یہی رویہ اختیار کریں گے؟ نہیں' ہرگز نہیں' اُس وقت تو آپ کی کوشش یہی ہوگی کہ کسی ماہر حکیم' یا تجربہ کار ڈاکٹر سے علاج کرائیں' اور اس وقت آپ اس کی بھی کوئی پروا نہیں کرتے کہ بڑے ڈاکٹر کا علاج کتنا گراں پڑے گا۔ جب معمولی معاملات میں آپ کی احتیاط کا یہ حال ہوتا ہے تو سب سے بڑے اور اہم معاملے میں تو آپ کو اور زیادہ لازم ہے کہ کسی بھی ممکن احتیاط سے باز نہ رہیں' اور جس کسی سے اس سوال کا سب سے زیادہ کامیاب جواب ملے' اُسی کا دامن پکڑیں' اور پھر یہ نہ دیکھیں کہ اس کی بتائی ہوئی راہ کتنی مشکل ہے بلکہ صرف یہ دیکھیں کہ صحیح راہ صرف یہی بتا سکتا ہے۔

اس غرض کو سامنے رکھ کر اگر آپ چاروں طرف نظر ڈالیں گے تو دو طرح کے لوگ رہنمائی کا یقین دلاتے ہوئے آپ کو ملیں گے۔ ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہوگا جو اپنی عقل کی برتری' اور اپنے علم و تجربے کی تنہا [illegible] کا دعویٰ رکھتا ہوگا۔ اس کا کہنا ہوگا کہ "ہم عام انسانوں سے زیادہ ہوشیار ہیں' ہمارے اندر زندگی کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے' ہمارا علم اور ہمارا تجربہ اَوروں کے مقابلے میں بہت بڑھا ہوا ہے' ہم نے گزرے ہوئے حالات اور واقعات سے مُفید سبق سیکھے ہیں' اور آنے والے حالات کا ہم صحیح اندازہ رکھتے ہیں' اس لیے عام لوگوں کا فرض ہے کہ وہ ہماری بات مانیں' ہماری عقل پر اعتماد کریں' ہمارے علم اور تجربے پر ایمان لائیں اور ہمیں اپنا رہنما تسلیم کریں' اسی میں ان کی بھلائی ہے اور اسی میں ان کی زندگی کی کامیابی ہے۔" دوسرا گروہ ایسے [illegible] کا گروہ ہوگا جس کا کہنا یہ ہوگا کہ "انسانی زندگی کے اس اہم ترین مسئلے کا حل نہ زید کے پاس ہے نہ بکر کے' کسی کی عقل' تجربہ یا علم اس قابل ہرگز نہیں ہے کہ وہ اس مشکل مسئلے کو صحیح اور مکمل طور سے حل کر سکے۔ اس کا حل صرف وہ ذات بتا سکتی ہے جس کی دانائیاں' جس کی حکمتیں' جس کی واقفیتیں انسانوں کی طرح ادھوری نہیں [illegible] مکمل ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ۔ اور نہ صرف یہ کہ وہی یہ مسئلہ حل کر سکتا ہے' بلکہ حقیقت میں اُس نے اپنا [illegible]

اُسے ایسا کرنا بھی چاہیے تھا۔ اس کی رحمت اور پروردگاری کی شان کب یہ گوارا کر سکتی تھی کہ وہ انسان کی اس دُنیا کی ساری ضرورتیں تو فراہم کرے، مگر اس کی سب سے بڑی ضرورت کے بارے میں خاموشی اختیار کر لے، اور راستے اپنے آپ پر چھوڑ دے۔ بلاشبہ انسان اگر صرف ایک حیوان ہوتا تو قدرت کا اتنا انتظام اس کے لیے کافی تھا کہ اس کے پیٹ بھرنے کے لیے کچھ نباتات اُگا دے، گرمی سردی سے بچنے کے لیے لباس پیدا کر دے، اور بارش سے محفوظ رہنے کے لیے مکان بنا لینے کا ہنر سکھا دے، لیکن جب وہ بتا جوان ہی نہیں ہے جس کی زندگی کا کوئی بلند مقصد نہ ہو بلکہ وہ ایک انسان بھی ہے اور اس کا انسان ہونا، اس کا صاحبِ عقل ہونا، اس کا با اختیار رہنا، اس کا بُرے بھلے کی تمیز رکھنا چاہتا ہے کہ اسے کچھ اور دیا جائے اور اس کی زیادہ بڑے پیمانے پر رہنمائی کر دی جائے، اسے بتا دیا جائے کہ تیری زندگی کا مقصد یہ ہے، اور اس کے حاصل کرنے کے لیے تجھے فلاں رویّہ اختیار کرنا چاہیے۔ ورنہ وہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتا بھٹکتا پھرتا، اور یہ بات اس کے شفیق اور مہربان پروردگار کے لیے ہرگز زیب نہیں دیتی۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا ہے ——— اور ہم اس کے ترجمان بن کر تمہیں راہ دکھانے آئے ہیں۔"

پہلا گروہ عام دُنیوی لیڈروں کا ہے، جس میں فرعون اور نمرود جیسے خدائی کے دعوے دار بادشاہوں سے لے کر مارکس اور ہیگل جیسے فلسفی، اور ٹرومین اور اٹیلی جیسے جمہوریت کے علم برداروں سے لے کر ہمارے ہندوستانی نیتاؤں جیسے سچائی اور اخلاق کے پرچارک تک موجود ہیں۔ دوسرے گروہ میں خدا کے وہ بندے شامل ہیں جن کو انبیا کہا جاتا ہے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

اب عام انسانوں کا فرض ہے، بلکہ وہ اس کے لیے مجبور ہیں کہ ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کو اپنا رہنما تسلیم کر لیں، اس کے سوا اور کوئی راہ ان کے لیے ہے ہی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ انھیں کس گروہ کے ہاتھوں میں اپنی رہنمائی کی باگ دینی چاہیے؟ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کی اہلیت دیکھی جائے، ان کے دعوے کی سچائی پرکھی جائے، ان کی زندگی کے کارنامے جانچے جائیں، اور خود ان کی دی ہوئی تعلیمات کی قدر و قیمت معلوم کی جائے، اور آخر میں یہ بھی دیکھا جائے کہ ان کی تعلیمات کے نتیجے کیا ہوتے رہے ہیں۔ اس پہلو سے اگر آپ ان دونوں گروہوں کا مقابلہ کریں گے تو آپ دونوں میں کچھ اس طرح کا فرق پائیں گے:

(۱) پہلا گروہ جو کچھ کہتا ہے اور انسانی زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ بتاتا ہے، اس کے متعلق اس کا صاف صاف اعتراف ہے کہ یہ سب کچھ اس کی اپنی عقل اور اس کے ذاتی تجربے کی پیداوار ہے، جب کہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، جو کچھ کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں۔ پھر وہ اپنے اس دعوے پر کچھ ... ان کو ... مرتبہ ... ہے، مضبوط دلیلیں بھی دیتے ہیں، لیکن پہلا گروہ اس بات کی کوئی ... نہیں ... کہ ... کیوں مانا جائے اور اس کی عقل کو کیوں دوسروں کی عقلوں پر ترجیح دی جائے۔

(ب) پہلا گروہ لوگوں سے اصلاً اپنی پیروی کا مطالبہ کرتا ہے جب کہ دوسرا گروہ اصلاً اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اُسی کے احکام کی پیروی کا مطالبہ کرتا ہے اور اگر اپنی پیروی کا مطالبہ کرتا ہے تو صرف اس لیے کہ اللہ کی بندگی کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ ممکن ہی نہیں۔

(ج) پہلا گروہ ایک ہی طرح کی باتیں نہیں کرتا، بلکہ اس کے ہر ہر فرد کی اپنی اپنی الگ رائے ہوتی ہے ہر ایک انسانی زندگی کا علیحدہ علیحدہ مقصد بناتا اور اُس کے بسر ہونے کا جُدا جدا طریقہ پیش کرتا ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی باتیں کہتا رہا ہے اور سب نے زندگی کا ایک ہی مقصد اور اس کے کامیاب ہونے کا ایک اصول بتایا ہے۔

(د) نہ صرف یہ کہ پہلے گروہ کے ہر فرد کی رائے اور تعلیم دوسروں سے الگ ہوتی ہے بلکہ خود ایک ہی شخص کی ساری باتوں میں یگانگت نہیں ہوتی، بلکہ ان میں اکثر بڑا بھاری اختلاف پایا جاتا ہے اور عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ آج وہ کچھ اور اصول پیش کرتے ہیں اور کل کچھ اور۔ لیکن دوسرے گروہ کے یہاں اس طرح کی کوئی بات نہیں پائی جاتی، اس کا ایک ایک فرد ہمیشہ اور اپنی زندگی بھر ایک ہی طرح کی باتیں کہتا رہا ہے اور کبھی بھی اس کی باتوں میں باہم اختلاف نہیں پایا گیا۔

(ہ) پہلے گروہ کا اخلاقی اور عملی رویہ دوسرے سے بالکل جُدا ہوتا ہے۔ دوسرے گروہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو عملی پیروی میں دوسروں سے اونچا نہیں سمجھتا۔ جس تعلیم کو دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے پیش کرنے سے پہلے خود کو اس کا پابند بناتا ہے، وہ خدا کی طرف سے جو ہدایت نامہ لوگوں کو دیتا ہے سب سے پہلے آپ اُس کو دل و جان سے مانتا اور اُس کے مطابق اپنی زندگی ڈھال دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اسی گروہ کے ایک مشہور فرد ہیں، اللہ تعالیٰ کو خطاب کر کے کہتے ہیں:

سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ	پاک و برتر ہے تو، مَیں نے تیرے حضور توبہ کی، اور
وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○	میں (تجھ پر اور تیری ساری صفتوں پر) سب سے پہلا
(سورۂ اعراف۔ ۱۴۳)	ایمان لانے والا ہوں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جو اس گروہ کے آخری اور سب سے بڑے فرد ہیں، ان کی صفت قرآن یہ بیان کرتا ہے کہ:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ	پیغمبر (یعنی محمدؐ) اس ہدایت پر ایمان لایا ہے
اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ	جو اُس کے اوپر اُس کے آقا کی جانب سے اتاری
(بقرہ۔ ۲۸۵)	گئی ہے۔

یہ تو ان لوگوں کے خدائی ہدایت پر ایمان لانے کا حال تھا۔ اب اس کی عملی پیروی کی کیفیت سنیے! ان تمام لوگوں نے خود اپنی زبان سے اس بات کا کھلم کھلا اظہار کیا ہے کہ ہم اس خدائی ہدایت کے خود پوری طرح پابند ہیں جو دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خدا نے اپنا پیغامبر ہی نہیں بنایا ہے بلکہ یہ حکم بھی دیا ہے کہ خود اس پیغام کی پیروی کرو جو تم دوسروں تک پہنچاتے ہو' اور اچھے کام کرو جس کا اللہ نے حکم دیا ہے!

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا۔ (مومنون۔ ۵۱)

اے رسولو! پاکیزہ اور ستھری چیزیں کھاؤ' اور اچھے کام کرو۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ

میں تو صرف اس ہدایت کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔

صرف یہی نہیں کہ یہ لوگ خود اپنی تعلیم اور ہدایت کے پیرو ہوتے ہیں بلکہ سب سے پہلے پیرو ہوتے ہیں' جس طرح کہ وہ سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم خود اپنی ہی پیش کی ہوئی کتاب (قرآن) کے ذریعے اپنی حیثیت یہ بتاتے ہیں کہ:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔ (انعام ــ ۱۶۲)

یقیناً میری نماز اور میری قربانی' یعنی میری حیات اور میری موت (سب کی سب) اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا رب ہے' اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں۔ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے' اور میں سب سے پہلا حکم بردار ہوں۔

پھر یہی نہیں کہ یہ لوگ اپنے کو سب سے پہلا پابند اور حکم بردار سمجھتے ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی برابر دعا کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں اس معاملے میں کامیاب کر۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے جس وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ الفاظ منہ سے نکالے تھے کہ:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ (بقرہ)

پروردگار! ہمیں اپنا حکم بردار بنا۔

تو اس وقت ان کے دل میں اپنی عملی ذمے داریوں کا یہی احساس جوش مار رہا تھا۔

اس بات کا کہ خداوندی احکام کے سب سے زیادہ پابند خود یہی لوگ ہوتے تھے۔ صحیح اندازہ ایک چیز سے آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ جس حکم شریعت پر عمل کرنا سخت دشوار تھا' اس کی پیروی کی ابتدا خود اس پیغمبر ہی سے کرائی گئی جو اس شریعت کا سکھانے اور پہنچانے والا تھا۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ سنیے۔

اسلام سے پہلے عرب کے جاہلی رسم ورواج میں منھ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی حیثیت دے دی گئی تھی اور جس طرح سگے بیٹے کی طلاق دی ہوئی یا بیوہ عورت سے نکاح کرنا ناجائز سمجھا جاتا تھا، اسی طرح منھ بولے بیٹے کی بیوی سے بھی ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا کہ اس غلط رواج اور جاہلی خیال کو مٹا دیا جائے، لیکن پشتینی رسم و رواج کے خلاف عملی قدم اٹھانا جتنا دشوار کام ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کی ہرگز توقع نہ تھی کہ لوگ اس طرح کی جرأت کریں گے اور پورے ملک کے اعتراضوں کا نشانہ بنیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیغمبر ہی کو سب سے پہلے اس پر عمل کرنے کا حکم دیا، اور جب اس کا حکم آگیا تو لوگوں کے اعتراضات کا ڈر رکھنے کے باوجود آپ کو اس پر عمل کرنا ہی پڑا۔ اگرچہ اس پر طعنوں اور اعتراضوں کا وہ طوفان اٹھا کہ خدا کی پناہ۔ اس ایک واقعے سے اندازہ لگا لیجیے کہ عملاً پیغمبر ہونے کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ آیا یہ کہ ایک اونچے مقام پر بیٹھ کر صرف دوسروں سے احکامِ الٰہی کی پیروی کا مطالبہ کرنا ہے، یا خود سارے پیرووں سے بڑھ کر پیرو بننا ہے۔

اس "اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ" اور "اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" ہونے کا، اور سارے پیرووں سے بڑھ کر پیرو بننے کا جو عملی ثبوت اس گروہ نے دیا ہے اس سے آسمانی صحیفے اور تاریخ و سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اگر انھوں نے دوسروں کو توحید کی تعلیم دی تو خود پکے موحد بنے، یہاں تک پکے موحد بنے کہ لوگوں کو اپنی تعظیم کی خاطر کھڑے ہونے سے روک دیا، انھیں اپنے بارے میں، یا کسی بھی غیر خدا کے بارے میں ایسے الفاظ کے استعمال سے روک دیا جو اگرچہ اپنے عام استعمال میں شرک کا کوئی مفہوم نہیں رکھتے تھے لیکن اپنے مفہوم کے اعتبار سے بہرحال خدا ہی کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں، مثلاً سیّد (سردار) کا لفظ عام طور سے آقا کے معنوں میں بولا جاتا ہے، مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو، جس نے آپ کو سید کہہ کر مخاطب کیا تھا، اس سے منع فرما دیا اور کہا کہ "سید" تو صرف اللہ ہے۔ اسی طرح اگر انھوں نے خدا کی طرف سے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ نماز پڑھیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کریں تو خود اس کا اتنا اہتمام کرتے کہ دین کی تبلیغ سے جو وقت بھی بچتا وہ اللہ کے حضور نماز میں ہی گذرتا۔ حد یہ ہے کہ لوگ راتوں کو میٹھی نیند کے مزے اٹھاتے ہوتے تھے اور یہ خدا کے بندے مصلے پر کھڑے کھڑے صبح کر دیتے اور ان کے مبارک پیروں میں سوجن آجاتی۔ اگر وہ لوگوں سے کہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں روزے رکھنے اور اپنی جائز خواہشوں کو بھی ایک خاص وقت تک روکے رہنے کا حکم دیتا ہے، تو لوگ تو قانونی مطالبے کے مطابق مہینہ سوا مہینے ہی روزے رکھتے، مگر خود ان لوگوں کا حال یہ ہوتا کہ سال کے اکثر دن اسی ریاضت میں بسر کر دیتے۔ وہ اگر لوگوں کو یہ پیغام سناتے کہ تمھیں غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد کرنی چاہیے۔ تو لوگوں سے یہ مطالبہ ایک محدود حد تک ہوتا، مگر ان کا اپنا عمل یہ ہوتا کہ خود بھوکے رہ کر دوسرے حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کر دیتے اور کئی کئی دن ان کے چولھوں میں آگ تک نہ جلتی۔ وہ لوگوں کو فضول خرچ

اور عیش پرستی سے روکتے۔ مگر اپنے معاملے میں عیش کا تو کیا سوال ' معمولی آرام اور آسائش کو بھی پسند نہ کرتے۔ زمین پہ فرش پر کھجور کے پتے ڈالا ہوا ٹاٹ ڈال کر سو رہنا ان کے لیے کافی تھا اور کبھی اس ٹاٹ کو دوہرا کر دیا جاتا تو آپ نے گوارا نہیں کیا ' اس لیے کہ اس طرح نفس آرام کی لذتوں کا رسیا بن جاتا ہے اور آدمی غفلت کی نیند سو جاتا ہے۔ حالانکہ اسے رات کی سنسان گھڑیاں آرام کرنے سے زیادہ اپنے خدا کے سامنے التجائیں پیش کرنے اور اسے یاد کرنے کے لیے ملتی ہیں۔ وہ اگر لوگوں کو سچائی ' امانت ' نرمی ' حق پرستی اور انصاف اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں تو ان کی پوری زندگی ان خوبیوں سے جگمگاتی نظر آتی ہے۔ وہ اگر لوگوں کو وعدہ پورا کرنے کی نصیحت کرتے ہیں تو خود اس کے سخت پابند ہوتے ہیں۔ خواہ ان کا بڑے سے بڑا نقصان ہو اور خواہ ان کے دل کے ٹکڑے ہی کیوں نہ ہو جائیں مگر وعدے کا لحاظ چھوڑ دینا ان کے لیے ممکن ہی نہیں۔ وہ اگر لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ سارے آدمیوں کو یکساں سمجھو تو خود مساوات کے پتلے ہوتے ' کسی سے اپنے کو بڑا نہ سمجھتے ' مجلس میں نمایاں جگہ بیٹھنے کی کوشش نہ کرتے ' بلکہ جہاں جگہ پاتے وہیں بیٹھ جاتے اور جیسا کہ ابھی گذرا ' لوگوں سے اپنی تعظیم کے ہرگز خواہشمند نہ ہوتے بلکہ اگر کوئی ان کی تعظیم میں کھڑا ہو جاتا تو منع فرما دیتے وہ اگر لوگوں کو راہ خدا میں اپنی جان و مال قربان کر دینا بتاتے ہیں تو وقت آنے پر خود سب سے آگے ہوتے ہیں ' اور اگر سارے ساتھی میدانِ جہاد سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں تو بھی وہ تن تنہا دشمن کے سامنے ڈٹے رہتے ——

لیکن ان کے مقابلے میں پہلے گروہ کے حالات پڑھیے تو صورتِ حال بالکل بدلی ہوئی دکھائی پڑے گی۔ اس گروہ کے بہتر سے بہتر فرد کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے ماننے والوں کو جان کی بازی لگا دینے کا پیغام دیتا ہے ' لوگ گالیاں کھاتے ہوتے اور خون میں نہا رہے ہوتے ہیں مگر وہ اطمینان کے ساتھ اپنے بنگلے میں بیٹھا رہتا ہے ' اور جب غریب پیروؤں کے سر سے قیامت گذر جاتی ہے تو باہر نکل ' ان کی پیٹھ ٹھونکتا اور ایک زوردار تقریر ارشاد فرماتا ہے۔ وہ برابری ' بھائی چارگی اور جمہوریت کا وعظ کہتا ہے مگر چاہتا ہے کہ لوگ اس کو اپنا سب کچھ سمجھیں ' وہ آئے تو ادب سے کھڑے ہو جائیں ' پہلے دوسرے لوگ اس کو سلام کریں تو جواب دے۔ اس کی جے کے نعرے لگیں ' اس کے جلوس نکالے جائیں ' اس کے گلے میں احترام کے پھولوں کا ہار ڈالا جائے۔ وہ غریبوں کی مدد پر اوروں کو برابر اکساتا رہتا ہے ' ان کا بڑا غمگسار بنتا ہے ' ان کی غربت پر آنسو بہاتا ہے ' مگر جس وقت وہ اپنے شاندار مکانوں میں زندگی کے مزے اڑا رہا ہوتا ہے ' ٹھیک اسی وقت اس کے آس پاس بھوک کے مارے انسان حسرت سے آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ وہ اشتراکیت کا نسخہ لیے پھرتا رہتا ہے اور دنیا کو اس کے اپنا لینے پر زبان کی پوری طاقت خرچ کر ڈالتا ہے مگر ساتھ ہی کوٹھی بھی بنا رہتا ہے ' زمیندارہ اور ساہوکارہ بھی کرتا ہے ' سودی بنکوں کا حصے دار بھی ہوتا ہے ' سیکڑوں اور ہزاروں کی تنخواہیں لینے میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتا ' اسٹیشن پر غریب قلی سے چونی پیسے پر لڑتا ہے ' وہ لوگوں کو جفاکشی کفایت شعاری اور سادگی سکھاتا پھرتا ہے مگر خود فرسٹ کلاس سے نیچے [illegible]

سفر نہیں کرتا۔ اور یعنی اپنی باتوں کی بڑی شرم رکھنے والا ثابت ہوا بھی تو اس طرح کہ ریل کا ایک پورا تیسرے درجہ کا ڈبہ اپنے لیے مخصوص کرا لیتا ہے، یعنی جس وقت وہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تنہا اپنے قبضے میں لیے ہوئے سفر کرتا ہوتا ہے، ٹھیک اُس وقت اس کے دائیں بائیں پچاس آدمیوں کی جگہ میں سو دو سو آدمی جانوروں کے باڑوں کی طرح ٹھسے ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنی جفاکشی اور سادگی پر شاباش کا خواہاں ہوتا ہے اور اس خوش گمانی میں مبتلا رہتا ہے کہ میں سادگی اور قربانی کا مجسمہ ہوں۔ وہ لوگوں کو یکساں شہری کہتا ہے اور سب کے لیے ایک طرح کے قانونی حقوق مانتا ہے، مگر دوسروں کی عبادت کو اگر ڈھول تاشوں کے شور سے ناممکن بنا دیا جائے تو اس پر اسے کوئی خاص تکلیف نہیں پہنچتی، لیکن اگر اس کی پرارتھنا کے وقت دُکھی لوگوں کی شکایتیں تھوڑی سی بھی آواز پیدا کر دیتی ہیں تو وہ بے چین ہو جاتا ہے اور انھیں ڈانٹ بتاتا ہے۔ وہ ایک چیز کو عین حق اور انصاف سمجھتا ہے مگر جب دیکھتا ہے کہ اس کی حمایت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ماننے والوں کی عقیدتیں ختم ہو جائیں گی تو اس کے بارے میں اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور جو چیز کل تک اس کے نزدیک ایک بنیادی اہمیت رکھتی تھی وہ بالکل ہی ناقابلِ توجہ ہو جاتی ہے۔ وہ بین الاقوامی امن اور انصاف کا وعظ کہتا رہتا ہے، مگر عملاً اس شرط کے ساتھ کہ اس کی اپنی قوم اور حکومت کو ہر من مانی کارروائی کی کھلی چھٹی دے دی جائے اس لیے کہ اس کے خیال میں اس کی اپنی قوم کبھی نہ غلط سوچتی نہ غلط کرتی ہے۔

(و) پہلے گروہ کی رہنمائی میں دُنیا نے خواہ کتنی ہی ترقی کی ہو اور اس کی تہذیب کتنی ہی چمک اُٹھی ہو، مگر ہمیشہ یہ ترقی اور یہ چمک دکھاوے کی چمک ثابت ہوئی ہے، جس کے اندر پریشانی، بے اطمینانی، معاشرتی اونچ نیچ، ظلم اور فساد کا دَور دَورہ رہا، اخلاقی بُرائیاں وبا کی طرح پھوٹ پڑیں، کچھ لوگوں کو تو خدائی جیسے اختیار مل گئے اور اکثر لوگوں کے حصے میں صرف مظلومیت، پریشانی، ذلت، اور کس مپرسی آئی، دولت اور طاقت نے حق اور انصاف کا گلا گھونٹ ڈالا، مروّت اور انسانیت کا جنازہ نکل گیا، بھائی بھائی میں کشمکش، خاندان خاندان میں لڑائی، قوم قوم میں عداوت اور ملک ملک میں خونریزی عام ہوگئی اور اللہ کی پوری زمین بگاڑ سے بھر گئی ——— لیکن جب دوسرے گروہ کی تعلیمات دُنیا میں پھیلیں اور اس کی رہنمائی قبول کی گئی تو دُنیا کا نقشہ ہی کچھ دوسرا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دُنیا ہی جنّت ہے، جہاں شرافت اور مروّت کی بہار آئی ہوئی ہے، جہاں امن ہے، اطمینان ہے، آزادی ہے، بے فکری ہے، جہاں طاقت اور دولت حق سے آنکھیں نہیں ملا سکتی، جہاں کوئی خُدائی اور حکمرانی کا مدعی نہیں، بلکہ سب کے سب، حتّٰی کہ وقت کا پیغمبر بھی، اس جہان کے اصلی حاکم ——— اللہ تعالیٰ ——— کے چاکر اور غلام ہیں۔ جہاں رنگ، نسل، خاندان، وطن، علم، دولت کی بنیاد پر کوئی اونچ نیچ نہیں، جہاں عزت اور سربلندی کی کسوٹی صرف خدا پرستی اور خدا ترسی ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ٤٥ کے نیچے)

فالق الاصباحؔ[1]

دیکھو ——— !
وہ ہر روز صبح نمودار کرتا ہے،
صبح ہوتے ہی اندھیرا چھٹ جاتا ہے،
راہ کے بھٹکے ہوئے راہ پاتے ہیں،
دُنیا کے کام چل نکلتے ہیں،
اچھا اگر ——— !
دُنیا پر گمراہی کا اندھیرا چھا جائے،
انسانیت بھٹکنے لگے،
بدی اور ظلم کے بادل چاروں
طرف سے اُمنڈ آئیں،
اور ——— دُنیا کا نظم بگڑنے لگے،
تو کیا ——— !
صُبح کو نمودار کرنے والا
ہدایت کی روشنی نہ بھیجے گا؟

گمراہی کے اندھیرے کو
دُور کرنے کا انتظام نہ کرے گا؟
اپنے بھٹکے ہوئے بندوں کو راہ نہ دکھائے گا؟
ہرگز نہیں ——— !
ایسا ہو نہیں سکتا،
ایسا اب تک ہوا بھی نہیں،
ہر ملک اور ہر زمانے میں،
اللہ کے رسول آتے رہے ہیں،
آج بھی اللہ کے آخری رسول کی مکمل ہدایت
دُنیا میں موجود ہے،
مگر ——— !
روشنی سے کام نہ لینے والے،
آنکھیں بند کرکے راستہ چلنے والے،
انسان! بدنصیب انسان!!

[1] صُبح کا نمودار کرنے والا۔

(بقیہ صفحہ ۲۴)

جہاں بھائی چارہ ہے، ایثار ہے، انصاف ہے، آسودگی ہے، جہاں نیکیاں شادابی حاصل کرتی اور بُرائیاں مُرجھا مُرجھا کر ختم ہو جاتی ہیں۔

اب آپ فیصلہ کرلیں کہ ان دونوں گروہوں میں سے کس گروہ کو رہنمائی کا دعویٰ زیب دیتا ہے اور آپ کا حقیقی رہنما کون ہے؟

جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی

رسولوں کی اُمتوں کا بگاڑ

یہ ہم سب جانتے ہیں کہ پیغمبر اپنے دین کی بُنیاد کتنی مضبوط قایم کر جاتے ہیں، بڑی بڑی تحریکوں اور اصلاحی کاموں کو دیکھو کس دھوم دھام سے اُٹھے اور کہاں سے کہاں تک پہنچ گئے، لیکن جیسے ان کے بانیوں کی آنکھ بند ہوئی کام بگڑنے لگا اور چند برس کے اندر ہی اندر اس کی صورت اتنی مسخ ہو گئی کہ اگر اس تحریک کا بانی دُنیا میں واپس آئے تو اس غم میں شاید اپنی جان دے دے۔ یا اپنے جانشینوں ہی کے خلاف جنگ شروع کر دے، لیکن پیغمبروں کے دین کئی کئی ہزار برس تک کسی نہ کسی شکل میں باقی رہے، اور ان کی بہت کچھ خصوصیتیں قایم رہیں، اور دینِ اسلام تو پُورا کا پُورا دُنیا میں موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص اس پر عمل ہی نہ کرے، ورنہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی کے لیے اس سے رہنمائی اور مفصل ہدایات حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے سب کچھ موجود ہے۔ دُنیا میں آنکھ کھولنے سے لے کر دُنیا سے رُخصت ہونے تک انسان کی کونسی حالت ہے جس کے لیے اسلام کی تعلیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ موجود نہیں؟

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ شیطان اپنے کام سے غافل نہیں، پیغمبر کے آنے اور اُس کی کامیابی [illegible] اُس کو اتنی ذلت اُٹھانی پڑتی ہے اور ایسی ناکامی کا مُنھ دیکھنا پڑتا ہے کہ اُس کا دل ہی جانتا ہے پیغمبر کی آمد اور اس کے پیغام سے اُس کے دماغ اور اُس کی زندگی کی چولیں ہل جاتی ہیں، اس کی سیکڑوں برس کی کوششوں اور کامیابیوں پر آن کی آن میں پانی پھر جاتا ہے۔ کوئی اور ہو تو کبھی کوشش کا نام نہ لے، مگر وہ ہے بڑا سخت جان اور دُھن کا پکا، یا یوں کہہ لو کہ بڑا بے حیا۔ پیغمبر کے زمانے میں تو اس کا داؤں چلتا نہیں، لیکن پیغمبر کے جاتے ہی وہ خم ٹھونک کر میدان میں آجاتا ہے، اور پیغمبر کے بنائے ہوئے قلعے میں گھسنے کی کوشش شروع کر دیتا ہے، لیکن اس کی ترکیب ہے کہ اکثر سامنے کے بجائے دائیں بائیں سے آتا ہے، اور کھلے پھاٹک کے بجائے چور دروازوں سے داخل ہوتا ہے۔ پیغمبروں کی تعلیم و تاثیر اور اُن کی صحبت کے اثر سے لوگوں میں دین کا اتنا احساس، اور اپنے دین سے ایسا تعلق اور محبت ہوتی ہے کہ اگر ان کو اس سے روکا جائے تو وہ اپنی جان دے دیں، اور دوسروں کی جان لے لیں [illegible] اس بات کو خوب جانتا ہے، وہ یہ خطرہ مول نہیں لیتا، یہ کبھی نہیں کہتا کہ دین کا کام نہ کرو، مگر وہ ایسی چال چلتا ہے کہ اگر دین کا کام ہو بھی تو بالکل بے جان، یا غلط۔ پُرانے مذہبوں کے تنزل و انحطاط کی تاریخ پڑھو اور مسلمانوں [illegible]

ہمیں کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ شیطان کیا حربے اختیار کرتا ہے' اور کیسی کیسی چالیں چلتا ہے' اس موقع پر ہم اس کے دو حربوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

۱۔ آپ کو معلوم ہے کہ پیغمبر کے آنے سے پیشتر پہلا دین جو گزشتہ پیغمبر لے کر آئے تھے بالکل دُنیا سے ناپید نہیں ہو چکا ہوتا ہے' اس کی بہت سی چیزیں ماننے کی' کرنے کی' جوں کی توں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن اُن کی رُوح نکل چکی ہوتی ہے۔ چند رسموں کا ایک مجموعہ جس میں نہ جان نہ طاقت' نہ کرنے والوں میں اخلاص و نیت' نہ ذوق و شوق' بس صرف ایک خانہ پُری اور رسم پرستی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کاموں کے روحانی' اخلاقی' اور دینی و دُنیاوی نتیجے برآمد نہیں۔ اللہ تعالےٰ کے ان کاموں پر جو وعدے ہوتے ہیں وہ پُورے ہوتے نظر نہیں آتے' اس لیے کہ وہ وعدے ان کاموں کی حقیقت پر ہوتے ہیں نہ کہ صورت پر۔ اور نتیجے ہمیشہ حقیقت کے نکلا کرتے ہیں نہ کہ صورت کے۔ کاٹھ کے گھوڑے کو کسی نے دوڑتے' اور مٹی کے شیر کو کسی نے جست لگاتے دیکھا؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کاموں کو بے نتیجے' بے مزا دیکھ کر ان میں سستی کرنے لگتے ہیں' اور پھر ان کی شکل بھی قائم نہیں رہتی' پیغمبر جب آتے ہیں تو ان صورتوں میں اخلاص' نیت' عزم و ہمت اور ذوق و شوق کے ذریعے حقیقت پیدا کر دیتے ہیں اور ان بے جان جسموں میں جان ڈال دیتے ہیں۔ ان کی تعلیم اور ان کی صحبت سے ان چیزوں کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے' ان میں اس درجے کا اخلاص' اس قدر ذوق و شوق' ایسی محبت' ایسا اللہ سے تعلق ہوتا ہے کہ جو ان کے پاس بیٹھتا ہے اُس کا سینہ اخلاص' ذوق و شوق اور محبت سے بھر جاتا ہے۔ عبادات تو عبادات' روزمرہ کی عادات' کھانے پینے' سونے جاگنے' اور پیشہ و کاروبار بھی نیت اور عبادت کی ذہنیت کے ساتھ ہونے لگتا ہے' اور زندگی ساری بندگی اور عبادت بن جاتی ہے۔ جو لوگ نیت اور عبادت کے دھیان کے بغیر تجارت' زراعت اور محنت مزدوری تک نہیں کرتے' اُن کی ظاہری عبادات نماز' روزہ اور اللہ کی یاد کا کیا حال ہوگا۔ ان کو عبادت میں ایسا ذوق و شوق اور ایسی محویت اور ایسی روحانی لذت حاصل ہوتی ہے کہ ان کو جسمانی تکلیف' مالی نقصان' کسی کا خطرہ کچھ محسوس نہیں ہوتا' انھیں کا حال آپ نے پڑھا ہوگا کہ ایک جگہ دو صحابی پہرہ پر مقرر ہوئے' آپس میں طے ہوا کہ باری باری سے سوئیں اور جاگیں۔ ایک صاحب سونے کے لیے لیٹ گئے' ایک صاحب نے نماز کی نیت باندھ لی کہ بے کار رہنے سے کیا فائدہ' دشمن نے دیکھا تو ان کو تیروں پر رکھ لیا۔ تیر پر تیر کھاتے رہے اور نماز نہیں توڑی' جب ختم کی اور ساتھی جاگے تو انھوں نے کہا کہ بندۂ خدا تم نے مجھے جگایا کیوں نہ لیا' کہنے لگے کہ میں نے سورۂ کہف شروع کر دی تھی' کچھ ایسا مزہ آیا کہ نماز توڑنے کو جی نہ چاہا۔ بھلا اس ذوق و شوق کے آدمی عمل میں سستی کیا کریں گے اور ان سے نماز چھوڑنے کا کیا اندیشہ ہے۔

اب شیطان کی ترکیب ہے کہ نماز پڑھنے والوں کو نماز سے تو نہ روکا جائے' اس لیے کہ اس کو ڈر ہوتا ہے کہ اس کے کہنے سے مسلمان میں مقابلے کی طاقت پھر آ جائے گی اور پھر اس کی خیر نہیں۔ اس لیے وہ کوشش کرتا ہے کہ اس عمل کی صورت

قایم رہے، اور مسلمان کو اطمینان رہے کہ اس کا عمل جاری ہے مگر اس کی روح نکل جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ وہ عمل خود چھوٹ جائے گا، بے روح کا جسم کب تک رہ سکتا ہے، لوگ اس سے جلدی اُکتا جاتے ہیں، جس درخت کی زندگی اور شادابی ختم ہوگئی ہو وہ کب تک کھڑا رہ سکتا ہے، اور باغ کا مالک جس نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے یا اس کے بزرگوں نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا، زیادہ دن اس کو کھڑا دیکھ نہیں سکتا، اصل میں رُوح کا نکل جانا یہ فنا کا پہلا قدم ہے، دوسرا قدم یہ ہے کہ اس کی شکل بھی غائب ہو جائے، پہلی اُمتوں میں یہی ہوا ہے کہ پہلے احکام کی روح نکلی پھر ان کی ظاہری شکل وصورت بھی ختم ہوگئی اور مذہب کے صرف کچھ مٹے مٹے سے، دُھندلے دُھندلے سے نشانات رہ گئے۔ جیسے کسی صحرا میں کوئی قافلہ ٹھیرا ہو، پھر چند دن ٹھیر کر روانہ ہوگیا ہو۔

پیغمبروں کی تعلیم اور ہدایت وصحبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ روزمرہ کی عادات بھی عبادت بن جاتی ہیں طبعی کام بھی عبادت کی نیت، ذہنیت اور کیفیت کے ساتھ ہونے لگتے ہیں، بلکہ بعض اوقات ان کے آدمیوں میں کھانا کھاتے وقت عبادت کی جو کیفیات اور رُوح، خدا کی طرف دھیان، اور خدا کی معرفت ومحبت میں ان کو جو ترقی ہوتی ہے وہ بگڑی ہوئی اُمتوں کے آدمیوں میں عین عبادت کی حالت میں بھی نہیں ہوتی۔ ان کی عبادت بھی محض ایک بے روح رسم، گانا بجانا اور تفریح اور کھیل کود رہ جاتا ہے، جس میں بعض اوقات نہ کوئی نیت ہوتی ہے نہ سنجیدگی، نہ عبادت کی رُوح نہ معرفت نہ محبت، ظاہر ہے کہ ایسی عبادت سے شیطان کو کیا شکایت ہوسکتی ہے اور اس کا زندگی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

جس طرح پیغمبر کے اثر سے عادات عبادات بن جاتی ہیں، اسی طرح شیطان کے اثر سے عبادات عادات بن جاتی ہیں اور عادات میں تبدیلی، ترمیم ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات وہ بالکل ترک بھی ہو جاتی ہیں، بعض پرانے مذہبوں میں یہی ہوا کہ اب ان کو مذہب کہنا مشکل ہے، وہ صرف ایک قوم کی معاشرت رسم و رواج اور ایک ملک کی تہذیب ہے جس میں بہت ردو بدل ہوا ہے۔

شیطان کا دوسرا حربہ یہ ہے اور یہ بھی بہت کاری ثابت ہوا ہے کہ وہ بڑی معصوم اور دین دار صورت بنا کر آتا ہے اور کسی خیر کو منع کرنے کے بجائے اس میں بے اعتدالی اور زیادتی پیدا کر دیتا ہے، قرآنِ مجید کی زبان میں اس کو "غلو" کہا گیا ہے۔ یہ اعتقاد میں بھی ہوتا ہے اور عمل میں بھی، پچھلی اُمتیں ان دونوں میں گرفتار ہو چکی ہیں۔ اعتقاد کا غلو یہ ہے کہ اللہ کے کسی نیک بندے کو پیغمبر سے بڑھا دیا، اور پیغمبر کو خدا بنا دیا، بلکہ بزرگوں کو خدا کے مرتبہ تک پہنچا دیا، ہر اُمت میں شرک و بُت پرستی کی ابتدا اسی غلو سے ہوئی، اور غلو کی ابتدا محبت اور عقیدت کی زیادتی سے ہوئی۔ جو چیز بھی اپنی حد سے بڑھ جائے گی اُس کا انجام یہی ہوگا۔ اچھی سے اچھی غذا زہر قاتل بن سکتی ہے۔

یہودی اور عیسائی اور تاریخ پوچھو تو تمام پُرانے مذہب اس غلو کا بُری طرح شکار ہوئے۔ اور یہ بھی چیز بڑی میٹھی چھری، آخر محبت وعقیدت ہی کی تو ترقی ہوتی ہے، اور محبت وعقیدت کس کو بُری نہیں معلوم ہوتی۔ پھر جب اس کی بنیا

مذہبی ہو۔ لیکن ظالم اسی میں اپنا کام کر جاتا ہے؛ اور محبت کو پرستش اور بزرگی کو خدائی ہی کے مرتبے پر پہنچا کر دم لیتا ہے۔ یہاں پر بس پیغمبروں ہی کی تعلیم حفاظت کرتی ہے، انھیں کی پیروی سے صحیح اعتقاد اور پورا اعتدال حاصل ہوتا ہے، جو اس سے ہٹا وہ بے اعتدالی کے خندق میں اوندھے منھ گرا۔ اور اس کی عقل، تجربہ، علم سب رکھا کا رکھا رہ گیا۔ سب عقل مندان علم والوں کا انجام دیکھ لیا، ایسی ایسی حماقتوں اور جہالتوں میں مبتلا ہوئے کہ الٰہی توبہ، کبھی انسان کو خدا بنا دیا کبھی خدا کو انسان کے اندر اتار دیا، کبھی کسی کو خدا کا بیٹا بنایا، کبھی خود اپنے منھ میاں مٹھو خدا کے بیٹے اور لاڈلے بن گئے۔ غرض ایسی باتیں کہ بچوں کو ہنسی آئے، دوسری طرف دیکھو تو پڑھے لکھے، بڑے فلسفی، بڑے حساب داں، بڑے شاعر اور ادیب لیکن مذہب کی سمجھ بچوں سے بھی کم۔ اس سے تو یہی معلوم ہوا کہ سیدھا راستہ پیغمبروں کے بغیر ہاتھ نہیں آتا، اور ان کی رہنمائی کے بغیر عقل صحیح طور پر کام نہیں کرتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی زبان سے کہلوایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ —— سب تعریف اور شکریہ خدا کا ہے جس نے ہمیں یہ راستہ سمجھایا، اگر وہ نہ سمجھاتا تو ہمیں خود کبھی نہ سوجھتا۔ بے شک ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق لے کر آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب امتوں کا انجام تھا، اور آپ آخری طور پر توحید کو قائم کرنے آئے تھے، اس لیے آپ نے اس غلو کے دروازے کو بالکل بند کر دینا چاہا، جس سے شرک و بت پرستی گھس آتی ہے۔ آپ نے خود اپنی ذات کے متعلق صاف صاف فرما دیا کہ دیکھو مجھے ایسا بڑھانا چڑھانا نہیں جیسا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو بڑھا چڑھا دیا۔ بس اگر کچھ کہنا ہو تو یہی کہنا کہ "اللہ کا بندہ اور اُس کا پیغمبر" مولانا حالی نے اس مضمون کو بڑے اچھے طریقے پر بیان کیا ہے، جب ہم آپ کی عمر کے تھے تو مسدس حالی کے توحید کے اشعار ہم کو بڑے اچھے معلوم ہوتے تھے۔ اور ہم ان کو مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ توحید کا مضمون ہوتا ہی ہے بڑا میٹھا، اور ہمارا اب بھی بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اگرچہ آپ کو یہ شعر یاد ہوں گے، مگر ہم بھی آپ کو سناتے چلیں:

وہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق — زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق — اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لَو اُس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

ہمیشہ اُسی پر بھروسہ کرو تم — اُسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اُسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم — اُسی کی طلب میں مرو جب مرو تم

مبرا ہے شرکت سے اُس کی خدائی
نہیں اُس کے آگے کسی کی [illegible]

نصاریٰ کی مانند دھوکا نہ کھانا — کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا — بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا

سب انساں ہیں واں جس طرح سر فگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اُس کا بندہ

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم — نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم — کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اُس کا اور ایلچی بھی

یہ تو ہوا اعتقاد کا غلو، عمل کا غلو یہ ہے کہ ایک بات جو سیدھی تھی جس طرح آدمی کا جی چاہے کرے، جس وقت بن پڑے اور جس طرح بن پڑے کرے۔ اس میں شاخیں نکالنا، اور اپنی طرف سے اس کا ایک پورا قانون بنا دینا اس کو شریعت کی اصطلاح میں "بدعت" کہتے ہیں، مثلاً نفل نماز بڑی اچھی چیز ہے کہ وہ وقت نہ ہو تو آدمی بڑے شوق سے پڑھے، لیکن اس کے لیے کسی جگہ کی تخصیص، وقت کی تخصیص، لباس کی تخصیص، سورتوں کی تخصیص وغیرہ وغیرہ۔ اب چلا ایک طومار جس کی کوئی سند نہیں، اور جو اس طرح نہ کرے وہ گنہگار، قابلِ ملامت اس طرح ہزاروں بدعتیں نکل آئیں اور ایک دوسرا مذہب تیار ہو گیا، جس کی فقہ الگ، جس کی شریعت الگ۔

بدعت کے ذریعے شیطان کا بڑا کام ہو جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا بنانے والا ہے، وہ اس کی طاقت، کمزوریوں، اور گنجائش سے پوری طرح واقف ہے وہ انسان کے پیمانے اور ظرف کے مطابق قانون اور احکام دیتا ہے جس کے متعلق انسان کو کبھی شکایت نہیں ہو سکتی کہ یہ میری طاقت سے زیادہ یا میری ضرورت سے کم ہے۔ لیکن بدعت ایجاد کرنے والوں کو اس سے کیا بحث کہ انسان کر سکے گا یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ دین کی ایک حد ہے اور دین رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آخری حد تک پہنچ گیا اور مکمل ہو گیا۔ بدعات کی کوئی حد نہیں، ہر روز ایک نئی چیز نکل سکتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بدعات جمع ہو کر انسان کی قوتِ برداشت سے بڑھ جاتی ہیں، اور جیسا کہ کہتے ہیں "آخری تنکا اونٹ کی کمر توڑ دیتا ہے"۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سب کچھ چھوڑ بیٹھتا ہے اور ان غیر ضروری چیزوں کے پیچھے ضروری چیزیں بھی چلی جاتی ہیں۔ پچھلی اُمتوں میں ایسا بہت ہوا ہے، اور غور سے دیکھو گے تو موجودہ مسلمانوں میں بھی بے عملی کا کہیں کہیں یہ سبب ملے گا، کہ جس پورے مجموعے کو دین سمجھا جاتا ہے وہ تو ہو نہیں سکتا، اس لیے سب کو خیرباد! عیسائیت تو اسی میں تباہ ہوئی، اور سچ پوچھو تو دُنیا اسی میں تباہ ہوئی۔ یورپ نے عیسائیت کو چھوڑا اس لیے کہ وہ اگر اس کو لے کر بیٹھتا تو دُنیا کا کوئی کام نہ کر سکتا، مذہب تھا یا رسموں اور بدعتوں کا ایک طومار! اس نے

اس عیسائیت کو تو دونوں ہاتھوں سے سلام کیا' اور سیدھے سیدھے خالص دُنیا داری اور مادہ پرستی کا راستہ اختیار کیا' وہ تھا ہماری بدقسمتی اور مسلمانوں کی کوتاہی سے دُنیا کا پیشوا اور لیڈر بس ساری دُنیا اُس کے پیچھے آنکھ بند کر کے مادیت اور دُنیا پرستی کے راستے پر ہولی۔ اسی لیے ہم نے یہ کہا کہ ان بدعات نے ساری دُنیا کو تباہ کیا۔

شیطان کا ایک حربہ یہ بھی ہے کہ وہ پیغمبروں کے جانشینوں کو خراب کرتا ہے' اس لیے کہ وہ اُس کے اصلی حریف ہیں' پیغمبروں ہی کے ہاتھوں وہ زک اُٹھاتا ہے اور شکست کھاتا ہے' اُن سے تو وہ انتقام لے نہیں سکتا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت ہوتی ہے' لیکن وہ اُن کے بعد سارا غصہ اُن کے جانشینوں پر اُتارتا ہے اور دین کے عالموں سے پُورا پورا بدلہ لیتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں' یا تو ان کو دین میں تحریف کرنے یعنی دین کے احکام کا مطلب بدل دینے یا بالکل شکل تبدیل کر دینے پر آمادہ کر لیتا ہے' جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں کثرت سے ہوا۔ یا کم سے کم ان کو خاموشی پر آمادہ کر لیتا ہے کہ وہ کسی چیز پر روک ٹوک نہ کریں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اور کوئی کہنے والا نہیں ہوتا کہ غلط ہو رہا ہے' آخر رفتہ رفتہ ہر غلط چیز مستند بن جاتی ہے اور مذہب یا زندگی کا جزو بن جاتی ہے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ علما میں وہ مال و دولت یا جاہ و عزت کا شوق اتنا پیدا کر دیتا ہے کہ وہ ہر صحیح و غلط حکومت میں اقتدار پیدا کرنے کے لیے مقابلہ شروع کر دیتے ہیں۔ اہلِ دُنیا اور اہلِ حکومت کی خوشامد اور تعریف کی ایک دوڑ شروع ہو جاتی ہے' اور جن لوگوں کا کام زمانے کو اپنے ساتھ لے چلنا ہوتا ہے وہ لوگوں کا اشارہ دیکھ کر بات کرتے ہیں۔ اور ان کا کام ہر صحیح و غلط چیز کے لیے دلیل فراہم کرنا اور سند دینا رہ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین بالکل لاوارث بن جاتا ہے' اور رفتہ رفتہ اہلِ غرض اس کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔ عیسائیت کا حشر یہی ہوا' قسطنطین نے پادریوں اور مذہبی پیشواؤں کی مدد سے عیسائیت کا چولہ ہی بدل دیا۔ اور اس کا ایک نیا اڈیشن تیار کر دیا جس سے حضرت مسیح کو کچھ بھی تعلق نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے کہ مسلمان پچھلی اُمتوں کے قدم بقدم چلیں گے' اس لیے اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اُس کا پُورا امکان اور خطرہ ہے کہ یہ سب منزلیں مسلمانوں کو بھی پیش آئیں' اور ان کو بھی شیطان کے ان حملوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔ اب یہ آپ کی واقفیت کا امتحان ہے کہ آپ دیکھیں کہ کہاں کہاں اس کے حملے کارگر ہوئے' اور کس کس طرح اللہ نے اس دین کی حفاظت کی جس سے اس کو قیامت تک کام لینا ہے۔ اور ہمارے فرائض کیا ہیں؟

رسالت نمبر خوب دل لگا کر پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوائیے — آپ کے لیے کافی وقت ہے۔ آئندہ پرچہ انشاء اللہ ۱۵ فروری ۱۹۵۱ء کو شائع ہوگا۔

— منیجر

بارانِ رحمت!

اُس کی کارفرمائی دیکھی؟
بارانِ رحمت سے پہلے وہ ہوائیں بھیجتا ہے،
ہوائیں چلتی ہیں اور خوش خبری دیتی ہیں،
آنے والی بارش کی خوش خبری!
وہ بارش جو تمھارے لیے رحمت ہی رحمت ہو!!
انسان کی رُوحانی دُنیا کو بھی بارش کی ضرورت ہے،
جب روحیں پیاسی ہو جاتی ہیں،
جب انسانیت بے چین ہو جاتی ہے،
اُس وقت کچھ آثار نمودار ہوتے ہیں،
دلوں کی تڑپ! اور روحوں کی بے چینی،
خبردار کرتی ہے!
خبردار کرتی ہے!! کہ بارانِ رحمت کا وقت قریب ہے،
اللہ کی ہدایت کی بارش،
وحی!! ــــ ! رحمت!! ــــ سراسر رحمت!!!

ہوائیں چلتی ہیں،
بھاری بھاری بادل لاتی ہیں،

پھر ہم ہی انھیں بھیج دیتے ہیں،
کسی مُردہ زمین کی طرف،
پھر اُن سے پانی برساتے ہیں،
اُس پانی سے سبزہ اُگاتے ہیں،
قسم قسم کے پھل، غلے، اور ترکاریاں،

یہ تمھارے زندہ رہنے کا سامان ہے،
تم کو رزق پہنچانے کے لیے،
ساری کائنات کام کرتی ہے،
سُورج چمکتا ہے،
پانی بھاپ بنتا ہے ـــــــ بادل بنتا ہے،
ہوائیں بادلوں کو اُڑاتی ہیں،
مینھ برساتی ہیں،
مُردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے؛
سبزہ اُگتا ہے!
تمھاری زندگی کا سامان ہوتا ہے!!

اور تمھاری رُوح کی زندگی؟
اس کا سامان؟؟
کیا تمھارا مالک اس کا انتظام نہ کرے گا؟؟

یہ بعید ہے،
اُس کی رحمت سے بعید ہے!

اُس کی حکمت سے بعید ہے!!

اسی طرح ہم مُردہ روحوں کی بستی کی طرف،
اپنے رسول بھیجتے ہیں،
وحی نازل کرتے ہیں،
ہدایت کا سامان کرتے ہیں،
ہماری ہدایت زندگی کا سبب بنتی ہے،
مُردہ روحیں جی اُٹھتی ہیں،
اخلاق اور انسانیت کی کھیتی لہلہانے لگتی ہے!
دُنیا امن اور فارغ البالی کے پھولوں سے مہک جاتی ہے!
محبت اور خوش حالی کے پھلوں سے مالا مال ہو جاتی ہے!!

دیکھا، ہم مُردے کس طرح زندہ کر دیتے ہیں!
سوچو!!
غور کرو!!!
ان باتوں میں تمھارے لیے یاد دہانی ہے،
کیا عجب کہ تم غور کرو! ——
غفلت سے چونکو،
اور —— بات کو پالو،

تم نے دیکھا ؟
جو زمین اچھی ہوتی ہے ،
جس زمین میں خود صلاحیت ہوتی ہے ،
وہ زمین ــــــ اپنے رب کے حکم سے ،
کیسی سرسبز ہو جاتی ہے ،
اس سے کیسی اچھی کھیتیاں ، ترکاریاں اور پھل پیدا ہوتے ہیں ،
لیکن ــــــ وہ زمین ؟
وہ زمین جو نکمّی ہو ــــــ ناکارہ ہو !
اس پر بارش کا کوئی اثر نہیں ہوتا ،
اس پر برسا ہوا پانی بے کار جاتا ہے ،
اور اگر کچھ اُگتا بھی ہے ، تو بس ،
جھاڑ جھنکاڑ ! نکما اور بے کار !!

دلوں کی بستی کے لیے ،
رُوحوں کی زمین کے لیے ،
اور ذہنوں کی مٹی کے لیے ،
اللہ کی وحی کو بارش سمجھو !!
جو دل بیدار ہیں ــــــ غافل نہیں ،
جو روحیں نیک ہیں ــــــ سرکش نہیں ،
اور جو ذہن سیدھے ہیں ــــــ ٹیڑھے نہیں ،

وہ وحی سے اثر قبول کرتے ہیں،
اچھا اثر،
جس سے انسانیت کی کھیتی لہلہانے لگتی ہے،
تہذیب وتمدن کے پھول کھلتے ہیں،
دُنیا کا چمن مہک اُٹھتا ہے،
اور زندگی کا باغ خوش حالی اور امن کے پھولوں سے لد جاتا ہے،

لیکن ———

جو دل غافل ہیں ——— بیدار نہیں،
جو روحیں سرکش ہیں ——— نیک نہیں،
اور جو ذہن ٹیڑھے ہیں ——— سیدھے نہیں،
وہ اللہ کی وحی سے،
رسالت سے،
اُس کے رسولوں کی تعلیم سے،
بے بہرہ ہی رہتے ہیں،
اُن کی شرارت اُبھر آتی ہے،
بغاوت اور سرکشی پر کمر باندھ لیتے ہیں،
بدنصیب انسان!
انسانیت کے لیے جھاڑ اور جھنکاڑ!!

(سورۂ اعراف رکوع ۸ کی چند آیات سے متاثر ہوکر)

مولانا جلیل احسن صاحب ندوی

رسالت کیا ہے؟

یہ سوال سامنے آتے ہی ذہن میں کچھ اور سوالات ابھر آتے ہیں' اور وہ یہ کہ ہم کو بے جان مادے سے کس نے پیدا کیا؟ پیٹ کی تین اندھیریوں کے بیچ میں کس نے ماں کے خون کو غذا کی شکل میں بدلا؟ کس نے ان تہہ بہ تہہ پردوں کے اندر ہوا پہنچائی؟ پھر دنیا میں آنے سے پہلے ماں کی چھاتی میں دودھ کس نے اُتارا؟ کس نے ماں کے دل میں ہمارے لیے بے پناہ محبت بھر دی کہ نو ماہ تک وہ ہمیں لیے پھری' پھر جان پر کھیل کر ہمیں جنا' اور اپنے تمام آرام و آسائش کو بھلا کر دو سال تک اپنی گود میں لیے پھری' اور سینے سے چمٹائے رکھا؟ پھر یہ زمین و آسمان کس کے لیے سرگرم عمل ہیں' یہ چاند اتنی باقاعدگی کے ساتھ اپنی ٹھنڈی روشنی کیوں پھینکتا ہے؟ یہ سورج اپنی گرمیوں کے ساتھ کیوں نکلتا اور ڈوبتا ہے؟ یہ ستارے آسمانی دریا میں کیوں تیرتے ہیں؟ یہ سمندروں کا پانی بھاپ کی شکل میں کیوں تبدیل ہوتا ہے؟ پھر یہ بادلوں کی صورت کیوں اختیار کرتا ہے؟ یہ ہوائیں بادلوں کو اپنے کاندھے پر اُٹھائے کیوں فضا میں پھرتی ہیں؟ یہ زمین اپنے تمام خزانوں کو کس لیے اُگلتی ہے؟ یہ زمین میں دبے ہوئے بیجوں کو اور گٹھلیوں کو کیوں پھاڑا جاتا ہے؟ یہ ہماری سوکھی ہوئی کھیتیوں پر بادلوں کے ذریعے امرت کیوں برستا ہے؟ —— کیا یہ سب کچھ ہمارے اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لیے نہیں ہو رہا ہے؟ اور کیا یہ سب بکھری ہوئی اَن گنت نشانیاں اس بات کی گواہی نہیں دیتیں کہ خدا اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے پھر اگر یہ بات ہے —— جیسا کہ ہم سب کا عقیدہ ہے —— تو پھر اس معاملے پر غور کرو کہ انسانی ڈھانچے کو برقرار رکھنے کے لیے تو اس نے اتنا اہتمام کیا' تو کیا اس حقیقی انسان کے وجود کو باقی رکھنے کے لیے جو اس جسمانی خول کے اندر ہے کوئی انتظام نہ کیا ہوگا —— نہیں' یہ اس کی رحمت کے خلاف ہے' وہ انسانی زندگی کو یوں ہی بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ دے گا۔ اس نے روحانیت کی کھیتی کو سیراب کرنے کا ضرور کوئی انتظام کیا ہوگا —— پس اسی انتظام کا نام رسالت ہے' جو سراسر اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔ خدا نے ہماری زندگی کو سیدھی لائنوں پر چلانے کے لیے جو طریقہ کار تجویز کیا اسی کو رسالت و پیغمبری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

پھر اس معاملے پر ایک اور پہلو سے غور کرو' اگر آدمی بالکل ہی کند ذہن نہ ہو اور اس کا احساس مردہ نہ ہو گیا ہو' تو اپنے گرد و پیش اتنی بے شمار نعمتیں دیکھ کر اس کے دل میں بے اختیار اپنے محسن کا شکر ادا کرنے کے لیے بے چینی ابھر آئے گی اور اس کا دل اتنا بھر جائے گا کہ فوراً اس کے ہاتھ اور جبڑے اٹھ جائیں گے' اور وہ اپنے محسن سے کہے گا کہ تو ہماری رہنمائی فرما کہ ہم کس طرح تیرا شکر ادا کریں کہ تیری مزید نعمتوں کے مستحق ہو سکیں —— پس یہ جان لو کہ رسالت

انسانی فطرت کی اس بھوک کی غذا اور اسی پیاس کی ٹھنڈک کا نام ہے۔ مہربان مالک نے انسانی فطرت کے اس مطالبے کو پورا کرنے کے لیے رسالت کا سلسلہ قایم کیا۔

پھر ایک تیسرے پہلو سے غور کرو کہ انسان کو بلاشبہ عقل نام کی ایک چیز دی گئی ہے، لیکن یہ عقل بطورِ خود نیکی اور بدی کے اصول بنانے کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتی۔ یہ تو صرف نیکی اور بدی کے اصولوں میں تمیز کر سکتی ہے اور یہ فیصلہ دے سکتی ہے کہ اس راہ پر اگر چلیں گے تو خطرات سے دوچار ہوں گے اور فلاں راستے پر چلنے کے یہ فائدے ہیں۔ چنانچہ عقل کے بارے میں تحقیق کرنے والے تمام ماہرین اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ زندگی کا کوئی راستہ بطورِ خود تجویز کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ تو جب انسان کی نارسائی اور درماندگی کے باوجود اگر خدا زندگی گذارنے کا کوئی ضابطہ نہ دے تو یہ اُس کی رحمت کے خلاف ہے۔ اور اگر گمراہی پر اسے پکڑے تو یہ اُس کی صفتِ عدل کے خلاف ہے ——— مختصر یہ کہ رسالت خدا کی صفتِ رحمت کا براہِ راست تقاضا ہے اور انسانی فطرت کے مطالبے کا جواب ہے۔ نیز یہ اس لیے ہے تاکہ لوگ قیامت کے دن اپنے رب کے حضور یہ نہ کہہ سکیں کہ آپ نے ہماری رہنمائی کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔

یہ ہے رسالت! اب ذرا اس معاملے پر ذرا غور کریں کہ انسانوں کو زندگی گذارنے کا ضابطہ اور ہدایت نامہ خدا کی طرف سے کس طرح ملتا ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ خدا خود انسانوں کے رُوپ میں آئے اور فساد کی حالت کو درست کرے، اگر یہ شکل مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دوسرے انسانوں کی طرح وہ بھی ایک ناپاک قطرے کی شکل میں کسی عورت کے پیٹ میں آئے اور اپنے اس آنے میں کم از کم دو انسانوں کا محتاج ہو۔ پھر وہ اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لیے اس بات کا محتاج ہو کہ ایک عورت کا خون اس کے لیے غذا بنے، پھر وقت سے پہلے پیٹ کی اندھیریوں سے دُنیا کی روشنی میں آنے کے لیے اس قانون کا پابند ہو جو دوسرے انسانوں کے لیے مقرر ہے، اور دُنیا میں آنے کے بعد اُس کی بے بسی اور بے چارگی کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنی بھوک اور پیاس کا اظہار بھی نہ کر سکے۔ اور یہ کہ دوسرے انسانی بچوں کی طرح اسے بڑھنا اور موتنا بھی ہوگا، پھر جوانی کے بعد اسے ایک انسانی مادہ کی ضرورت ہوگی۔ اور ایسا بھی ضرور ہوگا کہ نفسانی خواہشات کے دباؤ کی وجہ سے بیوی کے غلط قسم کی ضد کے سامنے اسے جھک بھی جانا پڑے گا ——— اور اسی طرح کی دوسری تمام انسانی خصوصیات وکیفیات اس کے اندر لازماً پائی جائیں گی۔ اور جب یہ شکل ہوگی تو خدا، خدا نہیں رہے گا، اور اس کی ساری بہتر اور پاک صفتیں انسانی گندگیوں سے لت پت ہو جائیں گی۔ پھر اگر تمہاری سمجھ میں یہ آتا ہے تو تم مانو، لیکن میں تو ایسی ہستی کو خدا ماننے کے لیے تیار نہیں، جو ہگتا اور موتتا ہو۔ اور جس کے اندر حیوانی خواہشات پائی جاتی ہوں۔ اور جو اپنی خواہشات سے مغلوب ہو جاتا ہو۔ اگر وہ خدا ہے اور اُس کی ساری صفتیں بلند اور پاکیزہ ہیں تو میری اپنی سمجھ کے مطابق [illegible]

یہ طریقہ اختیار نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ انسانی شکل میں آئے اور ان تمام انسانی خصوصیات سے پاک ہو تو دُنیا کے لوگ کہہ سکتے ہیں کہ آپ تو بھگوان ہیں، اس لیے آپ کے لیے بھلے راستے پر چلنا کیا مشکل ہے، انسان ہو کر اور انسانی خصوصیات سے متصف ہو کر نیکی پر عمل کر کے دکھاؤ تو جانیں۔ ایک آدمی جس کے اندر حیوانی خواہشات بالکل ہی نہ ہوں تو پارسائی اور نیک دامنی کے سوا اس سے اور کیا ہو سکتا ہے، کمال تو اس شخص کا ہے جس کے اندر حیوانی خواہشات موجود ہوں، اور آدمی کو غلط راستے پر لے جانے کے لیے پُورا زور لگا رہی ہوں، مگر اس کے باوجود پرائی عورت کی طرف بُری نگاہ سے نہیں دیکھتا ——— پس ہماری سمجھ میں سنسار کی اصلاح کا یہ طریقہ خدا نے اختیار نہ کیا ہوگا۔

دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ انسانوں کی اصلاح کے لیے، اور ان کے پاس اپنا ہدایت نامہ بھیجنے کے لیے خود انھیں میں سے کسی فرد کا انتخاب کرلے۔ چنانچہ انسانیت کی لمبی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ خدا نے بندوں کی اصلاح کے لیے یہی دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے۔ جب کبھی کسی قوم میں اُس نے اپنا رسول بھیجنا چاہا ہے تو کسی ایسے ہی شخص کو منتخب کیا ہے جو اپنی قوم میں پیدا ہوا ہو، اور اُن کی زبان اور اُن کے مزاج سے پُوری طرح واقف ہو، ایسے شخص کے ساتھ خدا کا معاملہ یہ رہا ہے کہ پیغمبری سے پہلے بھی قوم میں پھیلی ہوئی اخلاقی گندگیوں سماجی برائیوں سے اس کا دامن محفوظ رکھتا ہے تاکہ جب وہ حق کی آواز بلند کرے تو لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ شخص اب سے پہلے تو ہماری ہر گندگی میں حصہ لے رہا تھا اور اب وعظ کہنے آیا ہے۔ اس طرح حق ان کی نگاہوں میں بے وقعت ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کی پیغمبری سے پہلے کی زندگی بھی دوسرے عام لوگوں سے بہت زیادہ بلند اور پاکیزہ ہوتی ہے اور پھر دفعتاً اس کا دل نبوت کی روشنی سے جگمگا اُٹھتا ہے۔ اس کے بعد خدا اس کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے کہ اگرچہ وہ ہوتا انسان ہی ہے لیکن اس کی حیوانی خواہشوں پر، اور قلب و دماغ اور دوسری ساری قوتوں پر اپنے خوف کا اتنا زبردست پہرہ بٹھا دیتا ہے کہ کوئی بڑی بُرائی تو اُس سے سرزد نہیں ہوتی، البتہ جب اس کی عقل کا فیصلہ کسی غلط رُخ پر جانے لگتا ہے تو اسے فوراً اس غلطی پر خبردار کر دیتا ہے، اور اس طرح وہ انسان ہوتے ہوئے اور انسانی خصوصیات رکھتے ہوئے خدائی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے۔ اور اپنی قوم کے لیے اپنی زندگی میں ایک قابلِ عمل نمونہ چھوڑ جاتا ہے۔

پس انسانوں کے درمیان رسول کی حیثیت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی سلطنت کے کسی گوشے میں کسی قابلِ اطمینان آدمی کو وائسرائے بنا کر بھیج دیتا ہے۔

یہ شخص اس خطۂ زمین میں بادشاہ کا نمائندہ ہوتا ہے، اس کے حکموں پر چلنا گویا بادشاہ کے حکم پر چلنا ہے اور اس سے بغاوت گویا بادشاہ سے بغاوت کرنے کے ہم معنی ہے۔ اسی لیے رسولوں نے اپنی قوم سے پورے اور مکمل اطاعت کا مطالبہ کیا اور دراصل یہی چیز قوموں اور رسولوں کے درمیان ٹکراؤ کا اصل سبب رہی ہے۔

اے مسلمان بتا!

جناب شوکت حسین صاحب نیازی

(۱)

تیرا ایمان ہے اللہ پہ لیکن پھر بھی
تو نے معبود ہزاروں ہی بنا ڈالے ہیں
شرک کے جال میں جکڑا ہے بری طرح سے تو
بندگی نفس کی، دولت کی پرستش بھی ہے
رسم آبا کی ہے تقلید بھی کورانہ سی
نورِ توحید سے ان ظلمتوں کا جوڑ ہے کیا!
اے مسلمان بتا!

(۲)

اے مسلمان بتا!
تو ہے انساں کی غلامی پہ ابھی تک راضی
کوئی چوکھٹ ہو جھکا دیتا ہے اپنے سر کو
تیرے قانون بناتے ہیں ابھی تک انساں
ناز ہے ہر کس و ناکس کی اطاعت پہ تجھے
تیرا اللہ ہے مسجد میں مقید افسوس
ہیں تقاضے یہی توحید پہ ایمان کے کیا؟
اے مسلمان بتا!

(۳)

اے مسلمان بتا!
ایک مالک کی اطاعت ہے سہل اے ناداں؟
سیکڑوں آقا ہوں یا حکم چلانے والے؟
جسم ہو ایک کا اور جان کسی اور کی ہو؟

ایک کو خوش نہ کیا جس نے، ہے کیسے ممکن ؟
سارے آقاؤں کو وہ خوش کرے ہر طرح سے وہ
یہ کھلی بات ہے اس میں بھی کوئی پیچ ہے کیا؟
اے مسلمان بتا!

(۴)

اے مسلمان بتا!
کیا یہ سچ ہے کہ محمدؐ ہیں ترے راہ نما؟
اُن پہ اللہ کی رحمت کا ہو سایا ہردم
اُن کے اقوال پہ رہتی ہے کبھی تیری نظر؟
قلب پہ تیرے کبھی ان کا اثر ہوتا ہے؟
ہے فقط اُن کی رسالت کا زباں سے قائل؟
درس کیا تو نے کبھی ان کے طریقوں سے لیا؟
اے مسلمان بتا!

(۵)

اے مسلمان بتا!
کیا غلط ہے کہ یہ دعویٰ ہے تیرا بے بنیاد؟
تیرا قبلہ ہے کبھی ماسکو نیو یارک کبھی
ہیں سند تیرے لیے مغربی افکار فقط
اور سیرت تری افرنگ کے سانچوں میں ڈھلی
تیرے کردار ہیں آئینۂ مغرب یکسر
اک مسلمان کے شایاں یہی اطوار ہیں کیا؟
اے مسلمان بتا!

(۶)

اے مسلمان بتا!
وہ صلہ رحمی و ایثار کہاں ہیں تجھ میں!

تجھ میں اخلاق کے وہ جوہر نایاب کہاں!
تیرے ذہنوں میں وہ حکمت و تدبر کب ہے؟
قلب میں تیرے وہ احساس کہاں ہے باقی؟
تیری سیرت میں وہ پاکیزگی و حسن ہے کب؟
تھے نبئ عربی جن کا مکمل نقشا!
اے مسلمان بتا!

(۷)

اے مسلمان بتا!
راہِ حق میں وہ تکالیف اٹھانا خوش خوش!
اور اللہ کا پیغام سنانا سب کو!
دشمنوں سے وہ ملنا محبت کے ساتھ!
ہاتھ اُٹھانا تو دُعا کے لیے ان کے حق میں!
مقصدِ زیست کو ہر چیز پہ دینا ترجیح!
کیا نہیں کر کے محمدؐ نے یہ سب دکھلایا؟
اے مسلمان بتا!

(۸)

اے مسلمان بتا!
کیا رسالت کے فرائض نہیں آپ اب تجھ پر؟
کیا فقط چند عبادات پہ ہے تو بھولا!
کیا تجھے یاد نہیں آئے گا اک دن آخر؟
کام آئے گی نہ اولاد، نہ دولت جس دن
جو سوالات کیے جائیں گے اُس دن تجھ سے
بے خبر! اُن کے تیرے پاس جوابات ہیں کیا؟
اے مسلمان بتا!

تصوری خاکہ

جناب محمود فاروقی صاحب

عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں!

راستے پر کھڑے ہوئے ایک شخص نے مقابل سے آنے والے دوسرے رہرو سے پوچھا "کوئی نئی خبر" —— بظاہر یہ جملہ ایک معمولی سا جملہ تھا، لیکن در اصل اس کے پس پردہ اس شہر کے ایسے حالات پوشیدہ تھے جن کا روزانہ چرچا ہوتا رہتا تھا، اور ان حالات سے ان دو شخصوں کا گہرا تعلق تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتے تھے، دونوں کے نقطۂ نگاہ میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اس وقت شہر والے دو متضاد اور مختلف تصورات کی کشمکش میں جھولا جھول رہے تھے، اور یہ کشمکش روز بروز تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور بتدریج اس تصادم کا سامان مہیا ہو رہا تھا جو مختلف نظریوں کی ٹکر سے مادی طور پر ایک انقلاب کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

پہلا شخص زندگی کے متعلق ان اصولوں کا شدید طور پر حامی تھا جو طویل عرصے سے شہر والوں میں مروج تھے، اور ان کو باپ دادا کی طرف سے موروثی طور پر ملے تھے اور جن پر اس شہر کے باشندوں کی اکثریت پورا پورا اعتقاد رکھتی تھی، اور وہ اپنے قافلے اسی راہ پر چلانے کے لیے مُصر تھے جس پر آنکھیں کھولتے ہی انھوں نے اپنے آپ کو چلتے ہوئے پایا تھا، اور کسی قیمت پر بھی وہ اپنا سمتِ سفر بدلنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

دوسرا شخص اس نقطۂ نظر کے برعکس زندگی کے مٹے مٹائے باطل راستوں کو چھوڑ کر اپنے ہم شہریوں کو ایک نئی راہ پر چلنے کی دعوت دے رہا تھا۔ وہ نئے سنگ و میل کا تعارف کراتا اور نئی منزلوں کی تلاش پر اکساتا ہوا زندگی کی قدیم عمارت کو ایک نئی عمارت میں تبدیل کر دینے کی مسلسل جد و جہد کر رہا تھا۔

پہلا شخص ڈوبتے ہوئے ستاروں کا نقیب تھا، اور دوسرا نئے اُبھرتے ہوئے سورج کا سفیر۔ جو لوگ زندگی کے پرانے سانچوں سے گھبرا گئے تھے اور ان کا جی بیان نئے نئے مرحلوں کو عبور کرنے کے لیے ان کو آمادہ کر رہا تھا وہ پچھلی زندگی کا پرانا چولا اتار کر نئی زندگی کا لباس پہننے کے لیے تیار ہو گئے مگر ایسے لوگ بہت ہی کم تھے۔ اکثریت تو زندگی کے چلتے ہوئے دھارے میں کسی نئے رُخ کو پیدا کرنے کی سخت منکر تھی۔

غرض پہلے شخص نے جب یہ سوال کیا تو اس کے لیے میں وہ سارا اختلاف چھپا ہوا تھا جو شہر کی زندگی میں ایک فیصلہ کُن مرحلے تک جا رہا تھا، اور جس طنز سے اس نے پوچھا اس کی غرض واضح تھی کہ وہ اپنے مخاطب کو خفیف کرنا

چاہتا ہے، لیکن دوسرے شخص نے اس مختصر سے جملے میں چھپی ہوئی ساری تفصیلات کو تحمل و بردباری سے برداشت کرلیا اور بجائے جواباً اس طرح کی چوٹ چلنے کے اس کی زبان سے صرف ایک لفظ نکلا "ہاں"

"وہ کیا!؟" ——— پہلے شخص نے استفسار کیا۔ "میں کل رات بیت المقدس گیا تھا۔" دوسرے شخص نے جواب دیا۔

"بیت المقدس!" وہ حیرت سے چونک پڑا۔ "ایک رات میں تم وہاں جاکر واپس بھی آگئے۔"

"نہ صرف وہاں" پہلے شخص نے اس کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے انتہائی اطمینان سے جواب دیا۔ "بلکہ اس سے بھی آگے۔ میں نے اپنی راہیں اُن آسمانوں کو بھی عبور کیا ہے۔"

"تو تم اپنے خدا سے ملنے گئے تھے، مذاق تو نہیں کرتے۔" ———

دونوں لمحہ بھر کے لیے خاموش رہے، پھر اچانک پہلے شخص کی آنکھوں میں تیز چمک پیدا ہوئی اور جیسے اس نے اس لمحہ بھر میں کوئی نئی چال سوچ لی۔ اس نے کہا:

"کیا تم یہ بات سب سے سامنے کہنے کے لیے تیار ہو؟"

"کیوں نہیں" اُس نے اپنے مخاطب کے ارادوں کو تاڑتے ہوئے مختصر سا جواب دیا۔

کچھ دیر بعد ہی یہ خبر آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی۔ اور عبادت گاہ کے سامنے سارے شہری جمع ہوگئے۔ جب ان پر اس بات کا انکشاف ہوا کہ ان کا مخاطب ایک ہی رات میں بیت المقدس جیسے دور دراز شہر کو اور پھر وہاں سے آسمانوں کی سیر کرکے صبح ہونے تک اپنے مقام پر واپس آگیا، تو وہ اس مذاق پر بُری طرح جھنجھلا اٹھے۔ پہلے سے جو مخالف تھے اُنھوں نے طرح طرح کے اعتراضات کرکے اسے پریشان کرنا شروع کیا اور نچلے قسم کے آدمی اس کا مضحکہ اُڑانے، اور ذلیل کرنے، اوچھے اور گرے ہوئے فقرے کسنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو اس کے ہم خیال اور طرف دار تھے شک و تردد میں پڑ گئے اور طعنہ و طنز کی اس یلغار سے گھبرا کر ہم خیالی اور طرفداری سے دستبرداری پر تُل گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے زندگی کی نئی دیواریں جو بڑی مشکل سے اونچی ہو رہی تھیں اچانک گر پڑی ہیں اور ایک طاقتور سیلاب اُن کے سارے مسالے کو اپنی زد میں بہائے لیے جا رہا ہے ——— پہلا شخص اپنی چال کی کامیابی پر نہایت ہی خوش ادھر سے اُدھر گھومتا پھر رہا تھا۔

اچانک مجمع خاموش ہوگیا۔ ایک سنجیدہ اور متین شہری سب کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

اُس نے کہا: "بیت المقدس کو میں نے بھی دیکھا ہے، اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے بھی۔ اور سب یہ بھی معلوم ہے کہ تم اب تک وہاں نہیں گئے ہو، اگر تم سچے ہو تو وہاں کی تفصیلات بیان کردو۔"

مخاطب نے بیت المقدس کی اس طرح آنکھوں دیکھی بات بیان کی کہ سب کے سامنے اس کا نقشہ کھنچ گیا

سب لوگ حیرت زدہ رہ گئے! ــــــ اور جیسے نئی زندگی کی گرتی ہوئی دیوار نے سہارا پا لیا۔

نہ صرف یہ ــــ وہ بولا: "بلکہ راستے میں جاتے ہوئے مجھے ایک قافلہ ملا، ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا وہ اس کے لیے سخت پریشان تھے، میں نے ان کو اس وادی کا پتہ دیا جہاں ان کا اونٹ چر رہا تھا۔ چنانچہ وہ اُن کو مل گیا ــــــ اور پھر ایک دوسرے قافلے سے میں گذرا، وہ لوگ سو رہے تھے، میں نے اُن کا پانی پیا اور وہاں کچھ نشان بھی چھوڑ دیے، وہ قافلے ہماری طرف ہی آ رہے ہیں، ان باتوں کی ان سے تصدیق کر لینا!

لوگ خاموشی سے منتشر ہو گئے، ان کے ذہن ایک عجیب طرح کے تذبذب میں مبتلا تھے، ایک طرف تو یہ بات ناممکن تھی کہ کوئی ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر واپس آ جائے، دوسری طرف جو تفصیل انھوں نے سُنی تھی وہ اس قدر سچی اور دل لگتی تھی کہ اس سے انکار بن نہ پڑتا تھا۔ پھر کچھ دُور رَس لوگ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ اگر آنے والے قافلے ان باتوں کی تصدیق کر دیں تو ایک بیت المقدس ہی کیا آسمانوں کے سفر پر بھی یقین لانا ہی پڑے گا۔ سب سے بڑھ کر تو یہ کہ ان ٹھوس ثبوتوں کی موجودگی میں عام شہریوں کو ان باتوں کے تسلیم کرنے سے روکنا بھی ایک حد تک دُشوار ہو جائے گا جو ہمارے اور اس کے درمیان مابہ النزاع ہیں ــــ غرض کچھ اس طرح کے سوچوں میں گم، طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہوئے وہ منتشر ہو گئے۔

پہلے شخص کا سر در چہرہ اُتر سا گیا، اور اس کو اچانک مداخلت کرنے والے آدمی پر بڑا غصہ آیا جس نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا، تاہم یہ اُمید رہ رہ کر اس کے دل میں کروٹ لیتی رہی کہ آنے والے قافلے ممکن ہے ان باتوں کی تصدیق نہ کریں اور شاید کوئی قافلہ ہی نہ آئے۔

یہ اعصاب کش لمحہ بہ لمحہ تیز تر ہوتی چلی گئی اور پورا شہر ایک قسم کے چھپے ہوئے اضطراب میں اس طرح مبتلا ہو گیا جیسے تشنج کا مریض مرض کے دورے میں مبتلا ہو جاتا ہے ــــــ یہ گھٹا دینے والی کیفیت اُس وقت تک قائم رہی جب تک کہ مضافات سے آنے والے راستوں پر قافلوں کی گھنٹیاں نہ بجنے لگیں، اور اُن کے اونٹوں، گھوڑوں کے گرد و غبار نے شہر والوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ جوں ہی نو وارد قافلے شہر میں پہنچے، ان کو شہریوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان میں سے ہر شخص نے ان پر سوالات کی بوچھار کر دی، وہ سوالات، جن کے صحیح یا غلط ہونے پر ایک شخص ہی کی نہیں، بلکہ زندگی کے ایک پورے کے پورے نظام کے سچے یا جھوٹے ہونے کا انحصار تھا۔ ــــــ پرانی زندگی کے پرستاروں کا نمائندہ شہری سب سے زیادہ مضطرب تھا۔

مگر ــــ اس کے دل کو سہارا دینے والی وہ کمزور سی توقع بھی اچانک اُس وقت ختم ہو گئی جبکہ قافلے والوں نے ان دونوں باتوں کی پوری طرح تصدیق ہی کی۔

شہر کی سڑکوں پر دھڑکنے والے دل ایک حیرت و استعجاب میں ڈوب گئے، ایک سرے سے دوسرے سرے تک سرسراتی ہوئی سرگوشیاں ریت کے تودوں میں گھومنے والی گرم ہوا کی طرح پھیل گئیں۔

اور آج تک بہت سے دلوں میں یہ حیرانی موجود ہے کہ تمام انسانوں جیسا ایک انسان زمین کے دور دراز فاصلوں اور کائنات کی طول طویل وسعتوں کو کس طرح ایک رات میں طے کر گیا۔ بجز اُن کے جو کائنات کے بنانے والے کی قدرتوں اور اُس کی جانب سے آنے والے پیام بروں کی صداقت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔ اور یہی وہ یقین ہے جو بلندیوں کی جانب انسانیت کی معراج (زینہ) ہے +

(شب معراج کا ایک تاثر)

منادی!

انسانو! ہوشیار ہو جاؤ!
غفلتوں کی نیند سے بیدار ہو جاؤ!
تمھیں لازماً جواب دینا ہے،
اپنی کمائیوں کا بدلہ پانا ہے،
یہ بدلا اگر سزا کا بدلہ ہوا ——— تو
کوئی نہیں جو تمھیں بچا سکے،
انصاف کی گرفت سے چھڑا سکے،
یہ بدلہ اُس بادشاہ کا دیا ہوا ہوگا،
جو دُنیا جہان کا تنہا بادشاہ ہے،
جو ساری طاقتوں کا تنہا مالک ہے،
جو سارے اختیارات کا تنہا مرکز ہے،
اُس کی طاقت کی کوئی حد نہیں،
اُس کے اقتدار کا کوئی کنارہ نہیں،
اُس کے جلال کے سامنے کسی کو دَم مارنے کا یارا نہیں

پیام!

اُس کی ربوبیت دیکھی ؟

پیدا کرتا ہے ــــــــ اور پالنے کا انتظام کرتا ہے۔

زندگی بخشتا ہے ــــــــ اور زندہ رکھنے کا بندوبست کرتا ہے۔

تم غلّہ بوتے ہو ــــــــ مگر

اُس کو پھاڑ کر ــــــــ پَودا کون نکالتا ہے ؟

تم گٹھلی مٹّی میں دباتے ہو ــــــــ مگر

اس سے پیڑ کَون پیدا کرتا ہے ؟؟

وہی تو ہے جو مُردہ جسموں سے زندہ پیدا کرتا ہے،

بیجوں سے لہلہاتے ہوئے پَودے نکالتا ہے،

انڈوں سے چہچہاتے ہوئے پرندے پیدا کرتا ہے،

اور پھر وہی ان "زندوں" سے،

بیج پیدا کرتا ہے،

اور انڈے بھی،

دیکھنے میں مُردہ ــــــــ بالکل ہی مُردہ۔

یہ ہے تمہارا اللہ!

یہ ہے تمہارا رب!!

یہ ہے جگ کا پالن ہار!!!

لیکن ــــــ انسان! غافل انسان!!

اس نے اللہ کے مرتبہ کو پہچانا ہی نہیں،
اس نے ربوبیت کا اندازہ ہی نہیں کیا،
اس نے اُس کی کارفرمائیوں کو جانا ہی نہیں۔

کہتا ہے ــــــ

"اللہ نے کچھ نہیں اُتارا،
کوئی ہدایت نہیں دی،
کوئی رسول نہیں بھیجا"

ناقدرا، انسان! ناسمجھ!! ہٹ دھرم!!!

بھلا سوچو تو سہی،
جو تمھاری زندگی کا سامان کرے،
پیدائش کا انتظام کرے،
ــــــ تمھیں انسانیت سے سرفراز کرے،
کیا وہ تمھاری ہدایت کا کوئی انتظام نہ کرے گا؟
تمھیں انسان بنا کر انسانیت سے خبردار نہ کرے گا؟؟

یہ اُس سے بعید ہے،
اُس نے یہ انتظام ہمیشہ کیا ہے،
اُس کے رسول ہر زمانے میں آئے ہیں۔
اُسی نے موسیٰ پر کتاب اُتاری،
ایسی کتاب جس میں سارے انسانوں کے لیے،

نُور ہے، ہدایت ہے۔

لیکن ——— اے اہلِ کتاب!

تم نے اس کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے،

کچھ باتیں جو اپنے مطلب کی پائیں اُنھیں ظاہر کیا،

اور بہت سی باتیں جو تمھیں پسند نہ آئیں اُنھیں چھپا ڈالا،

اللہ کی وحی اس لیے آتی ہے کہ تمھیں راہ دکھائے،

جو کچھ تم نہیں جانتے اُسے تمھیں بتائے،

حق اور باطل میں فرق کر دے،

انسانی ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا دے۔

رسالت ———

انسانیت کے لیے رحمت،

اللہ کی ربوبیت کی نشانی،

رُوحوں کی زندگی کا سامان،

اسی سے انسانیت کے دانے اور گٹھلیاں پھوٹتے ہیں،

شرافت اور اخلاق کے پودے لہلہانے لگتے ہیں،

تمدّن اور معاشرت برگ و بار لاتے ہیں،

اور انسانی زندگی سچے امن اور فارغ البالی سے مالا مال ہو جاتی ہے۔

(سورۂ انعام کے رکوع ۱۱ و ۱۲ کی چند آیات کی روشنی میں)

جناب ضیا محمد صاحب ضیا

بعثتِ انبیا کا مقصد

پیمبر اس لیے آتے رہے ہیں ہر زمانے میں
کہ رہ گم کردہ انسانوں کو سیدھی راہ بتلائیں

چھڑائیں گردنِ انساں کو انساں کی غلامی سے
دلوں پر اک خدا کی بندگی کا نقش بٹھلائیں

خدا کی سرزمیں سے ظلم و طغیاں کی جڑیں کھودیں
وہ زور آور سے حق کمزور انسانوں کے دلوائیں

وہ کمزوروں کے ساتھی ہوں وہ مظلوموں کے حامی ہوں
وہ ناداروں غریبوں اور محتاجوں کے کام آئیں

مٹاتے ہی رہیں فحشا و منکر کو زمانے سے
ہٹاتے ہی رہیں کفر و ضلالت کو جہاں پائیں

علم اونچا اٹھائیں جب خدا کی بادشاہت کا
نہ فرعونوں سے کترائیں نہ ہامانوں سے گھبرائیں

زمیں پر جس گھڑی سلطانیٔ حق کا کریں اعلاں
زمانے بھر کی شدادی و نمرودی سے لڑ جائیں

عدو قائل ہوں اُن کے عزم و استقلال کا دل میں
چٹانوں کی طرح باطل کے طوفانوں میں ڈٹ جائیں

وہ عفو و درگذر سے کام لیں جورِ اعدا پر
وہ کھائیں گالیاں لیکن نہ ابرو پر شکن لائیں

وہ جھیلیں سختیاں لیکن یہی کوشش رہے اُن کی
کہ ہر انسان تک اللہ کے احکام پہنچائیں

وہ طعنے ہر گھڑی سُنتے رہیں خویش و اقارب کے
سہیں دن رات غیروں کی جفائیں اور ایذائیں

یقیں پختہ کریں لوگوں کے دل میں روزِ آخر کا
کہ اس سے فسق و بدکاری کی راہیں بند ہو جائیں

بتانِ ملک و قوم و نسل و خون و رنگ کو توڑیں
دیانت، راستی، عدل و رواداری کو پھیلائیں

غرض کوشش کریں دُنیا میں قایم ہو نظام ایسا
بلا تفریق سب اہلِ جہاں جس میں سکوں پائیں

جہاں افروزیٔ شمس الضحیٰ کا مُدعا کیا تھا
مسلماں بعثتِ ختم الرسلؐ پر غور فرمائیں

خلافِ سُنتِ خیر البشر ہے جب عمل سارا
تو پھر کافی ہے کیا نعتیں پڑھیں اور منقبت گائیں

جناب سید شاہ محمود صاحب اسعد

لیڈر کا انتخاب

(۱)

ساری کائنات اتفاقاً پیدا ہو گئی ہے، اس کے پیچھے کوئی مصلحت اور کوئی مقصد نہیں، یوں ہی بن گئی ہے، یوں ہی بے نتیجہ ختم ہو جائے گی، اس کا کوئی مالک نظر نہیں آتا، اس لیے، یا تو وہ ہے ہی نہیں، یا اگر ہے تو انسان کی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اوپر کوئی ایسا صاحب امر نہیں جس کے سامنے انسان جواب دہ ہو، اور نہ علم و ہدایت کا کوئی ایسا سرچشمہ موجود ہے، جہاں سے انسان کو اپنی زندگی کا قانون مل سکتا ہے۔ زندگی جو کچھ ہے، یہی دُنیوی زندگی ہے، اور اعمال کے سارے نتائج بس اسی زندگی ....

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ———— وہ رہنما نہیں، رہزن ہے

ہم ایک الگ قوم ہیں، ہمیں اپنی قوم کی ترقی مطلوب ہے، کسی غیر قوم سے ہمیں غرض نہیں، ہمارے اپنے قومی حقوق و مطالبات ہیں، جو قوم ہمارے ان حقوق و مطالبات پر دست درازی کرے گی، وہ ہماری دُشمن ہے۔ تاریخ شاہد ہے فلاں قوم نے ہماری قوم پر ہیبت ناک مظالم ڈھائے ہیں، ہمارے مُلک میں کسی بدیشی قوم کا گذر نہیں، اس قوم کو شروع ہی سے ہمارے کلچر سے نفرت رہی، ہم بھلے یا بُرے، آخر ہیں تو اسی قوم سے جس نے دُنیا پر اپنے اخلاق کا سکہ جما دیا تھا۔ ہر وہ فعل اخلاقاً جائز ہے، جس سے اپنی قوم کو فائدہ پہنچے۔ اس کے برخلاف ہر وہ فعل ....

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ———— وہ رہنما نہیں، رہزن ہے

ہمیں فلاں طبقے سے ہمدردی ہے، امن و چین کے قیام کے لیے "اس" ظالم طبقے کو مٹانا ضروری ہے — تاریخ گواہ ہے، اس طبقے نے ہمیشہ لوگوں کو اپنے دام میں پھنسائے رکھا ہے۔ جب تک فلاں طبقے کی "ڈکٹیٹر شپ" قایم نہ ہوگی، انسانیت کے دُکھ درد ختم نہ ہوں گے۔ اخلاق؟ اخلاق کیا؟ ہمارے نزدیک اخلاق قطعی اور کلی طور پر طبقاتی جنگ کا تابع ہے۔ چنانچہ جماعتی مفاد کے لیے جرائم کا ارتکاب، جھوٹ بولنا، فریب دینا، عین حق و صداقت ہے۔ نہیں، بلکہ مخالفوں کے خلاف کذب و افترا ہی بعض اوقات سب سے اہم حربے ہوتے ہیں۔ ہم ان تمام اخلاقی حدود و شرائع کی مذمت کرتے ہیں جو کسی ما فوق الفطرت عقیدہ ....

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ———— وہ رہنما نہیں، رہزن ہے

مذہب کو سیاست سے کیا سروکار؟ ہم ہر اُس حکومت پر راضی ہیں جس میں ہمیں مذہبی آزادی ہو۔ اگر آج دُنیا میں طبقاتی و قومی کشمکش ہے تو ہم کیا کریں؟ ہمارے پاس سیاسی و معاشی مسائل کے حل تو ہیں نہیں، اور نہ ہمیں ان کی ضرورت ہے، ہمارے پاس تو چند اخلاقی و مذہبی اصول ہیں جن کا تحفظ ہمارا نصب العین ہے۔ اگر دُنیا ان اصولوں کو قبول کرے گی تو اپنا بھلا کرے گی! فلاں قوم کو چاہیے کہ مذہبی حیثیت سے ہماری جماعت میں رہے اور سیاسی حیثیت سے جس جماعت میں چاہے شرکت کرے۔ ہم سیاست سے بالکل الگ ہو چکے ہیں۔ مذہب ہے ہی شخصی اور انفرادی ....

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ——— وہ رہنما نہیں، رہزن ہے

یہ دُنیا ایک دارالعذاب ہے نجات و فلاح اور امن و سکون کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ زندگی کے سارے بکھیڑوں سے قطعِ تعلق کر لیا جائے، خواہشات کو مٹا دیا جائے، لذّات سے کنارہ کشی کر لی جائے، جسمانی ضروریات اور نفس کے مطالبوں کو پُورا کرنے سے انکار کر دیا جائے اور نفس و جسم کو ——— جو انسان کے دو حقیقی دشمن ہیں ——— مجاہدوں اور ریاضتوں سے اتنی تکلیفیں دی جائیں کہ روح پاک و صاف ہو جائے اور عالمِ بالا ....

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ——— وہ رہنما نہیں، رہزن ہے

ایک ہمارا ہی فرقہ حق پر ہے، اس فرقے یا جماعت سے باہر حق کا وجود ہی نہیں، جو ہمارے فرقے میں نہیں وہ مرتد گمراہ ہے، لوگ خواہ کتنا ہی حق پرستی بگھاریں، جب تک فلاں حضرت کے طریقے پر نہ چلیں گے رسول اللہ کی شفقت سے محروم رہیں گے، خاتم النبیّ کے علاوہ فلاں حضرت کو بھی ماننا ضروری ہے کیونکہ ....

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ——— وہ رہنما نہیں، رہزن ہے

---

(۲)

یہ ساری کائنات ایک منظّم اور باضابطہ سلطنت ہے، اللہ نے اس کو بنایا ہے، وہی اس کا اکیلا حاکم ہے، یہاں اُس کے سوا اور کسی کا حکم نہیں چلتا، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کا مالک اللہ ہی ہے۔ انسان یہاں پیدائشی رعیت ہے، اور احکم الحاکمین کی بندگی و غلامی ہی اس کا مقصدِ زندگی ہے، یہاں کسی کی خود مختاری کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے جہاں اس دُنیا کی اور خود ہماری حقیقت سے ہمیں آگاہ کیا، وہیں اُس نے

ہمارے لیے وہ قانونِ زندگی بھی بھیجا جس پر چل کر ہم فلاح و کامرانی حاصل کر سکتے ہیں، اور جس سے انکار کرنے کے بعد ہم بری طرح انجام بد سے بچ نہیں سکتے۔ یہ زندگی محض چند روزہ ہے اس کے بعد ایک بڑی زندگی ہے جس میں اللہ کے وفادار بندوں کے لیے انعام و اکرام ہیں اور اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں کے لیے سخت رُسواکن سزا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے "اے لوگو! رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آگیا ہے، ایمان لے آؤ، تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔"

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ــــــــ وہ، اور صرف وہی رہنما ہے

ہمیں ایک ایسی صالح جماعت بن کر رہنا ہے جس کے افراد انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے اللہ کے قانون پر چلنے والے ہوں۔ ہمیں کسی قوم سے نفرت نہیں ہے، ہم ہر انسان کو اُس کے رب کی دعوت پہنچائیں گے، اور جو اس دعوت کو قبول کرکے اپنی روش کو بدل لے گا وہ ہمارا بھائی ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی قوم سے ہو، اور جو اس سے منہ موڑے گا وہ ہم میں سے نہیں خواہ وہ ہماری قوم ہی کا فرد کیوں نہ ہو۔ اللہ نے ہمیں ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر اُس نے اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور اس طرح دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دُنیا میں پھیلا دیے۔ آپس کی جان پہچان کے لیے مختلف قومیں اور قبیلے بنائے۔ لیکن ہم میں سے بڑا اور بزرگ تر وہ ہے جو خدا ترسی میں بڑھا ہوا ہے۔ ہمیں اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے، اور انصاف کی گواہی دینے والے بن کر رہنا ہے۔ ہم کسی قوم کی دُشمنی سے اس قدر مشتعل ہونے والے نہیں کہ انصاف سے پھر جائیں، ہم عدل ہی کریں گے۔ یہی طرزِ عمل خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ (القرآن)

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ــــــــ وہ، اور صرف وہی رہنما ہے

سرمایہ دار ہو، یا مزدور، جو بھی اپنی قوت، صلاحیت، اور دولت کو "حدود اللہ" کے تحت کرلے وہ ہمارا رفیق ہے، اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے اور حدود اللہ سے تجاوز کر جائے وہ ہم میں سے نہیں۔ ہمیں کسی طبقے سے نفرت نہیں، نفرت جو کچھ ہے ظلم و ناانصافی اور سرکشی و گمراہی سے ہے، اسی کو مٹانا ہمارا فرض ہے۔ "تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک رویہ اختیار کرلیں، اللہ کا اُن سے وعدہ ہے کہ اُنھیں ضرور زمین کی خلافت عطا کرے گا (جس طرح اُس نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو تم سے پہلے ہو گزرے) اور ان کے اس نظام کو مستحکم کرکے رہے گا جسے اُس نے اِن کے لیے پسند فرمایا ہے، اور اس طرح ان کے خوف و بدامنی کی حالت کو امن و چین سے بدل کر رہے گا۔" (القرآن)

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ــــــــ وہ، اور صرف وہی رہنما ہے

اللہ کا دین (الاسلام) ایک کامل دین ہے، یہی ایک صحیح نظامِ زندگی ہے۔ ہماری سیاست، معاشرت، معیشت، اخلاق اور روحانیت سب اللہ کے حکم کے تابع ہونی چاہیے۔ موجودہ سیاسی و معاشی مسائل کا ایک ہی صحیح اور دُرست، معتدل اور متوازن حل ہے، اور وہ وہی ہے جو اللہ کے رسول کے ذریعے ہمیں ملا ہے، جس کی مستند اور مکمل شکل قرآن مجید ہے۔ ہم ہر اُس نظام کو ناجائز سمجھتے ہیں جو اللہ کو اپنا مقتدرِ اعلیٰ تسلیم نہ کرے، "حکومت صرف اللہ کے لیے ہے اور اُسی کا حکم ہے کہ اُس کے سوا کسی اور کی غلامی نہ کی جائے" (القرآن)

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ــــــــــ وہ، اور صرف وہی رہنما ہے

یہ دُنیا دارالامتحان ہے۔ نجات و فلاح اور امن و سکون کی کوئی صورت کے اس کے سوا نہیں کہ زندگی کے سارے معاملات اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کے مطابق طے کیے جائیں، ہماری زندگی کا ہر شعبہ گویا کہ امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ ہمیں اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سُنّت کے مطابق ہر پرچہ کا جواب دینا ہے، ہمیں اپنی خواہشات اور لذات کو اللہ کے مقرر کردہ حدود کے اندر لے آنا چاہیے، "اسلام میں رہبانیت نہیں ہے" (الحدیث)

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ــــــــــ وہ، اور صرف وہی رہنما ہے

ہر وہ جماعت حق پر ہے جو اللہ کے دین کو پُوری زندگی میں اپنانے کا فیصلہ کرے، جس کا نصب العین اور طریقۂ کار، جس کی تنظیم اور کارروائی اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کے مطابق ہو، جو انبیاءِ کرام کی روش کو اختیار کرے۔ "ہر وہ شخص جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے صریحاً گمراہ ہے" (القرآن) لوگ خواہ کتنا ہی حق پرستی گمائیں جب تک انبیاء کرام کے طریقے پر نہ چلیں گے اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں" (القرآن) ان کے بعد کوئی نبی نہیں" (الحدیث)

جس لیڈر کے یہ خیالات ہوں ــــــــــ وہ، اور صرف وہی رہنما ہے

جناب حافظ عبدالسمیع صاحب حافظ دھام پوری

رسولوں نے دیا ہے دین کا پیغام دُنیا کو

رسولوں نے دیا ہے دین کا پیغام دُنیا کو
بتائے ہیں خدائے پاک کے احکام دُنیا کو

سبق انسانیت کا اہلِ عالم کو پڑھایا ہے
سلیقہ زندگی کا ابنِ آدم کو سکھایا ہے

مٹا ڈالا جفاؤ جور و ظلم و بربریت کو
اُٹھایا آدمیت کو، اُبھارا صالحیت کو

انھوں نے ہر طرف دینِ مبیں کی جلوہ باری کی
درخشندہ اصولوں سے مٹادی ساری تاریکی

انھوں نے سختیاں جھیلیں بہت راہِ صداقت میں
مگر لغزش نہ آئی ان کے پائے استقامت میں

مسخر کرلیا عالم انھوں نے حسنِ سیرت سے
معطر کر دیا دُنیا کو دینِ حق کی نکہت سے

جگایا خواب سے ان کو جو محوِ خوابِ غفلت تھے
جو محوِ خوابِ غفلت تھے جو غرقِ عیش و عشرت تھے

جگا کر خوابِ غفلت سے دیا پیغامِ حق ان کو
پڑھایا علمِ توحید و رسالت کا سبق ان کو

ہلادی کاخِ ظلم و جبر کی بُنیادِ مستحکم
نظام و نظمِ باطل کر دیا سب درہم برہم

جفاؤ جور و استبداد کی قوت مٹا ڈالی
محبت کی، اخوت کی، مروت کی بنا ڈالی

انھیں کے دم سے آئی راہ پر بھٹکی ہوئی دُنیا
خدائے واحد و بے مثل کے آگے جھکی دُنیا

فضائے دہر پر پھر چھا گئی ہے ظلمتِ باطل
اُبھر آئی ہے پھر آفاق میں با قوتِ باطل

ضرورت ہے کہ ہم ماننے والے رسولوں کے
کریں پھر پیش دُنیا میں انھیں سچے اصولوں کے

عمل سے اپنے پھر ثابت کریں ان کی صداقت کو
جہاں میں اُٹھ کے پھر پھیلائیں دینِ حق کی دعوت کو

اتمامِ حجت

(مالکِ کائنات کی طرف سے)

آپؐ[1] کی طرف ہم ہی نے وحی بھیجی ہے،
ٹھیک ویسی ہی وحی، جیسی،
ہم نے نوحؑ کی طرف بھیجی تھی،
اور پھر نوحؑ کے بعد آنے والے بے شمار رسولوں
کی طرف بھیجی تھی،
ویسی ہی وحی جیسی وحی کہ،
ہم نے بھیجی تھی ابراہیمؑ کی طرف،
—— اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کی طرف،
—— یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف،
—— عیسٰیؑ اور ایوبؑ کی طرف،
—— یونسؑ اور ہارونؑ کی طرف،
—— سلیمانؑ اور داؤدؑ کی طرف،
اور داؤدؑ کو تو ہم نے زبور[2] بھی دی تھی۔
ان کے سوا ایسے ہمارے اور بھی کتنے ہی رسول آئے ہیں،

—— آئے ہیں، اور
ہمارا پیام لائے ہیں،
ان میں سے کچھ کا ذکر تو ہم تم سے پہلے کر چکے ہیں،
مگر کتنے ہی ہیں جن کا حال ہم نے تم پر کھولا ہی نہیں،
اور ہاں! موسٰیؑ کو تو ہم نے ہم کلامی کا شرف
بھی بخشا تھا۔

یہ سارے نبی،
یہ تمام رسول،
—— کیا تھے؟
اور —— کیوں آئے؟
یہ سب کے سب خوش خبری دینے والے تھے،
خوش خبری دینے والے،
ان لوگوں کو خوش خبری دینے والے،

---

[1] اشارہ ہے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔
[2] حضرت داؤد علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی تھی اس کا نام زبور ہے۔

جو اطاعت کی راہ اختیار کریں،
بندہ بن کر رہنا قبول کریں ـــــ اور
اپنے پروردگار کی رضا چاہیں،
اس بات کی خوش خبری کہ ـــــ
اطاعت کا انجام سرفرازی ہے،
کامیابی ہے،
دُنیا اور آخرت کی کامیابی
یہ سب کے سب ہوشیار کرنے والے تھے،
خبردار کرنے والے
اُن لوگوں کو ہوشیار اور خبردار کرنے والے،
جو نافرمانی کی راہ پر چلتے رہیں،
بندہ ہوتے ہوئے خدائی کے خواب دیکھیں ـــ اور
غلام ہوتے ہوئے آزادی کے مزے لوٹنا چاہیں،
جو بغاوت اور سرکشی پر اڑے رہیں،
اور زندگی کے مقصد کو بالکل ہی بھول جائیں۔

اگر یہ رسول نہ آتے،
اگر یہ آکر میرے محاسبے سے نہ ڈراتے،
نیکی اور بدی کا فرق نہ سمجھاتے،
خدا کی مرضی اور دائمی کامیابی کی راہ نہ بتاتے،
تو ـــــ
اُس وقت ـــ ہمارے محاسبے کے وقت ـــ
لوگ کہتے ـــ خدایا! ہمیں خبر نہ تھی،
ـــ ہم جانتے نہ تھے،
ـــ آپ کی مرضی پہچانتے نہ تھے،
ـــ نیک اور بد کی ہمیں تمیز نہ تھی،
ـــ ہم معذور تھے! مجبور تھے،
اسی لیے ـــــ
یہ رسول آتے رہے ہیں،
اللہ کا پیام لاتے رہے ہیں،
نیک اور بد کھول کھول کر بتاتے رہے ہیں،

اللہ کا یہ پیام آج بھی دُنیا کے سامنے موجود ہے،
کون ہے ـــــ جو
کل اللہ کے حضور اپنے کو معذور کہہ سکے؟
ـــــ مجبور کہہ سکے؟

(سورۂ نساء رکوع ۲۳ کی ابتدائی آیات کی روشنی میں)

فساد کی راہیں

جناب مولوی عبدالحق صاحب

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوت جب کسی قوم میں بلند ہوتی ہے، تو قومی زندگی میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے، سکون اور جمود کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور ایک عظیم تبدیلی کا آغاز ہوتا ہے۔ افراد جہالت اور کفر کو چھوڑ کر دعوت پر ایمان لانے لگتے ہیں۔ یہ تبدیلی دعوت کی رفتار کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے، جب دعوت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی حجت اُس کے بندوں پر تمام ہو چکتی ہے۔ اُس وقت کے بعد قوم کو مزید مُہلت نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے، اور اُس کی زد سے منکرینِ حق کا کوئی فرد بچتا نہیں۔ دوسری طرف مؤمنین پر انعامات کی بارش ہوتی ہے۔ یہ عذاب و انعام جب اپنا کام ختم کر چکتے ہیں، تو سوسائٹی کا ایک نیا جنم ہوتا ہے، اس جنم کی دو شکلیں ہوتی ہیں:

پہلی شکل میں عذاب آسمان اور زمین کی طاقتوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی ابر و باد کی صورت میں اور کبھی زلزلے اور سیلاب کی شکل میں۔ جب یہ عذاب آتا ہے تو پوری قوم پر آتا ہے۔ کافرین اور منکرین کے پورے گروہ سے اُس خطۂ زمین کو پاک کر دیا جاتا ہے، صرف مؤمنین کی جماعت باقی رہ جاتی ہے۔ اور اللہ اپنی زمین کی خلافت اس گروہ کو سپرد کر دیتا ہے۔

دوسری شکل میں منکرین کی جماعت مؤمنین کے مقابلے میں مغلوب ہوتی ہے۔ اور اسلام کی حکومت قایم ہوتی ہے۔ اُس وقت منکرینِ حق بالخصوص وہ جو مفاد پرست ہوتے ہیں ایمان لے آنے کا دعوےٰ کرتے ہیں اور مسلم سوسائٹی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان اسلام لانے والوں میں سے بیشتر تو صحیح طور پر مسلم سوسائٹی میں جذب ہو جاتے ہیں، اور کچھ ایسے بچ رہتے ہیں جو صرف اسلام و اطاعت کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ لیکن ان کے دل ایمان سے ناآشنا ہوتے ہیں۔

ان دونوں شکلوں میں جو مسلم سوسائٹی وجود میں آتی ہے اس میں ایمان اور عملِ صالح کے اعتبار سے مختلف طبقے اور درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں ایمان کی حقیقی روح کارفرما ہوتی ہے۔ اور اسلام اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ ہر ہر فعل و قول سے حق کی شہادت ملتی ہے، انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہوتا جو حق کی روشنی سے منور نہ ہو۔ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو عقائد میں کمزور اور کچے اور اخلاق میں بودے اور ناقص ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ منافقین کی ایک جماعت بھی ہوتی ہے جو یا تو اس نو زائیدہ سوسائٹی کے ساتھ ہی ساتھ وجود میں آتی ہے، یا پہلے سے موجود رہتی ہے۔ ان دو حدوں کے درمیان سوسائٹی کا بیشتر حصہ ہوتا ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بعد مسلم سوسائٹی کی جو حالت ہوتی ہے، وہ عموماً یہی ہوتی ہے۔ اس حالت سے سوسائٹی کے سفر کا

آغاز ہوتا ہے۔ ایک طرف شر کے عناصر اپنی پوری قوت کے ساتھ زور لگاتے ہیں اور دوسری طرف خیر کے عناصر انھیں دبانے اور کچلنے کی سعی کرتے ہیں۔ اب یہ سوسائٹی کی حالت پر مبنی ہوتا ہے کہ خیر و شر کی اس جنگ میں فتح کس کو نصیب ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ عموماً اس جنگ کا انجام یہی ہوتا رہا ہے کہ شر کے عناصر دھیرے دھیرے غالب ہونے لگتے ہیں۔ اور ایک وقت وہ آتا ہے کہ پوری سوسائٹی فساد و بگاڑ سے بھر جاتی ہے۔

مسلم معاشرے میں جو فساد پیدا ہوتا ہے، اُس کے داخل ہونے کی دو راہیں ہیں، ایک عقائد کی راہ اور دوسری محبتِ دُنیا کی راہ:

عقائد کی راہ

عقائد کی راہ سے پیدا ہونے والا فساد صفاتِ باری کے دروازے سے داخل ہوتا ہے، عموماً ہوتا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں قوموں کا ذہن بہت مشکل سے صاف ہوتا ہے، اور اگر کسی طرح صاف ہو گیا بھی تو بار بار ماضی کے تصورات آ آ کر ذہن کو گنجلک بنانے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی صفات کے مختلف اجزاء میں صحیح توازن کا قایم رکھنا اور اُسے عملی زندگی کی بُنیاد بنانا دین کا سب سے بڑا مشکل کام ہے خصوصاً اس حال میں جبکہ انسان کی اپنی ذات میں بھی اور اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی دُنیا میں بھی ایسے بے شمار محرکات پھیلے ہوئے ہیں جو اس توازن کو بگاڑ دینے کے لیے بہت کافی ثابت ہو سکتے ہیں۔ انسانی طبیعت کی آزاد پسندی، اور خواہشات کی غُلامی یا انسان کی ذات سے باہر فطرت کی طاقتوں میں سُورج، چاند، تارے، ہَوا، آگ یا ماحول کی وہ چیزیں جن کے ساتھ کچھ فوق الفطری قوتوں کو وابستہ سمجھ لیا گیا ہو، مثلاً دیوہیکل اشجار، خوفناک و جسیم جانور، مورتیاں، زندہ اور مُردہ ہستیوں میں سے وہ ہستیاں جن کو عقیدت کے پھول چڑھائے جاتے ہیں ——— ان سب چیزوں میں ہر چیز اس لایق ہے کہ موقع پاتے ہی صفاتِ باری کے اس تصور پر کہ جسے انبیاء علیہم السلام انسانوں کے دماغوں میں بٹھانا چاہتے ہیں حملہ کر دے اور اسے بگاڑ کر رکھ دے۔ یہ معاملہ کچھ ایسا نازک ہے کہ کسی صفت کو اس کی اپنی صحیح حیثیت سے ذرا بڑھا دیا جائے یا گھٹا دیا جائے دونوں صورتوں میں اتنی بڑی تبدیلی پیدا ہوتی ہے جو زندگی کے رُخ کو موڑ دیتی ہے۔ اور یہیں سے فساد داخل ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل کے واقعات پڑھیے تو نظر آئے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قوم کے ذہن کو صاف کرنے کرنے کے لیے ہر طرح کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس قوم کے سامنے جب بھی کوئی ایسی چیز جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے آتی ہے تو اس کے ذہن سے پہلی ساری تعلیم نکل جاتی ہے اور وہ پھر اپنی پُرانی زندگی کی طرف لوٹ آتی ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے:

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰٓ أَصْنَامٍ لَّهُمْ	اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار گزرایا، تو جب وہ ایک ایسی قوم سے ملے جو اپنے بتوں پر دیا کے لیے

قَالُوا يٰمُوسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا ۚ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝

سر جھکائے تھی۔ تو بولے اے موسیٰ! ہمارے (پوجنے کے) لیے ایک الٰہ بنا دو، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم بڑی ہی جاہل قوم ہو۔

حضرت موسیٰ سے ایک الٰہ کے گڑھ دینے کی درخواست کرنا، اور اس حالت میں جبکہ حضرت موسیٰ صفات باری کے ہر ہر گوشے کو قوم کے سامنے واضح کرتے ہیں۔ اس سے صرف یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ قوم کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے الٰہ ہونے کا تصور تو ضرور ہوگا، لیکن اس اکیلے الٰہ پر بس کرنا ایک ایسا امر تھا جو ذہن کی گرفت میں نہیں آتا تھا چنانچہ لوگوں کو بتوں کے سامنے سر جھکائے ہوئے دیکھکر وہ مرعوب ہو جاتی ہے اور سمجھتی ہے کہ اللہ کے علاوہ یہ چیزیں بھی ایسی ہیں جن سے ڈرنا اور امیدیں لگانا چاہیے۔

بالکل یہی کیفیت اس وقت بھی نظر آتی ہے، جبکہ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر بلا لیا ہے، اور حضرت ہارون قوم کے ذمے دار بنائے گئے ہیں، اس وقت سامری ایک بچھڑا بنا کھڑا کرتا ہے اور قوم اس بچھڑے سے نکلنے والی آواز سے مرعوب ہو کر سجدے میں گر جاتی ہے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۚ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۝

اور قومِ موسیٰ نے ان کے بعد زیوروں میں سے بنے ہوئے ایک بچھڑے کو بنا لیا (پوجنے کے لیے) ایک ایسا مجسمہ جس میں آواز تھی۔ کیا وہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان سے کلام نہیں کرتا اور نہ انھیں راہ دکھلاتا ہے۔

اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے ان پیغمبروں کو جنھوں نے ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی تبدیلی پیدا کرنے کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اور جن کی عظمت اور عزت ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی، ایک مدت کے گذرنے کے بعد الٰہ بنا لیا اور انھیں پوجنے لگے۔

قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ

یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

بنی اسرائیل کی طرح دوسری قوموں کا بھی یہی حال ہے۔ قومِ سبا کا حال:

بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝ (سبا - ۵)

بلکہ وہ جنوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کی اکثریت ان پر ایمان لائے ہوئے تھی۔

يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ

اس دن جب کہ (اللہ تعالیٰ) ان سب کو جمع کرے گا اور پھر فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ لوگ تمھیں کو

كَانُوا يَعْبُدُونَ ۚ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۔

پوجا کرتے تھے۔ تو فرشتے کہیں گے کہ اے اللہ تو پاک ہے تو ہمارا ولی اور ساتھی ہو، یہ ہمارے ساتھی نہیں تھا۔

ان مثالوں پر اگر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ یہ بھی سامنے رکھا جائے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام صفاتِ باری کی وضاحت و تشریح کا پورا حق ادا کر دیتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ان کی پوری عملی زندگی ایک الٰہ کی بندگی کے لیے مکمل نمونہ اور دلیل ہوتی ہے تو بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نتائج صرف اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ قوم اپنی عقل و فہم سے بالکل کام نہیں لیتی۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں، آیات اور حجتوں پر غور نہیں کرتی بلکہ مدتوں سے جو ذوقی اور اجتماعی مذاق بن گیا ہوتا ہے اُسی سے حق کو پرکھتی ہے۔ ماحول، گرد و پیش کے حالات، پرانی روایات سے ہدایت حاصل کرتی ہے۔ عقل کو اس طرح معطل کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں مختلف خیالات اور مختلف تصورات بن جاتے ہیں، اور ہر تصور ان صفات میں سے کسی صفت میں کچھ غلو کرتا ہے، یا کسی صفت کو اس قدر دبا دیتا ہے کہ وہ بالکل آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور اُس کے بجائے دوسری چیزوں اور اشخاص کو ان کی اصل جگہ سے ہٹا کر اتنا بلند مقام دیتا ہے جس کے وہ لائق نہیں ہوتے۔

اس ذہنیت کا اثر ایمان بالآخرت پر بھی پڑتا ہے۔ آخرت کی زندگی، جزا اور سزا، دوزخ اور جنت، کے بارے میں عجیب قسم کے خیالات جمائے چلے جاتے ہیں۔ جب ذوق اور تقلید ہی سے ہدایت حاصل کرنی جاتی ہے تو جو بھی خیال زیادہ اچھا لگا اور جس میں بچاؤ اور آسانی نظر آئی اُسے اختیار کر لیا جاتا ہے اور باقاعدہ عقیدے کی حیثیت دے دی جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے بارے میں آیا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ (آل عمران)

کیا تم نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جنہیں الکتاب کا ایک جزو دیا گیا کہ جب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان، تو ان کا ایک فریق پیٹھ پھیر لیتا ہے، اعراض کرتے ہوئے۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا کہ ہمیں (جہنم کی) آگ صرف چند دن چھوئے گی۔ ان باتوں نے جو یہ اپنی طرف سے بنا لیے ہیں انہیں اپنے دین کے بارے میں دھوکے میں مبتلا کر دیا۔

وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ

ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تو ایک دینار بھی ان کے پاس امانت رکھ دے تو تجھے واپس نہ کریں گے۔ الا یہ کہ

عَلَيْهِ قَائِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ)

برابر ان کے سر پر چڑھے رہو، یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا ان اُمّیوں کے معاملے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں، حالانکہ یہ خوب جانتے بوجھتے ہیں۔

قَالَتِ الْيَھُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ (المائدہ)

یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، اور اس کے پیارے ہیں (اے رسول) کہہ دو کہ تو پھر (اللہ تعالیٰ) تمھارے گناہوں کے بدلے تمھیں عذاب کیوں دیتا ہے۔

یہ تو وہ طریقہ ہے جس سے فساد عقائد میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فساد کے داخل ہونے کی دوسری راہ حُبِ دُنیا کی راہ ہے:

حُبِ دُنیا کی راہ

جیسا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ جس زمین میں نبی دعوت بلند کرتا ہے، اس زمین کی خلافت نبی کی اُمت کو سونپ دی جاتی ہے، اور یہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کی ساری طاقتیں اشتراک کے لیے ہاتھ بڑھاتی ہیں، آسمان سے رزق برستا ہے، اور زمین سے روزی اُبلتی ہے، تمدن اور تہذیب کا ایک نیا دَور شروع ہوتا ہے۔ یہ وقت مومنین کے لیے انتہائی نازک اور سب سے زیادہ سخت امتحان کا دَور ہوتا ہے۔ اور دیر یا سویر ساری قومیں اس امتحان میں ناکامیاب ثابت ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت جو مال و اسباب کی فراوانی، زمین اور اس کے ذرائع و وسائل پر قدرت کی صورت میں ملتی ہے، اس کی حیثیت گویا ایک ایسے مزدور کی سی ہو جاتی ہے جس نے صبح سے شام تک پسینہ اور خون ایک کر کے کوئی بڑا کام انجام دیا ہو اور شام کو مزدوری پا کر پھولا نہ سمائے، آنکھوں سے یہ بات اوجھل ہو جاتی ہے کہ مزدوری آخرت کی چیز ہے، دُنیا میں سرے سے کسی مزدوری کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس غیر شعوری تخیل کو جو چیز حرکت میں لاتی ہے وہ ہے بغاوت باہمی، یعنی آپس میں سرکشی اور ظلم، انسان چاہنے لگتا ہے کہ اپنی حدود سے باہر نکلے اور دوسروں کے حدود میں داخل ہو، اپنی چیزوں پر قناعت کرنے کے بجائے دوسروں کی چیزوں کو ناجائز طریقے سے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ پہلے یہ صورت عموماً سوسائٹی کے اونچے طبقے میں پیدا ہوتی ہے جس میں خلافت کے بار کو سنبھالنے کی صلاحیت ہوتی ہے، یعنی قوم کے اکابرین کا طبقہ، اس طبقے میں خلافت کو سنبھالنے کے لیے مختلف افراد آگے بڑھتے ہیں، ان کے سامنے خلافت کا مفاد نہیں رہتا بلکہ ذاتی اغراض ہوتی ہیں،

جن کی حفاظت کے لیے اقتدار حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ اس کوشش میں آپس کی کشمکش بڑھتی جاتی ہے۔ ہمیں آگے بڑھنے سے پہلے یہ چیز سامنے رکھنی چاہیے کہ اس کشمکش میں روٹی اور پیٹ اصل سبب نہیں ہوتے، کیونکہ اکابر کا پورا گروہ روٹی اور پیٹ کی طرف سے پوری طرح مطمئن رہتا ہے۔ اصل وجہ اصل میں ایمان بالآخرت کی عدم پختگی ہوتی ہے جو خوفِ خدا کی گرفت کو ڈھیلا کرکے دلوں کو شہوات اور لذاتِ دنیا میں مبتلا کر دیتی ہے۔ آخرت کی جوابدہی کے احساس کی کمزوری ان سارے فسادات کی واحد سبب ہے۔ جس قوم میں یہ احساس جس قدر زیادہ ہوگا وہ قوم اُسی قدر زیادہ مدت تک فساد سے محفوظ رہ سکے گی۔ اور جس قوم میں جس قدر کم ہوگا وہ اُتنی ہی جلد فساد کا شکار ہو جائے گی۔ دراصل انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں کی زندگی ناپنے کے لیے بہترین آلہ ہی اجتماعی طور کا ایمان بالآخرت کی قوت ہی ہے۔

جب یہ کشمکش شروع ہوتی ہے تو صرف اونچے طبقے ہی تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کی لپیٹ میں آہستہ آہستہ پوری قوم آجاتی ہے۔ اس کشمکش کے اثرات یہ ہیں:

(۱) اس صورتِ حال کا سب سے پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ اکابر اقتدار کی جنگ میں قوم کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، ہر گروہ دوسرے گروہ کے خلاف نبرد آزما ہوتا ہے، جاہلیت کی ساری عصبیتیں جو اب تک دبی پڑی تھیں عود کر آتی ہیں، سوسائٹی جو بنیان مرصوص بنی ہوئی تھی، اب ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے، جو دل جڑے ہوئے تھے اب پھٹ جاتے ہیں۔ بغاوت باہمی اور مفاد کی کشمکش جو ابھی تک اکابر میں محدود تھی اب سوسائٹی کے مختلف گروہوں میں سرایت کر جاتی ہے، دُنیا اور اُس کے شہوات و مرغوبات کی محبت دلوں پر چھاتی چلی جاتی ہے۔

(۲) اس کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ جو گروہ بھی اس کشمکش میں غالب آتا ہے وہ اقتدار کو اپنے مفاد کے حصول کا آلہ بنا لیتا ہے، خلافتِ الٰہی شخصی بادشاہت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ادارۂ خلافت کے قیام کا مقصود یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے طاقت کو استعمال کیا جائے، لیکن یہ مقصود بالکل ثانوی درجے میں آجاتا ہے اور ترجیح مفاد اور اغراض پرستی ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ عزیز و اقارب، حکام اور عامل، فوج اور پولیس کی بندشیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کی پشت پناہی میں ہر قسم کا ظلم اور فساد پھیلایا جاتا ہے۔ فسق و فجور، فحش و منکر پر بے باکی بڑھ جاتی ہے، حکومت کے متعلقین نہ صرف خود ہی علانیہ برائیاں کرتے ہیں، بلکہ سوسائٹی کو بھی اسی راستے پر کھینچ کر ڈال دیتے ہیں۔ قانون بے اثر ہو جاتا ہے۔

(۳) اس کا تیسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ معاشی نظام چوپٹ ہونے لگتا ہے، غربا و مساکین کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ جب ان کی تعداد سوسائٹی کے تحمل سے باہر ہو جاتی ہے تو انھیں مجبوراً پیٹ پالنے کے لیے غلط طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ ایک طرف دولت سمٹتی جاتی ہے اور عیش و عشرت کے لیے نئے نئے طریقے ایجاد ہوتے ہیں۔

نئی نئی عمارتیں، تفریحات کے لیے نئے نئے سامان، ذوقِ جمال کے لیے نئے نئے فن ایجاد ہوتے ہیں، اور انھیں تہذیب و تمدن کا خوشنما نام دیا جاتا ہے، اور دوسری طرف معاش کی طرف سے فراغت نہ ہونے کی وجہ سے دین کے تقاضے نظر انداز کیے جاتے ہیں۔

(۴) اس کا چوتھا اثر یہ ہوتا ہے کہ تعلیم و تربیت اور اخلاقِ عامّہ کی طرف سے اجتماعی توجہ ہٹ جاتی ہے، علم کے حصول کی طرف سے غفلت، بلکہ مجبوری کی وجہ سے کوتاہی بڑھتی جاتی ہے۔ جہالت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کو موقع مل جاتا ہے جو دین کو روپیہ کمانے کا آلہ بنا لیتے ہیں، عوام الناس کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ قرآن میں آیا ہے:

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ (البقرہ)

(اہلِ کتاب میں سے کچھ ایسے ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے سوائے آرزوؤں کے اور یہ لوگ محض گمان کرتے ہیں)

یہ ہے وہ تغیر جو اقتدار میں فساد کے برپا ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ معاشرے میں پھیلنا شروع ہوتا ہے اس فساد کی طرف معاشرے کا جو رویہ ہوتا ہے اُس پر بھی غور کر لینا چاہیے۔

(۱) سوسائٹی میں وہ گروہ جو ایمان میں صادق اور عمل میں صالح ہوتا ہے، جسے دین کے اجتماعی نظم میں بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ جو جانتا ہے کہ کن کن راستوں سے فساد قومی زندگی میں داخل ہوتا ہے اور کیسے اس فساد کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، وہ اس بگاڑ کو برداشت نہیں کرتا۔ اس کی اصلاح کے لیے جو کوشش بھی ممکن ہے اس سے باز نہیں آتا۔ اگر ان کی آواز پر معاشرے کے اصلاح پسند افراد آگے بڑھتے ہیں اور اپنی قوتوں کو جمع کرتے ہیں تو یا تو پھر اس نظام کی اصلاح ہی ہو جاتی ہے یا کم از کم یہ ہوتا ہے کہ فساد کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ اس گروہ کا عموماً جو حشر ہوا ہے وہ یہ ہوا ہے کہ انھیں فاقہ، جسمانی اذیت، روحانی تکلیف غرض کہ ہر قسم کی مصیبتیں دی جاتی ہیں، لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہیں ہوتی، حتیٰ کہ اللہ کے یہ بندے حق کی قربان گاہ پر اپنی زندگی کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ انھیں جیسے لوگوں کا ذکر اس آیت میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (آل عمران)

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو بے جا قتل کرتے ہیں، اور اُن لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو لوگوں کو انصاف و عدل کا حکم کرتے ہیں، تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجیے۔

(۲) سوسائٹی کا دوسرا گروہ جو ایمان اور عمل میں تو پہلے گروہ جیسا ہوتا ہے، لیکن ظلم و فساد کے بڑھتے ہوئے

سیلاب کی تاب نہیں لا سکتا، حق کی راہ میں جان دینا یا تو فضول سے کسی مصلحت کی خاطر مفید نہیں سمجھتا، یا اس کی جرأت نہیں رکھتا اور گوشہ نشین ہو جاتا ہے۔ سوسائٹی کی اصلاح سے مایوس ہوتا ہے، اس کی ساری تگ و دَو اپنی ذات کی اصلاح تک سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جو بنی اسرائیل کی تاریخ میں قسیسین اور رہبان کے نام سے ملتا ہے۔

اسی گروہ سے ملتا جلتا ایک اور گروہ ہوتا ہے جو اپنا رُوپ اور بہناوا تو اس گروہ جیسا بنا لیتا ہے لیکن فطری طور پر بہت دنی اور اخلاقی طور پر بہت پست ہوتا ہے، جو لوگوں کو دین کے نام پر دھوکہ دیتا ہے۔ دین کے منشا، غرض و غایت سے ہٹ کر اپنے مفاد کے لیے آیات کی غلط تاویلیں کرتا ہے، حق کو باطل کے ساتھ اس طرح ملا کر پیش کرتا ہے کہ حق تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل میں ایسے لوگ کتاب اللہ میں بھی تحریف و اضافے سے باز نہیں رہے۔

(۳) ایسی صورت میں جبکہ اہلِ حق کے لیے زمین تنگ ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ نیک صورتیں دُنیا سے رُخصت ہو جاتی ہیں۔ کچھ باطل کی مخالفت میں قتل ہو جاتے ہیں اور کچھ دُنیا کے حالات اور مشکلات کی تاب نہ لا کر گوشہ نشین ہو جاتے ہیں تو ان لوگوں کو موقع ملتا ہے جنھوں نے زبان سے ایمان کا اقرار کیا تھا اور سوسائٹی کے دباؤ سے مسلم معاشرت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ یہ لوگ موقع غنیمت جان کر معاشرے کی تباہی کے لیے جو کچھ بھی کر سکتے ہیں، کرتے ہیں۔ ہر امکانی ذریعے سے اپنا زہر پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، مختلف گروہوں سے سازشیں کرتے ہیں، اور ایک کو دوسرے کے خلاف لڑاتے ہیں، اقتدار کی ہی خواہی کا اظہار کرتے ہیں، عوام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ لیکن ان کی ہر کوشش کے پیچھے نفاق، اور ہر سعی کے پیچھے فساد کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ کوئی راہ خواہ وہ عقائد کی ہو، یا علم کی، معاشرتی معاملات کی ہو یا اقتدار اور عوام کے درمیان تعلقات کی، ان کی تاخت سے نہیں بچتی۔

(۴) عوام کے سامنے ان منافقین اور مُفسدین کا گروہ دین کے علمبرداروں کی صورت میں آتا ہے، عوام کا ایک حصہ انھیں محض ناواقفیت کی وجہ سے اپنا ولی بنا لیتا ہے، اور ان کے ہاتھوں میں اپنی باگ ڈور دے دیتا ہے۔ یہ لوگ جدھر چاہتے ہیں ادھر موڑتے ہیں اور عوام مڑ جاتے ہیں، ان مفسدین کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ عوام کو دین سے بالکل نابلد کر دیں۔ عوام میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں کیا ہو رہا ہے، اور کیوں ہو رہا ہے، اس سے مطلب نہیں، انھیں روٹی اور کپڑے سے فرصت نہیں ملتی کہ نماز روزوں کے آگے کی فکر کریں۔

یہ ہے وہ طریقہ جس کے مطابق انبیاء کی اُمتوں میں فساد داخل ہوتا ہے۔ اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس تفصیلی بحث کو مختصراً چند سطروں میں لکھ دیں، تاکہ پوری بحث ذہن کی گرفت میں آجائے:۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی سبھی اُمتوں میں فساد کے داخل ہونے کی صورت تقریباً یکساں ہی ہے۔ فساد کے داخل ہونے کے لیے دو راہیں ہیں:

عقائد کی راہ

(الف) اُمتیں عقل سے کام لے کر آیاتِ الٰہی پر سوچنا چھوڑ دیتی ہیں اور محض ذوقِ تقلید سے ہدایت حاصل کرتی ہیں۔

(ب) اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت میں بے جا غلو کرتی ہیں اور کسی میں کمی کرتی ہیں۔ زندگی کے مختلف کام مختلف اصولوں کے سپرد ہو جاتے ہیں۔

(س) ایمان بالآخرت کمزور ہو جاتا ہے۔ گناہ کرنے کے بعد خوف محسوس نہیں ہوتا۔ کبھی اس قسم کے عقائد بنا لیے جاتے ہیں کہ جنت تو بس ہمارے لیے ہے۔ یا اگر ہمیں کچھ سزا بھگتنی پڑی تو چند دنوں کی ہوگی پھر اس کے بعد جنت ہی ہے۔

حُبِّ دُنیا کی راہ

(الف) اقتدار کے لیے جنگ ہوتی ہے۔ قوم کے اونچے لوگ صرف اپنی غرض حاصل کرنے کے لیے ٹھٹے ہیں اور سوسائٹی کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیتے ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف بغض و حسد کے جذبات رکھتے ہیں، میل جول اور اتحاد ختم ہو جاتا ہے۔

(ب) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام مُردہ پڑ جاتا ہے معاشی حالات خراب ہو جاتے ہیں، اور عوام افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے دین کے اہم کاموں کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں۔

(س) تعلیم و تربیت کا انتظام بگڑ جاتا ہے، اور اخلاق دن بدن گرنے لگتا ہے۔

(ج) ان حالات کو دیکھ کر جو لوگ اصلاح کے لیے آگے بڑھتے ہیں ان کی آواز کو دبا دیا جاتا ہے، اور بسا اوقات ان کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے۔

(د) کچھ لوگ اصلاح سے مایوس اور دُنیا سے بے تعلق ہو کر گوشہ نشین ہو جاتے ہیں۔

(ہ) منافقین اور فساد پھیلانے والوں کا گروہ موقع کو غنیمت جان کر خوب فساد پھیلاتا ہے، اور دین کی ایک ایک شاخ پر کلہاڑی چلاتا ہے۔

—— لیکن ان سب باتوں کے پڑھنے کے بعد اگر آپ فارغ ہو جائیں تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ غور کیجیے کہ کیا آپ کے معاشرے میں ایسی بُرائیاں پائی جاتی ہیں؟ آخر آپ بھی تو ایک نبی اور آخری نبی کی اُمت میں ہیں —— کیا یہ فساد انھیں راستوں سے اس اُمت میں بھی آیا ہے؟

جناب ابو محمد امام الدین صاحب رام نگری

عقیدۂ رسالت

انسانی زندگی کی فلاح وسعادت کے لیے جن عقائد کو اسلام بنیادی درجہ دیتا ہے، ان میں عقیدۂ رسالت کو خاص اہمیت حاصل ہے ــــ اسلام کے ٹھہرائے ہوئے بنیادی عقائد یہ ہیں:

۱۔ عقیدۂ خدا ــــ ۲۔ عقیدۂ آخرت ــــ ۳۔ عقیدۂ رسالت

مقصدِ رسالت جب حقیقتِ حال یہ ہے کہ عقیدۂ خدا، اور عقیدۂ آخرت کے مطابق ہی زندگی گزارنے پر انسان کی فلاح ونجات کا دارومدار ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو خدا کی صفات، اس کے احکام وقوانین اور اُس کی مرضی ونامرضی کا علم کیسے ہو، تاکہ انسان ان کے مطابق زندگی گزارے اور آخرت کی فلاح ونجات کے حصول کی کوشش کرے۔ وحی ورسالت اسی سوال کا جواب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تمام کام رحمت ورافت، عدل وانصاف، اور تدبیر وحکمت پر مبنی ہوتے ہیں، اس لیے اُس نے اس بات کے جاننے کا بار بندوں پر نہیں ڈالا کہ اُس کی مرضی کیا ہے اور نامرضی کیا؟ اور وہ کن کاموں کو پسند کرتا ہے اور کن کاموں کو ناپسند؟ اگر خدا یہ بار بندوں ہی پر ڈال دیتا تو وہ سخت آزمائش میں پڑ جاتے اور ساری امکانی سعی وکوشش کے باوجود کامیاب نہ ہوتے۔ اس لیے خدا نے ازراہِ لطف وکرم وحی ورسالت کا سلسلہ جاری فرمادیا۔ تاکہ انسان پر اپنی عقل ودانش سے خدا کی مرضی ونامرضی معلوم کرنے کی ذمّے داری باقی نہ رہے۔ خدا نے اپنے رسولوں کو بھیج کر اس امرِ محال کو سرتاسر آسان کر دیا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جو اوّلین انسان تھے، خدا کے پہلے رسول بھی تھے۔ ان کے بعد جب انسان دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور لوگ مختلف آبادیوں اور خطوں میں تقسیم ہوگئے، تو کوئی ایسی سرزمین اور کوئی ایسی قوم نہ تھی جس میں خدا کا کوئی رسول زندگی کا طریقہ بتانے اور احکامِ الٰہی کی پابندی وعدم پابندی کے اچھے بُرے نتائج سے باخبر کرنے نہ آیا ہو ــــ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر بھیجے جانے لگے تو خدا نے ان کو اور ان کے ذریعے تمام نوعِ انسانی کو ہمیشہ کے لیے خبردار کر دیا:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی
فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا
خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝
وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا

(یاد رکھو) جب کبھی ایسا ہوگا کہ ہماری جانب سے تمہارے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو تمہارے لیے دو ہی راہیں ہوں گی
جو کوئی ہدایت کی پیروی کرے گا اس کے لیے کسی طرح کا خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوگا۔ اور جو کوئی انکار کرے گا اور جھٹلائے

بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرہ)

آیتوں کو جھٹلائے گا وہ دوزخی گروہ میں سے ہوگا ہمیشہ عذاب میں رہنے والا ۔

اس کے بعد بھی اس حقیقت کا اعادہ ہوتا رہا تاکہ انسان غافل نہ ہو جائے اور انبیاء و رسل کی بعثت خدا کی ایک ایسی سُنّت بن گئی۔ یہاں تک کہ کسی گمراہ و نافرمان قوم کی ہدایت و رہبری کے لیے جب تک کوئی رسول نہیں بھیجا گیا اور جب تک اُس نے تبلیغ کا حق پورا پورا ادا نہیں کر دیا، قوم اپنی بدعملی و گمراہی کی پاداش میں گرفتار نہیں ہوئی ـــــ ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰی مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْهِ اٰبَآءَكُمْ ۚ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ۝

(پ ۲۵ - سورہٗ الزخرف)

اور اسی طرح ہم نے تم سے پہلے کسی بستی میں کوئی ہدایت کرنے والا نہیں بھیجا، مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے کہا، ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم قدم بقدم انھیں کے پیچھے چلتے ہیں، پیغمبر نے کہا اگرچہ میں تمہارے پاس ایسا دین لایا ہوں کہ جس راستے پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا وہ اس سے کہیں سیدھا راستہ دکھاتا ہے، کہنے لگے تم جو (دین) دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔ تو ہم نے ان سے انتقام لیا، سو دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا ۔

اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو اس عذر کی گنجائش نہیں دی کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آتا اور ہماری ہدایت و رہنمائی کرتا تو ہم اپنی اصلاح کر لیتے اور اطاعت گذار و فرمانبردار بن جاتے ۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی ـــ

(پ ۱۶ - سورہٗ طٰہٰ)

اور اگر ہم انھیں اس (قرآن کے نزول) سے پہلے عذاب نازل کر کے ہلاک کر ڈالتے، تو یہ ضرور کہتے خدایا اس سے پہلے کہ ہم جلوہ عذاب سے ذلیل و رسوا ہوں تو نے ایک پیغمبر کیوں نہ بھیج دیا کہ ہم تیری آیتوں پہ چلتے اور ہلاک نہ ہوتے ۔

ایک مقام پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی وجہ اس طرح ارشاد فرمائی گئی ہے:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

(سورہٗ یٰسٓ)

تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو متنبہ نہیں کیا گیا تھا، متنبہ کر دو، وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ـــ

اگرچہ قریش اللہ کے رسول حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد سے تھے، لیکن ان میں ایک مدت سے کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا، اس بنا پر وہ یہ عذر کر سکتے تھے کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو جس طریقے پر پایا اس کی پیروی کی۔ ان کا یہ عذر دفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

ضرورتِ رسالت

انسان کی تخلیق کچھ ایسی نوعیت سے ہوئی ہے کہ وہ الگ الگ رہ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ اس بات پر مجبور ہے کہ اپنے دوسرے ہم جنسوں کے ساتھ مل جل کر رہے سہے۔ اس طرح رہنے کے لیے ایک ضابطہ اور قانون کی ضرورت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ضابطہ اور قانون کون بنائے؟ یہ ضابطہ اور قانون یا تو ایک شخص بنا سکتا ہے یا کچھ لوگ مل کر بنا سکتے ہیں، لیکن اتنے سے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں ملتا۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جماعت میں ایک شخص سب کے لیے ضابطہ اور قانون بنائے جس کی پابندی سب کے لیے ضروری ہو۔ تو آخر اس ایک شخص کے اتنے بڑے حق کو سب کیوں تسلیم کریں؟ اور اگر جماعت میں سے اسی عزم کے ساتھ دوسرا کھڑا ہو، تو یہی حق اُسے بھی کیوں نہ دیا جائے؟ اور اگر اسی طرح بہت سے لوگ قانون سازی کے دعوے دار بن کر کھڑے ہو جائیں تو ذرا سوچیے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ کوئی آئین و قانون تو وضع نہ ہو سکے گا البتہ قانون سازی کے مدعیوں اور ان کے حامیوں میں تصادم اور فساد برپا ہوگا، ساری اجتماعیت پاش پاش ہو جائے گی، اور اگر آپ یہ مانیں کہ یہ ضابطۂ زندگی جماعت میں سے ایک ہی شخص نہ بنائے گا بلکہ کچھ لوگ مل کر بنائیں گے لیکن اس صورت میں بھی وہی سوال پیدا ہوگا، جو پہلی صورت میں پیدا ہوا تھا، اور اس صورت میں بھی وہی خرابیاں سر اُٹھائیں گی جو پہلی صورت میں رونما ہوئی تھیں، یعنی سوال ہوگا کہ جماعت میں چند افراد کو سب کے لیے قانونِ زندگی بنانے کا کیا حق ہے؟ اسی جماعت میں کچھ دوسرے لوگ اُٹھیں گے اور اپنے لیے اسی حق کا مطالبہ کریں گے اور نتیجۃً پھر آپس میں اختلاف و تصادم اور جنگ و پیکار کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اب ایک صورت اور باقی رہ جاتی ہے۔ قانونِ زندگی بنانے سے پہلے ایک طریقۂ نمائندگی وضع کر لیا جائے، اس کے مطابق جماعت میں سے کچھ لوگوں کا بحیثیت نمائندہ انتخاب ہوگا، وہی منتخب لوگ زندگی کے دستور اور آئین بنائیں لیکن اختلاف و تصادم کا سد باب اب بھی نہ ہوگا، انتخاب خود باہمی نزاع و کشمکش کا ذریعہ بن جائے گا، اور یہ انتخاب چونکہ دائمی نہ ہوگا بلکہ محدود زمانے کے لیے ہوا کرے گا، اس لیے ہر نئے انتخاب کے موقع پر یہ اختلاف و تصادم نئے جوش و خروش سے سر اٹھایا کرے گا، پھر اس طرح کی کچھ دو ہی پارٹیاں نہ ہوں گی بلکہ جتنی ہی بڑی اجتماعیت ہوگی اُتنے ہی زیادہ افکار و نظریات اور اغراض و مصالح ہوں گے، لہٰذا اُتنی ہی زیادہ پارٹیاں ہوں گی۔ اور جتنی ہی زیادہ پارٹیاں ہوں گی اتنی ہی زیادہ کشمکش اور جنگ ہوگی۔ اگر اجتماعیت میں کوئی تعلیم اور بحث و نظر پھیلی اور اجتماعیت کافی مہذب و شائستہ بن گئی جب بھی اس سے [illegible] انتخاب کے [illegible] پھر قتال تک نوبت [illegible] اور [illegible] انسانی فطرت کے مطابق انسانی زندگی کی [illegible]

اقتدار و اختیار کی ہوس کاریوں کا تختۂ مشق بنی رہے گی ۔ یہی طریقہ کار جب اَور ملکوں میں بھی اختیار کیا جانے گا، اور وہاں بھی یہی صورتیں پیدا ہوں گی، وہ آپس میں حقیقی اتحاد و اتفاق قایم ہو سکے گا اور نہ کبھی یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے گی، پھر کسی وسیع بنیاد پر انسانیت کی تعمیر ممکن ہوگی، اقتدار و اختیار کی یہی ہوس اور اغراض و مقاصد کی یہی علت مختلف اقوام و ملل کی کشمکش کا باعث بنے گی اور جو تنازع و تصادم کبھی ایک قوم کی حد تک محدود تھا مختلف قوموں اور ملتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا ۔

یہ سب کچھ محض تخیل و تصوری نہیں ہے ۔ موجودہ دُنیا کا عام واقعہ ہے ۔ اس لیے مسئلۂ زیرِ بحث کا سمجھنا کسی کے لیے دُشوار نہیں ہو سکتا ۔

تمام دُنیا میں پھیلی ہوئی اس نا اتفاقی اور کشمکش کے دُور کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہو سکتا تھا کہ انسانی زندگی میں وحی و رسالت کو بنیادی حیثیت دی جاتی، اور تمام عالمِ انسانیت اپنی زندگی کے لیے خود طریقہ سوچنے، خود طریقہ وضع کرنے اور اُس پر چلنے چلانے کی بجائے خدا کے بھیجے ہوئے نظامِ زندگی کو قبول کرتا، اور اُسی پر کاربند ہوتا۔ اقوام و ملل کے اختلاف و تصادم کے دُور کرنے کا طریقہ اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا ۔

وحدتِ انسانیت کے لیے سب سے پہلی ضرورت وحدتِ اِلٰہ کی ہے، اور وحدتِ اِلٰہ کے بعد دوسری ضروری شے وحدتِ قانون ہے، اور وحدتِ قانون کے حصول کے لیے وحی و رسالت پر ایمان لانے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ۔

منکرین کی جہالت

وہ لوگ جو انسان کو وحی و رسالت سے بے نیاز سمجھتے ہیں اور جن کا خیال ہے کہ پیغمبرانہ تعلیم و ہدایت کے بغیر بھی انسان کو حقیقی فلاح و سعادت حاصل ہو سکتی ہے ۔ اُنھوں نے اس مسئلے پر پورا غور ہی نہیں کیا ہے ۔ انسان میں جو ایک حد تک خیر و شر کا تمیز موجود ہے اس کی بنا پر منکرینِ نبوت و رسالت نے یہ سمجھ لیا ہے کہ انسانی فطرت خود انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کافی ہے، اس میں شک نہیں کہ خدا نے انسانی فطرت کو نیک و بد میں فرق کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے، لیکن یہ صلاحیت بہت محدود ہے، اور یہ صرف اشارے کا کام کرتی ہے، تفصیل اور طریقہ کار کے لیے انسان فطری صلاحیت کے باوجود خارجی تعلیم و ہدایت کا محتاج ہے، اس کے علاوہ ایک بات اور ہے جس پر منکرین کی نظر نہیں ہے یا وہ دانستہ اس پر پردہ ڈالتے ہیں، آج انسانی علم و بصیرت اور اخلاق و عمل کا جتنا سرمایہ بھی پایا جاتا ہے اس کا ایک بڑا حصہ اسلاف سے ورثے میں ملا ہوا ہے، ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانے میں خدا کے پیغمبر آئے ہیں اور اُنھوں نے لوگوں کو نیکوکاری، پرہیزگاری، سچائی، راستبازی، خوش معاملگی، خوش کرداری، انصاف پسندی، محبت و اخوت اور ہمدردی و غمخواری کی ہدایت فرمائی ہے ۔ اور بدی، بدکاری، بددیانتی، بداخلاقی، بدمعاملگی، دروغ گوئی، دغا بازی اور بدعہدی کے مفاسد سے خبردار کیا ہے ۔ کیا منکرینِ نبوت و رسالت کہہ سکتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد نے اپنے آباؤ اجداد سے یہ باتیں نہیں سُنی تھیں؟ اور کیا خود منکرین نے اپنے آباؤ اجداد سے یہ باتیں نہیں سُنی ہیں؟ کیا وہ بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ صرف اپنی فطرت ہی کی زبان سے سُنا ہے ! درحقیقت یہ سب وحی و رسالت کا فیضانِ عام ہے ۔

برکاتِ رسالت

وحی و رسالت ہر زمانے میں انسان کے لیے خیر و سعادت کا باعث رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وحی و رسالت سراسر خیر و سعادت ہے۔ دُنیا میں جب کبھی خیر و سعادت پائی گئی اور جہاں کہیں پائی گئی وحی و رسالت ہی کا فیضان تھی، آج بھی جو کچھ ہے اُسی کا فیضان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی وحی و رسالت کو فضل و رحمت فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔ کہہ دو کہ (یہ کتاب) خدا کے فضل اور اُس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

(پ ۱۱- سورۃ یونس)

تاریخ گواہ ہے کہ کسی قوم میں جب تک پیغمبرانہ تعلیم و ہدایت موجود رہی اور لوگ خدا کے بھیجے ہوئے احکام و قوانین پر عمل کرتے رہے ان میں انسانیت کی ساری خوبیاں موجود رہیں، نیکوکاری و پرہیزگاری رہی، اخلاق و کردار رہا، دیانت و راستبازی رہی، حق و انصاف رہا، اُخوت و ہمدردی رہی، امن و امان رہا۔ لیکن جب لوگوں نے اپنے پیغمبر کی تعلیم و ہدایت سے روگردانی اختیار کر لی، اور خدا کے بھیجے ہوئے احکام و ضوابط کو ترک کر کے خود ساختہ طریقوں پر چلنا شروع کر دیا، تو وہ ہر طرح کی فلاح و سعادت سے محروم ہو گئے، ان میں ہر طرح کی علمی و اخلاقی خرابیاں پھیل گئیں۔ اور سارا ملک فتنہ و فساد اور فسق و فجور کا گہوارہ بن گیا۔

محرومی و بدبختی کے اس مرحلے پر پہنچنے کے بعد اس قوم کی حالت میں پھر اُسی وقت انقلاب ہوا جب اس میں خدا کا کوئی رسول مبعوث ہوا، اور اُس نے ربانی تعلیم و ہدایت اور پیغمبرانہ اعتماد و صلاحیت سے اس کی اصلاح و تربیت کی۔

وحی و رسالت کا معاملہ بالکل نزولِ باراں کا سا رہا ہے، بارش کے موسم کے بعد تر و تازگی کی بجائے بے رونقی و خشکی ترقی کرنے لگتی ہے، درختوں اور پودوں کی شادابی میں کمی ہو جاتی ہے، برگ و بار کی آرائش ختم ہو جاتی ہے، سبزہ زار جنگل بیابان بن جاتے ہیں، بارش کے زمانے میں جا بجا جو پانی جمع ہو جاتا ہے وہ بھی خشک ہو جاتا ہے، موسم کی گرمی تکلیف دہ ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے، ہر طرف خاک اُڑنے لگتی ہے، سماں ہولناک بن جاتا ہے، آنکھیں [illegible] و شادابی کو ترس جاتی ہیں [illegible] بالکل مُردہ ہو جاتی ہے، معلوم ہوتا ہے اس [illegible]

اور پیاسندہ کبھی سبز ہو چلی ہے۔ یہ زمانہ بڑا صبر آزما ہوتا ہے، ہر قلب بارش کے لیے مضطرب ہو جاتا ہے اور ہر آنکھ سبزی اور طراوت کے لیے بے قرار ہو جاتی ہے، نگاہیں ہر وقت فضا میں ابر تلاش کرتی رہتی ہیں۔

موسم کی اس شدت و سختی کے بعد ایک روز اُفق پر گھٹائیں نظر آتی ہیں، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں، اور بارش کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ بارش کے فیضان سے مُردہ زمین پھر زندہ ہو جاتی ہے، چٹیل میدان سبزہ زار بن جاتے ہیں، خشک اور برہنہ درختوں میں ہری ہری کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں، پھول پھل آنے لگتے ہیں، نئے نئے پودے اُگ آتے ہیں، کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، ہر طرف جل تھل ہو جاتا ہے، زمین خیر و برکت سے مالا مال ہو جاتی ہے، آنکھوں کے لیے پھر جنت کا سماں پیدا ہو جاتا ہے، اور دلوں کے لیے سکون و مسرت کا سامان فراہم ہو جاتا ہے۔

کسی قوم سے رسول کی تعلیمات اُٹھ جانے کے کچھ عرصہ بعد وہی حالت اس قوم کی ہوتی ہے جو بارش کے موسم کے بعد زمین کی ہو جاتی ہے۔ لوگ پیغمبرانہ تعلیم و ہدایت کو چھوڑ دیتے، اور خدا کے بھیجے ہوئے احکام و قوانین کو ترک کر کے اپنے بنائے ہوئے قانون اور ضابطے پر عمل کرنے لگتے، یہ قانون اور ضابطے کون لوگ بناتے؟ مٹھی بھر اونچے طبقے کے اہل سرمایہ اور جاگیردار، جن کے ہاتھوں میں امارت و ریاست کی باگ ڈور ہوتی، یہ لوگ غریبوں اور کمزوروں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر ان کو اپنا محکوم بنا لیتے، لوگوں کے دلوں سے خدا کا خوف اور آخرت کا عقیدہ دُور ہو جاتا، وہ پوری بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ ظلم و فساد میں سرگرم ہو جاتے، انسانیت و شرافت، دیانت و خوش معاملگی، محبت و اخوت اور حق و انصاف کا نام باقی نہ رہتا، قوم کی قوم خیر و سعادت سے محروم ہو جاتی، اوّل تو خیر و شر کا امتیاز ہی مٹ جاتا، اور کسی میں اصلاحِ حال کا احساس ہی باقی نہ رہتا، اور اگر بے دینی و معصیت کے اس طوفان میں کسی دل میں نیکی و سعادت کی طلب بھی پیدا ہوتی تو اُس کی تسکین کا کوئی ذریعہ موجود نہ ہوتا، اس طرح انسانیت کی محرومی و بدبختی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی تو خدا کی رحمت پھر حرکت میں آتی، دینِ حق اور حیاتِ صالحہ کی تجدید و اصلاح کے لیے خدا پھر اپنا کوئی رسول بھیجتا، اور خدا پرستی و نیک عملی کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ پھر شروع ہو جاتا، ایمان و عمل کی تشنہ روحیں اس دعوتِ خیر و صلاح کو لبیک کہتیں، دلوں کی کھیتیاں پھر سبز و شاداب ہو جاتیں، خدا پرستی اور نیک عملی کے باغ میں نئی بہار آ جاتی، اخلاق و تقویٰ کے شجر برگ و بار سے لد جاتے، اور گناہ و معصیت کے خار و خس جن کو ایمان و عمل کی بہار و تازگی کا یہ موسم راس نہ آتا، نیست و نابود ہو جاتے۔

واقعات و شواہد

انسان کے اخلاق و عمل کا سرچشمہ اُس کا ایمان و اعتقاد ہے، توحید الٰہی اور رسالت کے سچے اعتقاد سے تقویٰ اور عملِ صالح کی سوتیں پھوٹتی ہیں، اور کفر و شرک کا عقیدہ انسان کو فسق و فجور، ظلم و فساد اور انسانیت کُشی کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم شرک [illegible] ہو گئی تھی اس لیے [illegible] ہر طرح کی معاشرتی خرابیاں پھیل گئی تھیں، سرمایہ داری، قوت پرستی [illegible]

دولت مند اور جاگیردار، لوگ محنت و مزدوری کر کے زندگی گزر کرنے والوں کو نہایت ذلت و حقارت سے دیکھتے تھے مختصر سے گروہ نے پوری قوم کو انسانیت کے حقوق و مراتب سے محروم کر دیا تھا، اور بتوں کے نام سے عوام پر ظلم ڈھا رہا تھا۔ انسانیت کے لیے یہ کتنی بڑی مصیبت تھی۔ اسی حالت میں حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے، آپ نے اپنی قوم کو توحید و رسالت کی دعوت دی اور کفر و بت پرستی سے منع فرمایا، تو رئیسوں اور بڑے بڑے لوگوں نے کہا: تم پر ایمان لانے والوں میں سب کے سب عوام اور پست درجے کے لوگ ہیں، اس لیے ہم تمھاری پیروی کس طرح کر سکتے ہیں؟ تم انھیں اپنے پاس سے علیحدہ کر دو، تو ہو سکتا ہے کہ ہم تمھاری دعوت پر غور کریں۔

کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کچلی ہوئی انسانیت کے لیے باعث رحمت نہ تھی؟

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آپ کی نسل میں عاد اور ثمود دو مشہور قومیں گزری ہیں۔ یہ لوگ اُن مؤمنین صالحین کی اولاد سے تھے، جن کو خدا نے طوفانِ نوح سے نجات دی تھی۔ لیکن آگے چل کر یہ لوگ بھی اعتقادی و عملی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے قومِ عاد میں حضرتِ ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، اور قومِ ثمود کی ہدایت کے لیے حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ قرآنِ مجید میں جابجا ان دونوں قوموں کے اعتقادی اور عملی فسادات کی نشان دہی کی گئی ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۔

جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے، اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ خدا جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے، اور وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے۔

(پ ۲۴ — سورۂ سجدہ)

ثمود کے بارے میں فرمایا:

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۔ (پ ۱۹ — سورۂ شعرا)

اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی پیروی نہ کرو جو ملک میں فساد کرتے ہیں، اور اصلاح نہیں کرتے۔

علاوہ ازیں سرکش اور متکبر لوگوں کی ہلاکت دنیا بھر کے عام اور غریب بندگانِ خدا کے لیے رحمت کا باعث تھی جو خدا پرستانہ زندگی گزارنے کے خواہش مند تھے اور جن میں ابھی انسانیت اور خیر و سعادت کا فقدان نہ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت ایک عالم کے لیے رحمت تھی۔ آپ کی ذات خیر و سعادت کی وہ روشن شمع تھی کہ عراق و شام اور عرب کا ذرہ ذرہ آپ کی ہدایت سے جگمگا اٹھا۔ آپ کی رسالت سے انسانیت کو جو عظیم فیض پہنچا [illegible]

اُن کو قرآن مجید میں ایک مقام پر جامعیت کے ساتھ اس طرح بیان کر دیا ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ
وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَ
هٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ
وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى
وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَ
يُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا
فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ وَمِنْ
اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ
وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (پ۔ سورۂ انعام)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب جیسی اولاد دی
اور ہر ایک کو راہِ راست دکھائی، اور اس سے پہلے
ہم نے نوح کو بھی ہدایت عطا کی تھی، اور ابراہیم ہی کی اولا
سے ہم نے داؤد، سلیمان اور ایوب اور یوسف ا
موسٰی اور ہارون کو ہدایت دی، اور اسی طرح ہم نیک
کاروں کو اُن کی نیکی کی جزا دیتے ہیں، اور (اُسی کی
سے) زکریا، اور یحیٰی اور عیسٰی اور الیاس (کو بھی راہ پا
کیا) کہ ان میں ہر ایک نیک عمل تھا (پھر اُسی خاندان کے
اسمٰعیل، الیسع اور یونس اور لوط کو راستہ دکھا
اور ان میں سے ہر ایک کو تمام دُنیا پر فضیلت دی
نیز ان کے آباؤ اجداد اور ان کی اولاد اور ان کے
بھائی بندوں میں سے بہتوں کو ہم نے نوازا، چن لیا
اور سیدھے رستے کی طرف ان کی رہنمائی کی ۔

حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی اصلاح و ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے وہ دوسری خرابیوں کے سا
دو خاص بدعملیوں میں مبتلا تھی۔ جن کو قرآن مجید نے اس طرح ذکر فرمایا ہے:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ
لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ
بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ
وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَتَاْتُوْنَ
فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ
(پ ۲۰۔ سورۂ عنکبوت)

اور لوط (کا واقعہ یاد کرو) جب انھوں نے
اپنی قوم سے کہا کہ تم وہ فحش (فعل) کرتے ہو جس
ارتکاب تم سے پہلے تمام جہان میں سے کسی قوم
نہیں کیا، آیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لونڈوں سے
نفسانی خواہش پوری کرتے ہو، اور رستا قزاقی
ڈالتے ہو، اور اپنی مجلسوں میں بُری حرکتیں کرتے

اس قوم کی بے حیائی و بدکاری اس درجہ ترقی کر گئی تھی کہ اس کی بستی میں کسی خوبصورت لڑکے کا آبرو کے ساتھ رہنا
کو محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ جب خدا کے فرشتے انسانی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے کہ

اس بدکار قوم کو نیست و نابود کر دیں جس کے گناہوں کا بوجھ خدا کی زمین کے لیے ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام ان کو پہچان نہ سکے' اس لیے وہ ان کی حسین و پاکیزہ صورتوں کو دیکھ کر بڑی فکر میں پڑ گئے کہ ان کی قوم کے بداخلاق لوگ ان کے مہمانوں کی آبرو ریزی کیے بغیر نہ رہیں گے' آپ کا یہ اندیشہ بالکل درست ثابت ہوا' بستی والوں کو جیسے ہی خبر ہوئی وہ حضرت لوط علیہ السلام کے مکان کی طرف دوڑ پڑے۔ نتیجہ کیا ہوا؟

یہ بدکار اور سرکش لوگ نیست و نابود کر دیے گئے اور حضرت لوط علیہ السلام کی نبوت کے اقرار کے طفیل ان نیک اور شریف لوگوں کو امن و امان حاصل ہو گیا جن کی آبرو اور جان و مال کے لیے ہر وقت خطرہ موجود رہتا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے دولت مند اور سرمایہ دار لوگ جن کے قبضے میں ملک کی تجارت اور خرید و فروخت تھی بے دیانتی و بدمعاملگی میں حد سے گزر گئے تھے۔ ان کا خدا اور یومِ آخرت پر سچا عقیدہ نہیں تھا' اگر وہ خدا کو مانتے بھی تھے تو اپنے کاروبار میں اس کا کوئی دخل تسلیم نہ کرتے تھے۔ ان کو ایسے خدا کے ماننے سے قطعی انکار تھا جس کے احکام مال و زر کے کسب و حصول کے معاملے میں مداخلت کریں۔ انھوں نے لین دین کے لیے دو طرح کے پیمانے اور باٹ بنا رکھے تھے' لینے کے لیے ایسے جن سے وہ زیادہ لے سکیں' اور دینے کے لیے ایسے جن سے ان کو دینا کم پڑے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان لوگوں کو خدا پرستی کی دعوت دی' اور فہمائش کی کہ لین دین میں تم نے جو یہ ناجائز طریقہ اختیار کر رکھا ہے اسے ترک کرو' حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا جواب قرآن مجید میں ایک مقام پر اس طرح مذکور ہے:

يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ	اے میری قوم کے لوگو! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ
وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا	پوری کیا کرو' اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو'
النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا	اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو' اگر تم مومن ہو تو
فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ	اللہ کی دی ہوئی جو بچت ہے وہی تمھارے لیے بہتر ہے
اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝	میرا کام تمھیں سمجھا دینا ہے' میں کچھ تم پر نگران نہیں
وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ قَالُوْا	ہوں۔ لوگوں نے کہا اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے
يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ	یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں
اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ	جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں'
نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ	اور یا ہم اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں تصرف نہ کریں'
لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝	بے شک تو ہی ایک فراخ دل اور راستباز رہ گیا ہے۔

(پارہ ۱۲ — سورۂ ہود)

[illegible] تباہ ہوئے اور نیکوں کو ان کی بدعنوانی اور بدمعاملگی سے نجات ملی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت بنی اسرائیل جیسی عظیم الشان قوم کی نجات اور فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کی باعث ہوئی جس کا ظلم و فساد ضرب المثل تھا۔ قرآنِ مجید میں ایک مقام پر فرعون کے ظلم اور بنی اسرائیل کی بیت و بے چارگی کا ذکر اس طرح آیا ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝

(پ ۲۰۔ سورہ قصص)

فرعون سرزمینِ مصر میں سرکش ہو رہا تھا۔ اُس نے وہاں کے باشندوں کو متعدد گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا، ان میں سے ایک گروہ کو اس نے کمزور بنا رکھا تھا، اس گروہ میں جو بیٹے پیدا ہوتے اُن کو وہ ذبح کر ڈالتا اور جو لڑکیاں پیدا ہوتیں اُن کو زندہ چھوڑ دیتا، بے شک وہ مفسدین میں سے تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو سرزمین (مصر) میں کمزور کر دیے گئے تھے اور ان کو پیشوا بنا دیں، اور وارث ٹھہرا دیں، اور زمین میں ان کو قوت و استحکام عطا کریں، اور ان کے ذریعے فرعون اور ہامان اور ان کی افواج کو وہ بات دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے رہتے تھے۔

خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام عالم کے لیے رحمت تھی، اور قیامت تک کے لیے رحمت ہے۔ آں حضرت کی بعثت سے پہلے عربوں کی کیا حالت تھی! اور آں حضرت کی رسالت کے طفیل اُن کی کیا حالت ہو گئی، دُنیا کی قابلِ ذکر قوموں میں ان کا کوئی شمار نہ تھا۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ تعلیم و تربیت اور ہدایت و رہنمائی نے ان کو اقوامِ عالم کا امام و پیشوا بنا دیا، وہ شام، فارس، افریقہ اور یورپ جہاں بھی گئے عقائد و اعمال، اخلاق و تمدن، علم و فن، سب ہی کا پلٹ کر رکھ دیا، اور ہر جگہ کچلی ہوئی اور پامال انسانیت کو زندہ کر دیا +

اِن شاء اللہ دو باتیں یاد رہیں

(۱) آئندہ رسالہ ۱۵ر فروری ۱۹۵۱ء کو شائع ہوگا اس وقت تک رسالت نمبر کو دل لگا کر پڑھیے اور دوسروں کو ...

(۲) الحسنات کا آئندہ خاص نمبر "رسول نمبر" ہوگا جس میں سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ... ہوگا۔

جناب مولانا سید حامد علی صاحب

رسول پر ایمان لانے کے بعد!

مسلمان اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ قرآن پاک کو اللہ کی آخری کتاب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری رسول مانتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کم ہی کو یہ معلوم ہے کہ اس ایمان و یقین کے تقاضے کیا ہیں۔ آج کی صحبت میں ہم یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ کسی ہستی کو اللہ کا رسول ماننے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ معلوم ہو جائے گی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر کیا حقوق ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر انسان کے پاس آکر اُسے اپنی مرضی نہیں بتاتا، وہ اس کام کے لیے اپنے کچھ بندے منتخب کر لیتا ہے، اُن پر اپنا دین نازل فرماتا ہے، اُن کو اپنی مرضی سے آگاہ کرتا ہے اور اُن کو یہ عظیم الشان کام سپرد کرتا ہے کہ وہ اللہ کے بندوں تک اللہ کا قانون بے کم و کاست پہنچا دیں، اللہ کے باغیوں کو بغاوت کی راہ سے ہٹا کر اطاعت کی راہ پر لگا دیں اور نفس و خواہشات کے بندوں کو اللہ کا بندہ بنا دیں۔ ان ہی برگزیدہ بندوں کو اللہ کا رسول مانتے ہیں اور جو لوگ بغاوت و بندگیٔ نفس سے مُنھ موڑ کر اللہ کی بندگی و اطاعت کرنے کے لیے اللہ کے ان بندوں پر ایمان لے آتے ہیں، انھیں مومن و مسلم کہتے ہیں۔ رسول پر ایمان لانے کے تقاضے کیا ہوتے ہیں ہم تشریح کے ساتھ نمبروار ان کو بیان کریں گے:

۱۔ رسول کی حقانیت

مومن اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ وہ حق و باطل، غلط و صحیح، جائز و ناجائز اور مفید و مُضر کے معلوم کرنے میں اپنی ناقص عقل پر بھروسہ نہیں کرتا، باپ دادا کے رسم و رواج کو معیار نہیں بناتا، انسانوں کے عام رجحان اور زمانے کے چلتے ہوئے قوانین کو بھی تسلیم نہیں کرتا، وہ اپنے ذوق، اپنے خیالات و نظریات اور اپنی خواہش کو بھی سند نہیں مانتا۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ۔ اور حق وہی ہے جو اللہ کی طرف سے اُس کے رسولوں کے پاس آئے۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ (آپ کہہ دیں کہ یہ حق ہے جو تمھارے رب کی طرف سے آیا ہے) وہ یہ بھی جانتا ہے کہ حق کے خلاف جو کچھ ہے باطل اور گمراہی ہے فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ہر طرف سے کٹ کر اللہ کے رسول کی طرف رجوع کرتا ہے اور نبی کی تعلیمات و ارشادات اور سیرت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ وہ یہ معلوم کرنے میں تو اپنی پوری عقل و قوت صرف کر دیتا ہے کہ فلاں شخص اللہ کا رسول ہے یا نہیں لیکن جب اسے اس بات کا بالکل اطمینان ہو جاتا ہے

"وہ اللہ کا رسول ہے تو وہ بے چون وچرا ہر اُس بات کو حق اور صحیح مان لیتا ہے جسے رسول حق اور صحیح بتائے اور ہر اُس بات کو بلا تامّل باطل تسلیم کر لیتا ہے جسے اللہ کا رسول باطل فرمائے۔ اگر ایک بات اُس کی ناقص عقل میں نہیں آتی تو نہ آئے اُس کے نزدیک اس کے صحیح ہونے کا سب سے بڑا اور قطعی ثبوت یہی ہے کہ وہ اللہ کے رسول سے ثابت ہے۔ یہی بات ہے جو قرآن کریم میں اس طرح فرمائی گئی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۔

وہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے جو کچھ کہتے ہیں وحی سے کہتے ہیں جو اُن پر نازل ہوتی ہے۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

جب اللہ اور اُس کا رسول کوئی فیصلہ فرما دیں تو کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار نہیں رہتا۔

یہی حقیقت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں اس طرح ارشاد فرمائی ہے۔

تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ (موطا)

میں تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑے جا رہا ہوں جن کو اگر تم مضبوطی سے تھامے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سُنّت (طریقہ)

معلوم ہوا کہ قیامت تک کے لیے حق کا معیار اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی احادیث اور سیرت ہیں جب تک مسلمان اُن پر مضبوطی سے جمے رہیں گے، ہرگز گمراہ نہ ہوں گے، اور جتنا بھی اُن سے انحراف کریں گے اُتنا ہی گمراہی میں بڑھتے چلے جائیں گے۔

یہ پہلی کسوٹی ہے جس پر ہر مسلمان اپنے ایمان کی جانچ کر سکتا ہے۔

۲۔ رسول کی اطاعت

اوپر آ چکا ہے کہ مؤمن کی زندگی کا مقصود اللہ کی بندگی و اطاعت ہے اور یہ کہ اللہ اپنے قانون اور اپنی مرضی سے ہر ایک کو آگاہ نہیں کرتا، بلکہ اپنے رسولوں کو اپنی مرضی کا نمائندہ اور اپنے قانون کا حامل بناتا ہے۔ اس لیے ایک مومن کو اگر اللہ کی بندگی کرنی ہے تو اس کا طریقہ صرف یہی ہے کہ اللہ کے رسولوں پر ایمان لایا جائے۔ اور رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کی مکمل اطاعت و پیروی کی جائے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ....

ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں اس لئے بھیجے ہیں کہ اُن کی اطاعت کی جائے اور یہ اللہ کا اذن ہے.....

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى
يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ
لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا
قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (سورۂ نساء)

پس قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ہرگز مومن نہ ہوں گے
جب تک کہ ایسا نہ ہو کہ وہ آپس کے تمام جھگڑوں میں آپ کو
حکم بنائیں پھر جو کچھ آپ فیصلہ فرمادیں اُس سے اپنے دلوں
میں کوئی تنگی نہ پائیں اور اپنے آپ کو بالکل حوالہ کردیں

ان آیات سے اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ رسولوں کو بھیجنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کی اطاعت و پیروی کی جائے اور جن معاملات میں اختلاف و نزاع ہو خواہ وہ دُنیوی معاملات ہوں یا دینی معاملات ان میں اللہ کے رسول ہی کی طرف رجوع کیا جائے، اور انھیں سے اختلاف کا فیصلہ کرایا جائے یہ ایمان کا کھُلا ہوا تقاضا ہے۔ پھر ایک مومن کا فرض یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول جو فیصلہ بھی کریں خواہ وہ کوئی بھی فیصلہ ہو اور خواہ وہ اُس کے ذوق، اُس کی خواہش اور اُس کے مفاد کے کتنے ہی خلاف کیوں نہ ہو، فیصلے کو سُننے کے بعد دل میں کوئی ناگواری اور تنگی محسوس نہ کرے، دل کی پوری آمادگی کے ساتھ اسے قبول کرلے، اور اپنے آپ کو اس فیصلے کے ہاتھ میں اس طرح دے دے کہ جو اس کا مطالبہ ہو اُسے پورا کرنے میں فوراً لگ جائے۔ قرآن پاک قطعی الفاظ میں صراحت کرتا ہے کہ اگر کسی مومن میں یہ کیفیت نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں حقیقی ایمان موجود نہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو مطلوب ہے۔ یہی بات سورۂ نور میں اور زیادہ وضاحت سے فرمائی گئی ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ
وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا دُعُوْٓا
اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ
بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ
الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝
اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا
اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

وہ کہتے ہیں ہم اللہ اور رسول پر ایمان لے آئے
اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر ان میں سے ایک گروہ
اس کے بعد اطاعت سے مُنہ موڑلیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے
کہ یہ لوگ سرے سے ایمان ہی نہیں رکھتے، اور جب انھیں
اللہ اور اس کے رسول کی طرف بُلایا جاتا ہے تاکہ اللہ
کا رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں کا
ایک گروہ روگردانی کرنے لگتا ہے، اور اگر حق انھیں
کو ملنے والا ہو تو وہ گردن جھکائے رسول کے پاس چلے
آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا کیا
یہ شک میں مبتلا ہیں، یا کیا انھیں یہ اندیشہ ہے کہ اللہ
اور اس کا رسول ان پر ظلم کررہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے
کہ یہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔

کتنے صاف الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ وہ لوگ سرے سے مومن نہیں ہیں جو ایمان واطاعت کے دعوے کرنے کے بعد اطاعت سے دانستہ اعراض کرتے ہیں اور بُلائے جانے کے باوجود اللہ کے رسول سے یصلہ کرانے پر آمادہ نہیں ہوتے، البتہ وہ رسول کی پیروی اس وقت بڑے شوق سے کرتے ہیں جب اُن کا مفاد اس پیروی میں مُضمر ہوتا ہے۔ قرآن نے کہا کہ ایسے لوگوں کے دلوں میں یا تو نفاق کی بیماری پرورش پا رہی ہے، یا وہ تذبذب کی کیفیت میں مبتلا ہیں، یا انھیں اللہ پر اور اُس کے رسول پر اعتماد نہیں، اور ظاہر ہے کہ ان تمام باتوں کا ایمان سے کوئی جوڑ نہیں۔

اس حقیقت کو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ۔

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کی خواہشات ان احکام کے تابع نہ ہو جائیں جنھیں میں لایا ہوں۔

كُلُّ اُمَّتِیْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی، قِيْلَ وَمَنْ اَبٰی، قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی۔

میری اُمّت کے تمام افراد جنّت میں داخل ہوں گے بجز اُن کے جو میرا انکار کریں گے، پوچھا گیا، آپ کا انکار کرنے والے کون ہیں؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنّت میں ضرور داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے وہی میرا انکار کرنے والا ہے۔

یہ دوسرا معیار ہے جس پر ہمیں اپنے دعوئ ایمان کو پرکھ کر دیکھنا چاہیے اور ہم میں سے ہر ہر شخص کو بار بار اس کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ کیا واقعی ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کرتے ہیں، کیا سچ مچ ہم تمام امور و نزاعی معاملات میں اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سُنّت ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور کیا ایسا کرتے وقت حقیقتاً ہم اپنے ذوق، اپنے نظریات اور اپنے مفادات سے قطع نظر کر لیتے ہیں اور پوری دیانتداری و خلوص سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کا اور اُس کے رسول کا واقعی فیصلہ کیا ہے، اور کیا فیصلے کے سامنے آجانے کے بعد ہم واقعتہً ہر حال میں اُس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں، اور اس کی تاویل کیے بغیر پوری خوشی سے اُس کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں۔ اگر یہ کیفیت ہم میں موجود ہے تو یقیناً ہم اپنے دعوئ ایمان میں سچے ہیں، اور اگر اس میں کچھ کسر ہے تو یقین رکھنا چاہیے کہ اتنی ہی کسر ہمارے ایمان میں ہے، اور ہمیں اس کسر کے پورا کرنے کی سب سے پہلے فکر کرنا چاہیے۔

۳۔ رسول کی محبت } یہ رسول پر ایمان لانے کا تیسرا تقاضا ہے۔ اور تھوڑے سے غور و فکر کے بعد

حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ یہ ایمان بالرسالت کا لازمی نتیجہ ہے۔ محبت کے دو ہی محرک ہوتے ہیں؛ احسانات اور صفاتِ کمال۔ جو شخص ہم پر احسانات کرتا رہتا ہو، اُس سے ہم محبت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور ہم اپنے دل کو اُس کے لیے جذباتِ شکر سے معمور پاتے ہیں، اسی طرح جس شخص کے اندر ظاہری و باطنی خوبیاں ہوں اور جو حُسنِ صورت و سیرت رکھتا ہو اُس کی طرف ہم اپنے دل کو کھنچا ہوا محسوس کرتے ہیں، یعنی دوسرے الفاظ میں ہم اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ یہ بات اگر صحیح ہے اور اس کے صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تو یہ ایک حقیقت ہے کہ محبتِ حقیقی کا مرکز باری تعالیٰ ہے اور انسان کو سب سے زیادہ اُسی سے محبت ہونی چاہیے۔ انسان کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم کا فیض ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی تمام عمدہ صفات، ہر قسم کے کمالات اور ہر طرح کے حُسن و جمال کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مومن جو اللہ کے احسانات کو جانتا اور اُس کے "اسمائے حسنیٰ" کا علم رکھتا ہے سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ، ایمان والے اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں۔

اللہ کے بعد ایک مومن سب سے زیادہ اللہ کے رسول سے محبت کرتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ دُنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت یہ ہے کہ انسان کو دُنیا کی نعمتوں کا صحیح استعمال اور دُنیوی زندگی کا صحیح مصرف معلوم ہو۔ اور آخرت کی دائمی و بے پایاں نعمتوں کے حصول کے طریقے معلوم ہوں، یہ نعمت جس انسان کے ذریعے تمام انسانوں کو حاصل ہوتی ہے وہ اللہ کا رسول ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ کا رسول اللہ کے بعد انسانوں کے لیے محسنِ اعظم ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر ایک مومن اپنے دل کو رسول کے لیے وفورِ محبت سے معمور پاتا ہے کہ اللہ کا رسول اس عظیم ترین نعمت و رحمت کو نادان انسانوں تک پہنچانے میں ہر طرح کی زحمتیں اُٹھاتا ہے، جن انسانوں کو وہ اس نعمت سے مالا مال کرنا اور اللہ کی رحمت سے بہرہ اندوز کرنا چاہتا ہے، وہی اس کے سخت دشمن ہو جاتے ہیں، اور وہ تمام دشمنیوں اور مخالفتوں کے باوجود اپنے دشمنوں کو اس عظیم ترین نعمت سے مالا مال کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اپنی پوری عمر اس میں کھپا دیتا ہے۔ پھر اللہ کے سوا کسی سے اس کا کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ ایسے محسن ہم کہاں پا سکتے ہیں، اور ایسے محسن سے محبت کیے بغیر ہم کیسے رہ سکتے ہیں۔

پھر ایک مومن جب یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ کے آخری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے ہمیں جو شریعت ملی ہے وہ آخری بھی ہے مکمل ہے، دائمی ہے، محفوظ ہے اور اس کے محفوظ رہنے کا وعدہ کیا گیا ہے اور اس کی عملی تشریح کے لیے رسول پاک کی سیرت محفوظ شکل میں موجود ہے، اور یہ نعمتیں اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعے حاصل ہوئیں تو وہ اور بھی زیادہ اپنے اس محسنِ اعظم سے محبت کرنے لگتا ہے۔

پھر جب وہ اللہ کے رسول کی سیرت دیکھتا ہے تو وہ ہر گوشے اور ہر پہلو سے اُسے کمال کے آخری درجے پر پاتا ہے۔ رسول کی زندگی کا ہر رُخ اس حُسن و جمال اور اس خوبی و کمال سے اس کے سامنے آتا ہے کہ وہ اُس سے انتہائی محبت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور رسول کی حیات کو کمالِ انسانیت کا آخری اور مکمل نمونہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہتا۔

ایک مومن یقین رکھتا ہے کہ اللہ اس کا حقیقی محسن و رب ہے، رحمٰن و رحیم ہے، رؤف و ودود ہے اور تمام صفاتِ کمال کا سرچشمہ ہے اور اللہ کا آخری رسول اللہ کے بعد اس کا سب سے بڑا محسن ہے، رؤف و رحیم ہے اور صفاتِ کمال و جمال کا بہترین پیکر اور انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ۔ اس لیے اس کے اس ایمان کا صریحی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ سے اور پھر اللہ کے رسول سے محبت کرے۔ اور یہی بات ہے جو قرآن پاک میں اس طرح فرمائی گئی ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (احزاب)

نبی اہلِ ایمان سے خود اُن کی اپنی ہستی سے بھی زیادہ قریبی تعلق رکھنے والے ہیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (توبہ)

تمھارے پاس خود تم میں سے رسول آئے ہیں، جنھیں تمھاری تکلیف بہت گراں گزرتی ہے، جو تمھارے بہت بڑے ہی خواہ ہیں، جو اہلِ ایمان پر انتہائی شفیق اور مہربان ہیں۔

ایک مومن کو سب سے زیادہ اللہ سے اور اُس کے رسول سے محبت کرنی چاہیے اور تمام محبتوں کو اُس کی محبت پر قربان کر دینا چاہیے، یہ بات کتنے زور اور کتنی وضاحت کے ساتھ اس آیت میں فرمائی گئی ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ (توبہ)

کہہ دیجیے (اے نبی) اگر تمھارے باپ، تمھارے بیٹے تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارے خاندان، وہ دولت جو تم نے کمائی ہے، وہ تجارت جس کے مندے پڑ جانے کا ڈر ہے اور وہ گھر جو تمھیں پسند ہیں، تمھیں اللہ سے، اُس کے رسول سے اور اُس کی راہ میں جدوجہد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (تمھارے بارے میں) اپنا فیصلہ (عذاب کا) صادر فرمائے۔ اور اللہ اُن لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو اُس کی حکم عدولی کرنے والے ہیں۔

یہی بات ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمائی ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ

تم میں سے کوئی آدمی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا

حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔

جب تک کہ میں اُس کے باپ، اُس کی اولاد، اور تمام انسانوں سے زیادہ اُسے محبوب و عزیز نہ ہوں (بخاری و مسلم)

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَّكْرَهُ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ ۔

تین باتیں ہیں کہ اگر وہ کسی کے اندر ہوں تو ان کی وجہ سے وہ ایمان کی حلاوت پالے گا۔ ایک یہ کہ اللہ اور اُس کا رسول اُس کو باقی سب سے زیادہ محبوب ہوں، اور جو کسی بندے سے محبت صرف اللہ کے لیے کرے، اور جسے کفر کی حالت میں لوٹ جانا جبکہ اللہ نے اُسے نجات بخش دی، اتنا ہی ناگوار ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا (بخاری و مسلم)

ان آیات و احادیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ محبت رسول ایمان کا بنیادی تقاضا ہے، وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس محبت کے نتائج کیا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محبت کا مرکز اگرچہ دل ہے مگر محبت کسی کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو اُس کی پوری زندگی اُسی رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ محبتِ رسول کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی تمام مرغوبات اور ساری محبوب چیزیں نبی کی خوشی پر نثار کردے۔ وہ رسول کے احکام کی پیروی صرف فرض سمجھ کر ہی نہ کرے بلکہ رسول کی پیروی اُسے مرغوب و محبوب ہو۔ اُس کا سینہ شوقِ اتباع سے لبریز ہو، اور اُس کا دل عشقِ اطاعتِ رسول سے معمور۔ اسے دھن ہو تو اس کی کہ اس کا محبوب رسول اس سے راضی ہو، اور فکر ہو تو اس کی کہ اس کے اشارہ وابرو پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا جائے۔ یہ ہے محبتِ خدا و رسول، اگر محبت کا یہ اثر ظاہر نہ ہو تو محبت کا دعویٰ غلط ہے۔ مندرجۂ بالا آیات و احادیث سے یہی کچھ واضح ہوتا ہے، اور مندرجۂ ذیل آیات بھی اس کی تائید کرتی ہیں:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (آلِ عمران)

(اے نبی) کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمانے لگے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا اور اللہ درگذر فرمانے والا اور مہربان ہے۔ آپ کہہ دیجیے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ تو اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو (معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

محبتِ رسول کا دوسرا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مومن کو رسول کی سیرت کا ہر ہر گوشہ محبوب ہو، یہ معلوم کرنے کا شغف ہو کہ رسول کیا پیغام لائے تھے اور ان کی زندگی کے مختلف پہلو کیا تھے، اس کی نظر میں رسول کی شخصیت محبوب ترین

حیثیت ہو، رسول کی ہر بات، ہر فعل اور ہر حرکت و سکون اس کے دل میں جگہ کرتے اور اس میں نقشِ محبت ثبت کرتے ہوں اسے ہر چھوٹے بڑے کام میں اسوۂ رسول کی تلاش ہو اور جب اسوہ اسے مل جائے تو بے تابی اور وارفتگی کے ساتھ اس کی تقلید میں لگ جائے، اور اس تقلید و اتباع میں اگر اس پر مصائب و مشکلات کا ہجوم ہو تو وہ اس کی پروا کیے بغیر اپنی محبت و شوق کے تقاضے پورے کیا چلا جائے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (احزاب)

یقیناً اللہ کے رسول میں تم لوگوں میں سے ان کے لیے عمدہ قابلِ تقلید نمونہ ہے جو اللہ کا امیدوار ہو آخرت کا طالب ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو،

یہ سورۂ احزاب کی ایک آیت ہے، یہ سورت غزوۂ خندق جیسے صبر آزما اور ہوش ربا غزوہ کے بعد نازل ہوئی تھی، اس آیت کے بعد کی آیات میں پوری تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایک مومن نازک ترین حالات میں بھی رسول کی محبت کا حق ادا کرتا ہے اور جان جوکھم میں بھی اسوۂ رسول کی والہانہ پیروی کرتا ہے۔

محبتِ رسول ہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول جس مقصد کے لیے آئے تھے اور جسے تکمیل تک پہنچانے میں انھوں نے اپنی تمام زندگیاں لگا دیں، مومن اسی مقصود کو اپنا مقصدِ زندگی بنائیں اور اس کے لیے اسی طرح کی زحمتیں اٹھائیں، قربانیاں کریں اور مشقتیں جھیلیں جس طرح کے شدائد و مصائب اللہ کے رسول نے جھیلے۔ محبت کا دستور یہ ہے کہ جس جگہ محبوب کا پسینہ بہے، وہاں خون بہایا جائے اور جہاں محبوب کی چشم و ابرو کا اشارہ ہو وہاں جان لا حاضر کی جائے۔ اگر محبت کا یہی دستور ہے اور یقیناً یہی ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک مومن رسول سے محبت کا دعویٰ بھی کرے اور اس کے مشن میں ہاتھ نہ بٹائے۔ رسول کا مشن یہ تھا کہ وہ اللہ کی مکمل بندگی کریں، نادان اور بے خبر انسانوں پر اپنے قول و عمل سے شہادتِ حق کا اتمام کر دیں پھر جو لوگ اس دعوت پر لبیک کہیں انھیں مجتمع و منظم کریں، ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کریں اور ان کو ساتھ لے کر دنیا میں دین کو پھیلانے، حق کو غالب کرنے اور باطل کو مٹانے کے لیے اپنی ساری قوت لگا دیں۔ جس کام میں رسول نے اپنا سب کچھ لٹا دیا، جس کے لیے انھوں نے راتوں کی نیند اور دن کا آرام قربان کیا، جس کے لیے رسول نے گالیاں کھائیں اور پتھر کھا کھا کر زخموں سے چور رہے، اس کام کی خاطر انھیں وطن سے بے وطن ہونا پڑا، اس کے لیے انھوں نے فقر و فاقے کی زندگی بسر کی اور اس کی وجہ سے انھیں خوف و جنگ کے حالات سے ہمیشہ سابقہ پڑا۔ پھر محبتِ رسول کا دعویٰ رکھنے والے مومن کو اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے، اسے ہر محبت رکھنے والا دل آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ آج اگر ہمارے سامنے حق پامال ہو رہا ہے، رسول کے آثار ایک ایک کرکے مٹائے جا رہے ہیں، اللہ کی بغاوت وبائے عام کی طرح پھیلتی جا رہی ہے اور یہ وبا عام انسانوں سے بڑھ کر خود رسول کے نام لیواؤں تک کو پوری سرعت و شدت کے ساتھ اپنی لپیٹ میں لیتی جا رہی ہے اور باطل نظریات کے حامی اپنے

نظریات کے قیام و بقا کے لیے آخری پونجی لے کر میدان میں آگئے ہیں اور ہم ہیں کہ غفلت کی نیند میں پڑے سوتے چلے جا رہے ہیں تو اس کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہے کہ ہمارے دل سوز دروں سے محروم ہیں اور ہمارے سینے محبت کی گرمی سے خالی۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّتِهِ مِنْ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ (مسلم)

مجھ سے قبل جس اُمت میں بھی اللہ نے کوئی نبی مبعوث فرمایا اُس کے لیے اُس کی اُمت میں سے جاں نثار اور ساتھی ہوئے جو اُس کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑتے اور اُس کے احکام کی پیروی کرتے۔ پھر اُن کے بعد ایسے لوگ جانشین ہوئے جو ایسے دعوے کرتے جن کے مطابق ان کا عمل نہ ہوتا اور ایسے کام کرتے جن کا انھیں حکم نہ دیا گیا تھا۔ تو ایسے لوگوں سے جو شخص اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے، جو شخص ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے، اور جو کوئی ان سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے۔ اور اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسول کے سچے جاں نثار اور محبت کرنے والے کون ہیں اور جھوٹے نام لیوا کون۔ اور یہ کہ رسول کے بعد جب بگاڑ پیدا ہو جائے تو ایک مومن کا فریضہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں فرما دیا ہے کہ جس کی آنکھوں کے سامنے بگاڑ پھیل رہا ہو اور وہ اس کو درست کرنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اس بگاڑ کے دُور کرنے کے لیے تڑپے تو اس کا دل نہ صرف محبت بلکہ ایمان سے خالی ہے۔

کیا آپ محبتِ رسول کی کسوٹی پر اپنے ایمان کو پرکھنے کے لیے تیار ہیں؟

۴۔ رسول کی عظمت

رسول، اللہ کے انتخاب سے رسول بنتے ہیں اور اللہ اپنے پیغام کے پہنچانے کے لیے انسانوں اُن ہستیوں کو چُن لیتا ہے جو اعلیٰ ترین انسانی صلاحیتیں اپنے اندر رکھتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ خصوصی اہتمام کے ساتھ ان کی تربیت بلاواسطہ خود کرتا ہے، ان کو عالمِ غیب کے حقائق کا مشاہدہ کراتا ہے، ان کو اپنے سے اتنا قریب کرتا ہے جتنا قریب کوئی انسان نہیں ہو سکتا، ان کو اپنی وحی کی امانت سونپتا ہے، ان کو اپنے پاس سے دلائلِ قاطع اور معجزات عطا فرماتا ہے اور ہر وقت غیب سے ان کی امداد اور رہنمائی فرماتا رہتا ہے۔ یہ تمام باتیں وہ ہیں جو رسول کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتیں اور نہیں ہو سکتیں۔

رسول دُنیا کے عظیم ترین انسان اور اللہ کے مقرب ترین بندے ہوتے ہیں' اور ان کے اس عظمت و تقرب تک پہنچنا تو الگ رہا انسان ان کا صحیح صحیح اندازہ بھی نہیں کرسکتا۔ البتہ رسولوں کی زندگی کا ہر گوشہ نظر والوں کے سامنے ان کی عظمت و علو کا اعلان کرتا رہتا ہے' اور ایک مومن رسولوں کی اس عظمت کی بنا پر ہی ان کا انتہائی ادب و احترام اور بندگی و پرستش کو اللہ کے لیے مخصوص کرتے ہوئے رسولوں کو نہاں خانۂ دل میں اعلیٰ ترین مقام دیتا ہے۔ خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عظمت و احترام کا وہ مقام دیتا ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے بعد کسی کو نہیں دیا جاسکتا ہے کیونکہ آپ رسول ہونے کے ساتھ خاتم النبیین اور افضل الرسل بھی ہیں۔ اور ایسا وہ اس لیے کرتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کا حکم یہی ہے۔ سورۂ حجرات کی ابتدا ان آیات سے ہوتی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا
بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا
أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ
وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ
يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ
لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝
إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا
حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اے ایمان لانے والو اللہ اور اُس کے رسول سے
پیش قدمی نہ کیا کرو' اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو'
یقیناً اللہ سب کچھ سُننے والا اور جاننے والا ہے۔
اے ایمان لانے والو اپنی آوازیں نبی کی آواز پر
بلند نہ کرو' اور اُس سے اس طرح زور زور سے
باتیں نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہو
کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں
خبر بھی نہ ہو' یقیناً جو لوگ اللہ کے رسول کے سامنے اپنی
آوازیں پست رکھتے ہیں انھیں کے دلوں کو اللہ نے
تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے' ان کے لیے مغفرت ہے
اور بہت بڑا اجر' یقیناً جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے
سے آوازیں دیتے ہیں ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں' اور اگر
اُس وقت تک صبر کے ساتھ انتظار کرتے جب آپ
ان کے پاس تشریف لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر
اور اللہ درگذر فرمانے والا اور مہربان ہے۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام دین میں بُنیادی اہمیت رکھتا ہے اور اس طرف سے غفلت کرنا اتنا خطرناک ہے کہ اس کے نتیجے کے طور پر مومن کی تمام نیکیاں اور قربانیاں رائیگاں ہو سکتی ہیں۔ نیز ان آیات سے یہ بھی واضح ہوا کہ رسول کی عظمت کا مطلب کیا ہے۔

آیات کا بغور مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں اہلِ ایمان کو چار حکم دیے گئے ہیں، ایک یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے پیش قدمی نہ کریں۔ یعنی کسی معاملے میں اپنی عقل سے کوئی فیصلہ کرنے اور اپنے رجحان اور ذوق پر عمل کر لینے کے بجائے پہلے یہ معلوم کریں کہ اللہ اور اس کے رسول کا اس معاملے میں فیصلہ کیا ہے، اور اس کے بعد پوری یکسوئی کے ساتھ اس کا اتباع کریں۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کریں، یعنی نبی سے بحث نہ کریں، اس کے فیصلے، اس کے حکم، اس کی مرضی کے خلاف اپنے فیصلے، اپنی رائے اور اپنی مرضی کو پیش نہ کریں کہ بحث کرتے کرتے تمہاری آوازیں بلند ہو جائیں، بلکہ متقی مومن کی طرح رسول کی بات کو بلند رکھیں۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ نبی سے باتیں زور زور سے نہ کریں جس طرح عام انسانوں سے کرتے ہیں۔ اور چوتھا حکم یہ ہے کہ نبی کو باہر سے کھڑے ہو کر بے صبری کے ساتھ آوازیں نہ دیں۔

یہ ہے عظمتِ رسول کا مطلب، عظمتِ رسول کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رسول کو خدا کا مقام دیا جائے یا رسول کے اندر خدائی اوصاف مانے جائیں اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ انسان نہ تھے۔ قرآن نے اس بات کی بہت وضاحت سے تردید کی ہے کہ رسولوں کو انسانیت سے بالاتر سمجھا جائے۔ اور اس کو کفر و شرک سے تعبیر کیا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (نحل)

ہم نے آپ سے قبل جو رسول بھی بھیجے ہیں وہ انسان ہی تھے، جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے، سو اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو تاریخ والوں سے پوچھو۔

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی صاف صاف الفاظ میں کہلوایا گیا:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (کہف)

آپ کہہ دیجیے میں تو محض انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے سو جو کوئی اپنے رب سے ملاقات کا امیدوار رہو وہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

رسول اپنی بندگی کرانے نہیں آتے بلکہ خدا کی بندگی کرانے آتے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ

کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تو اُسے کتاب، حکم اور نبوت دے، اور پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ، لیکن وہ تو یہی کہے گا کہ اللہ والے بنو، بوجہ اس کے کہ تم کتاب کا علم سکھاتے ہو، اور بوجہ اس کے کہ تم

تَدْرُسُوْنَ ٥ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ (آل عمران)

کتاب پڑھتے ہو اور وہ تمھیں اس کا کبھی حکم نہ دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا وہ تمھیں کفر کا حکم دے گا جبکہ تم اسلام قبول کر چکے ہو۔

یہ عظمتِ رسول کا یہ مطلب ہے کہ رسول کو علیم وخبیر مانا جائے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ ہر کھلے اور چھپے حاضر و غائب اور گذشتہ و آئندہ سب کا علم رکھتے ہیں اور ان کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ یہ صفت بھی اللہ کے لیے مخصوص ہے اور کسی انسان کو یہ طاقت حاصل نہیں ہے۔ اس طرح رسول کی عظمت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انھیں کائنات کے انتظام میں کوئی اقتدار حاصل ہے اور وہ لوگوں کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرسکتے ہیں یا ان کے ہاتھ میں رزق کے خزانے ہیں۔ یہ تمام تصورات توحید کے صریح خلاف ہیں اور قرآن نے ان کی کھلم کھلا تردید کی ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥ (اعراف)

(اے نبی) کہہ دیجیے، میں خود اپنے لیے نفع یا نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں، اور اگر میں غیب کا علم رکھتا ہوتا تو بہت سی خیر اکٹھی کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو صرف آگاہ کرنے والا اور بشارت دینے والا ہوں، اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں

اور ایک جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس بات کو اور وضاحت سے کہلوایا گیا ہے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ٥ (انعام)

(اے نبی) کہہ دیجیے میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اُن تعلیمات کی پیروی کرتا ہوں جن کی مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ کہہ دیجیے کہ کیا اندھے اور انکھیارے برابر ہو سکتے ہیں، کیا غور وفکر نہیں کرتے۔

ایسے تمام تصورات عظمتِ رسول سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، یہ مشرکانہ تصورات ہیں اور پچھلی قومیں اپنے انبیاء کے بارے میں اسی قسم کے تصورات قائم کر کے دینِ حق اور توحید خالص سے ہٹی ہیں اور شرک کے گہرے گڑھے میں جا گری ہیں۔ عظمتِ رسول کا حقیقی مفہوم وہی ہے جس کو قرآن پاک میں خود واضح کیا گیا ہے یعنی یہ کہ مومن ہر معاملے میں اللہ اور اُس کے رسول کا حکم تلاش کرے، اللہ کی ہدایت اور اُس کے رسول کی سنت کے آگے بے چون وچرا سر تسلیم خم کر دے جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اُس کے متعلق کسی قسم کی بحث یا کوئی نزاع نہ کرے اور رسول کی شخصیت کا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھے۔

یہ ایمان کا جو تقاضا ہے اور اس پر بھی آپ کو اپنے ایمان کو بار بار جانچنا چاہیے۔

اللہ کی سُنّت

اللہ کی زمین انسانوں سے خالی تھی۔ اللہ نے چاہا کہ اس پر انسان بسائے۔ پہلا انسان پیدا کیا گیا۔ اس کی بیوی کو بھی پیدا کیا، دونوں کو زمین پر زندگی بسر کرنے کے لیے بھیج دیا۔ یہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ تھے۔ ان پر اللہ کی سلامتی ہو۔

زمین پر ان کے کھانے پینے کا سامان پہلے سے موجود تھا، اپنے آپ اُگنے والے پیڑوں کے پھل اور چشموں کا پانی۔

زندہ رہنے کے لیے کھانا پینا تو ضروری تھا ہی، لیکن یہ معلوم ہونا بھی ضروری تھا کہ زندہ رہ کر کیا کریں؟ کھانا پینا تو زندگی کے لیے تھا، لیکن زندگی کس لیے تھی؟ ان کے رب نے، اُس رب نے جس نے زندگی بخشی تھی، اُس رب نے جس نے زندگی کا سامان مہیا فرمایا تھا، انھیں اس سوال کا جواب بھی بتا دیا تھا، انھیں اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ زندگی کس لیے ہے، زندہ رہ کر انھیں کیا کرنا ہے، انھیں یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ وہ اس بات کو اپنے بچوں کو بھی سکھا دیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے پہلے رسول تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے دُنیا آباد ہوئی۔ جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا، زندگی کا مقصد نظروں سے اوجھل ہوتا گیا۔ پیٹ کی بھوک نے رُوح کی بھوک کو دبا لیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا پڑھایا ہوا سبق یاد نہ رہا۔ انسان اپنے مالک کو بھول گیا، غلط راستوں میں بھٹک گیا۔

انسانوں کا رب بڑا مہربان ہے، ان کی زندگی کا سامان وہ ہر آن کرتا ہے، سورج چمکتا ہے، ہوائیں چلتی ہیں، بارش ہوتی ہے، زمین کا سینہ چاک ہوتا ہے، سبزہ اُگتا ہے، انسان کا رزق مہیا ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری کائنات اس کو زندہ رکھنے کے لیے کام میں لگی ہوئی ہے۔ ایسا مہربان رب! اور ایسا شفقت کرنے والا مالک یہ کیسے کر سکتا تھا کہ اس بھٹکے ہوئے انسان کو پھر راستہ نہ دکھاتا۔ جب رزق دے کر زندہ رکھنا اُس کے ذمے ہے، تو زندہ رکھ کر سیدھی راہ دکھانا بھی تو اُسی کا کام ہے۔

اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ اُنھوں نے کہا: "بھائیو! تم نے زندگی کا جو راستہ اختیار کر رکھا ہے

اس کا انجام بہت بُرا ہے، مَیں تمھیں اسی بُرے انجام سے آگاہ کرتا ہوں، دیکھو اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر تم باز نہ آئے تو تم کہیں کسی بہت بڑی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ۔"

قوم کے بڑے بڑے لوگ بولے: "معلوم ہوتا ہے تم کچھ بہک گئے ہو، تم ہماری طرح ایک انسان ہی تو ہو، ہمیں تو تم میں کوئی خاص بات دکھائی نہیں دیتی ——— اور تمھارے ساتھ سوائے کمینوں اور کم قوموں کے اور ہے ہی کون؟ ہم تو سمجھتے ہیں تم بالکل جھوٹے ہو۔"

حضرت نوحؑ بولے: "——— اے برادرانِ قوم! تم نے یہ بھی سوچا کہ آخر مَیں تم سے کچھ مانگتا تو نہیں ہوں، مجھے تو جو کچھ ملنا ہے میرے رب کی طرف سے مل ہی جائے گا۔ میرے رب نے مجھے اپنا سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، اور تمھیں وہ راستہ دکھانے کے لیے مجھے بھیجا ہے، تو پھر میں تمھیں اُس راستے کی طرف نہ بلاؤں تو کیا کروں؟ میرا کام تو یہی ہے کہ تمھارے رب کا پیام تمھیں پہنچا دوں، اور سب نیک و بد تمھیں دکھا دوں۔"

انکار کرنے والوں نے ایک بات بھی نہ سنی، حضرت نوحؑ کو برابر جھٹلاتے رہے، اور ان کا اور ان کے ساتھیوں کا مذاق اُڑاتے رہے۔ آخر کار جب اللہ کی بخشی ہوئی مہلت کا وقت ختم ہوگیا تو اللہ کے عذاب نے آن پکڑا۔ پانی کا ایک بہت بڑا طوفان آیا، سب ڈوب دیے گئے۔ بس حضرت نوح اور آپ کے ساتھی ایک کشتی میں بچا لیے گئے۔ دُنیا سے بدی کو مٹا دیا گیا۔ نیکی کو پھر ایک بار پھولنے اور پھلنے کا موقع مل گیا۔

قوم عاد کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا جو اسی قوم میں سے تھے۔ آپ نے کہا: "بھائیو! آپ نے یہ کیسی باتیں اپنے دل سے گڑھ لی ہیں، دیکھو اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو، وہی تمھارا رب ہے۔ اُس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو، اور اُسی طرف پلٹ آؤ۔ دیکھتے نہیں اُس نے تمھارے اوپر اپنی نعمتوں کی کیسی بارش کر رکھی ہے، تم دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہو، آخر یہ سب کچھ اُسی کی تو دین ہے۔"

قوم کے کھاتے پیتے لوگ بولے: "معلوم ہوتا ہے آپ کی کچھ عقل ماری گئی ہے۔ ہم نے جو راستہ اختیار کر رکھا ہے اس کی کامیابی ہمارے سامنے ہے، ہم تمھاری باتوں میں آکر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں۔ اور نہ ہمیں آپ کی باتوں کا یقین ہی آتا ہے۔"

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: "بھائیو! تم یہ نہیں سوچتے کہ مَیں تم سے تو کچھ نہیں مانگتا، مجھے جو کچھ ملنا ہے میرے رب کی طرف سے مل جائے گا۔ ہاں کچھ باتیں ایسی ہیں جو مَیں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ مجھے میرے رب نے اسی لیے بھیجا ہے کہ تمھیں سیدھی راہ دکھاؤں اور انجام سے باخبر کر دوں۔"

قوم والے بولے: "معلوم ہوتا ہے کہ تم پر ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی کی پھٹکار پڑ گئی ہے۔ اچھا

دھمکیاں دینے سے کیا ہوتا ہے، جس عذاب سے ڈراتے ہو اُسے لے ہی آؤ۔"

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: "اچھی بات ہے، تمھیں جو کچھ کرنا ہے کر گزرو، مجھے تو اپنے رب پر پورا بھروسہ ہے۔ اُس کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکتا، جب وقت آ جائے گا تو کچھ دیر نہ لگے گی۔"

آخر کار جب مُہلت کا وقت ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کے ایک بہت ہی سخت عذاب نے انھیں آن پکڑا۔ بس حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی بچا لیے گئے، باقی سب کے سب اس طرح مٹا ڈالے گئے کہ گویا ان کی جڑ ہی کٹ گئی ہو۔ اب کوئی دیکھے کہ یہی وہ قوم عاد ہے جس نے اللہ کو چھوڑ کر قوم کے متکبروں اور سرکشوں کی اطاعت کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ دُنیا میں بھی پھٹکار اور آخرت میں بھی لعنت۔

قوم ثمود کے پاس ان کے ہی بھائی بندوں میں سے حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے۔ آپ نے کہا: "بھائیو! وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمھیں زمین پر بسایا ہے، دیکھو اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی مت کرو۔ اُس سے اپنی خطاؤں کو معاف کراؤ اور اُس کی طرف پلٹ آؤ، وہ بہت قریب ہے اور سب کی دُعائیں سُنتا ہے۔"

قوم والے بولے: "صالح ہم کو تو تم سے بڑی اُمیدیں تھیں، یہ تم نے کیا کہنا شروع کر دیا، کیا ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ ہم کو تو اُس بات پر یقین نہیں آتا جو تم کہہ رہے ہو۔"

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: "میرے رب نے تو مجھ پر بڑا کرم کیا ہے، اور مجھ پر بہت سی باتیں روشن کر دی ہیں۔ اس کے بعد مجھ سے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اُس کی نافرمانی کروں اور تمھیں وہ پیام نہ پہنچاؤں جو میرے فیصلے وہ تم تک پہنچانا چاہتا ہے ——— دیکھو بھائیو! یہ ایک اونٹنی ہے، تم جانتے ہو کہ اس کی پیدائش کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ اس میں تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی بڑی نشانی ہے۔ تو کم از کم تم اسی کو ہاتھ نہ لگانا، اور راستے چرنے کے لیے آزاد پھرنے دینا۔ اس لیے کہ اگر تم نے اس کو نقصان پہنچایا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ تم اللہ کی بغاوت کا اعلان کر رہے ہو، اور تم کو اللہ کا عذاب آ دبوچے گا۔ دیکھو اُس نے تم کو زمین کی بادشاہی بخشی ہے، تم میدانوں میں اور پہاڑوں میں کیسے کیسے محل بناتے ہو۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، اور اپنی دولت کے بھروسے پر اللہ کے ملک میں فساد مت مچاؤ۔"

قوم کے بڑے بڑے سردار جو ایمان نہیں لائے تھے اُن غریبوں سے جو ایمان لے آئے تھے بولے: "کیا واقعی صالح کو تم سچا سمجھتے ہو؟" انھوں نے کہا: "ہاں! ہم کو یقین ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سچ ہی کہتے ہیں۔" اس پر وہ گھمنڈی بولے کہ "ہم کو تو اس کی باتوں پر یقین آتا نہیں۔"

انھوں نے اُس اونٹنی کو بھی مار ڈالا، اور اپنے رب کا کوئی حکم نہ مانا۔ اور بولے کہ "اے صالح اگر تم سچے ہی اللہ کے رسول ہو تو لے آؤ وہ عذاب جس سے تم ڈرایا کرتے ہو۔"

آخر کار جب مہلت کا وقت ختم ہوگیا تو ایک بہت سخت زلزلہ آیا اور سب کے سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، معلوم ہوتا تھا کہ شاید ان گھروں میں کوئی بستا ہی نہ تھا۔ اس عذاب سے بس حضرت صالحؑ اور اُن کے ساتھی بچا لیے گئے، باقی سب فنا ہو گئے۔

مدین کے قبیلے کے پاس حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ بھی اسی قبیلے سے تھے، آپ نے فرمایا: بھائیو! دیکھو اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی مت کرو، پورا ناپو، پورا تولو، دھوکا دے کر لوگوں کا مال مت ہڑپ کرو، اور اس طرح دُنیا کے امن و امان کو غارت نہ کرو، تم تو مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، تمھیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ تم کو اللہ نے جو کچھ دے رکھا ہے اُس کو اپنے لیے اچھا جانو۔"

مدین کے سردار بولے: "اے شعیب (علیہ السلام) کیا نماز پڑھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہم کو اپنے مال پر بھی اختیار باقی نہ رہے۔ اور ہم وہ سب کچھ چھوڑ دیں جو باپ دادا سے ہوتا آیا ہے؟ دیکھو اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو نکال باہر کریں گے یا پھر ہم تمھیں اپنے رنگ میں رنگ کر چھوڑیں گے۔"

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک روشن دلیل عطا فرمائی ہے اور یہ اُس کا فضل و کرم ہے کہ اُس نے مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمھاری مخالفت میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میں یہی چاہتا ہوں کہ تمھاری اصلاح ہو جائے۔ بہر حال میرا کام تو اللہ کی مدد سے ہی بنے گا۔ لیکن تم میری ضد میں آکر ایسی حرکتیں مت کرو جیسی تم سے پہلے قومِ نوحؑ، قومِ ہودؑ، یا قومِ صالحؑ کر چکی ہیں۔ دیکھو اللہ کی طرف پلٹ آؤ، وہ بڑا مہربان ہے۔"

یہ سُن کر قوم کے کھاتے پیتے لوگوں نے کہا: "دیکھو شعیبؑ! تمھاری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اگر تم ہماری برادری کے آدمی نہ ہوتے تو اب تک تمھیں پتھر مار مار کر کبھی کا ختم کر دیا ہوتا۔"

حضرت شعیب علیہ السلام نے نا اُمید ہو کر فرمایا: "اچھا بھائیو! اگر تم کو اللہ کا اتنا پاس بھی نہیں ہے جتنا برادری کا پاس ہے تو یوں ہی سہی، جو تمھارے جی میں آئے کرتے رہو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کا عذاب کس پر آتا ہے۔"

آخر کار جب مہلت کا وقت ختم ہو گیا تو حضرت شعیب علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بچا لیا، اور وہ لوگ جو نافرمان تھے اُنھیں ایک سخت آواز نے آ پکڑا، اور جب صبح ہوئی تو سب کے سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔ ان کی بربادی کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید ان گھروں میں کوئی رہتا بستا ہی نہ تھا۔

یہ ہیں چند واقعات — ایسے واقعات معلوم نہیں کتنے گزر چکے ہیں۔ کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس پر اللہ کی طرف سے کوئی پیام نہ آیا ہو۔ اور پیام لانے والے نے لوگوں کو بُرے کاموں کے انجام سے خبردار نہ کیا ہو — ہم جی چاہتے ہیں کہ قوموں میں کچھ [illegible] کے لوگ پیدا ہوتے ہیں، انھوں نے کچھ خاص قسم کی [illegible]۔ قوم والوں نے [illegible]

ایک ہی جیسے جواب دیے ہیں' اور پھر تعجب یہ ہوتا ہے کہ ان سب باتوں کا نتیجہ بھی ایک ہی نکلا ہے ۔

یہ سب باتیں ایک دوسرے سے بہت کچھ ملتی جلتی ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں الگ الگ نہیں ہیں' یوں سمجھو ایک ہی بات ہے جو بار بار کہی گئی ہے ۔ ایک ہی طرح کے سننے والے ہیں' ایک ہی طرح کے جواب دیتے ہیں' ایک سے ہی نتیجے نکلتے ہیں ۔ گویا یہ سب کچھ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں' اور بس ! ۔

ذرا غور کرو' جتنے رسول پیدا ہوئے وہ کیسے وقتوں میں پیدا ہوئے ؟ کن لوگوں میں پیدا ہوئے ؟ وہ کیا کہتے تھے ؟ کس طرح کہتے تھے ؟ بات کہاں سے شروع کرتے تھے ؟ اپنی بات کے لیے کیا دلیل لاتے تھے ؟ ۔ ان کے کام کرنے کا ڈھنگ کیا تھا ؟ وہ کن باتوں پر زور دیتے تھے ؟ ۔ ان کا سہارا کس پر ہوتا تھا ؟ ۔ ان کی ساری قوت کا مرکز کون ہوتا تھا ؟ ——— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر رسول دوسرے رسول کی تصویر تھا ۔ ان کی دعوت اپنی پہلی دعوت کا عکس تھی' جو ایک نے کہا وہی سب نے کہا ——— گویا سب ہی ایک کا ہی پڑھایا ہوا سبق دُہراتے تھے ۔

سب رسول ایسے ہی وقت پیدا ہوئے جب لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دُنیا کی دولت اور حکومت کو اپنا مقصود بنایا ۔ اصلی حاکم کی تابعداری سے منہ موڑ کر دوسروں کی غلامی میں اپنے آپ کو پھنسا لیا' کہیں وہم میں مبتلا ہو کر مخلوق کو خالق کا مقام دے دیا' اور کہیں نفس کا غلام بن کر انسانیت کو داغدار بنایا ۔ غرض ہر گمراہی کے نتیجے میں انسان کو انسان کا خدا بن جانے کا موقعہ دے دیا ۔

سب رسول ایسے ہی حال میں پیدا ہوئے کہ دُنیا کی دولت اور طاقت کچھ بھی نہیں رکھتے تھے' سب نے سب سے پہلے اپنی ہی برادری اور اپنی ہی قوم کو مخاطب کیا' سب کی زبانوں سے ایک ہی پکار نکلی ۔ سب نے ایک ہی طرح لوگوں کو بُلایا' سب نے یہی کہا کہ اللہ کی بندگی کرو ۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی بندگی اور غلامی کا پھندا اپنے گلے سے نکال دو ۔ ظلم اور بُرے کام چھوڑو' نیکی اختیار کرو' اور میرا کہا مانو ۔

سب نے کہا کہ ہمارا کام یہی ہے کہ خود اللہ کی بندگی کریں اور تمہیں اُس کی طرف بلائیں ۔ یہی ہمارا فرض ہے' ہم اسی کو ادا کرنے کے ذمے دار ہیں ۔ تم سے کوئی بدلہ یا تعریف ہم نہیں چاہتے ——— ہم جو کچھ کہتے ہیں ہمیں اس کا علم اور یقین ہے' ہم کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہتے' ہم حقیقت کا علم رکھتے ہیں اور اسی حقیقت سے تمہیں باخبر کرتے ہیں' نیک عملی اور بدعملی کے نتائج ہم جانتے ہیں اور تمہیں بھی کھول کھول کر بتا دینا چاہتے ہیں ۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے ۔

سب نے کہا ہمارا بھروسہ خدا پر ہے' تم جو چاہو کرو' تم کو اپنی قوت اور اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے تو ہوا کرے ہم بس اپنے پروردگار کی رحمت کا آسرا رکھتے ہیں ۔ دیکھو حق کی مخالفت نہ کرو ۔ اللہ سے بچاؤ کی

انجام بہت بُرا ہے۔ فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ اگر تم نہیں مانتے تو نتیجے کا انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

اب ان قوموں کی طرف نظر اُٹھاؤ جن میں اللہ کے رسول آئے۔ اللہ کی اطاعت سے انکار کرنے میں، اس کی بندگی سے مُنہ موڑنے میں، خودغرضی اور نفس پرستی میں، ظلم اور فساد میں، گمراہی اور ہٹ دھرمی میں کس طرح ایک قوم دوسری قوم کی تصویر ہے۔ سب نے اپنی اپنی باری وہی کہا، اور کیا جو پہلوں نے کیا اور کہا تھا۔ سب نے رسولوں کا انکار کیا، سب نے اُن کا مذاق اُڑایا، سب نے رسولوں کی دعوت قبول کرنے میں اپنی دُنیا کو بگڑتے ہوئے دیکھا۔ سب نے کھلی ہوئی دلیلوں کا انکار کیا۔ سب نے اس ناقابلِ انکار حقیقت کو اپنی قوت اور زور سے دبانے کا فیصلہ کیا۔ سب نے اپنی دولت اور اپنی قوت کے بھروسے پر زیردستوں اور کمزوروں پر ظلم ڈھائے۔ سب نے نصیحت کا جواب گالیوں سے اور ہمدردی کا جواب اینٹ پتھر سے دیا۔

جو لوگ دولتمند تھے، یا کسی قسم کا اقتدار رکھتے تھے ـــ مذہبی یا سیاسی اور جن کی مٹھیوں میں دوسرے انسانوں کی گردنیں تھیں اُنھوں نے اس دعوت کی مخالفت سب سے زیادہ کی، رسولوں کا ساتھ دیا تو اُنھوں نے دیا جو زیردست تھے جنھیں دولت و اقتدار کے نشے نے بے ہوش نہیں کیا تھا، اور جن میں انسانیت کی رُوح بالکل مُردہ نہیں ہوچکی تھی۔

نتیجہ کیا رہا! ـــ نتیجہ بھی کچھ ایک سا ہی ہے۔ پہلے تو اللہ کے ماننے والوں نے اللہ کے باغیوں کے ظلم سہے، اور اللہ کے فیصلے کا برابر انتظار کیا گیا، فیصلہ کیا ہوا؟ ایک ہی فیصلہ بھی ہوا، مومنوں نے نجات پائی اور منکروں کی ہلاکت ہوئی، حق کا بول بالا ہوا، باطل مٹا دیا گیا ـــــ معلوم ہوتا ہے کہ اگر حق آجائے تو باطل مٹنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔ یہی اللہ کی سُنّت ہے، ایسی سُنّت جو کبھی بدلتی نہیں +

آئے

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

وہ صحرا کو گلشن بنانے تمہے آئے — وہ رنگِ بہاراں جمانے تمہے آئے
وہ خوابِ گراں سے جگانے تمہے آئے — صداقت کے نغمے سُنانے تمہے آئے
سبق زندگی کا پڑھانے تمہے آئے — بہائم کو انساں بنانے تمہے آئے
بدی، گمرہی کو مٹانے تمہے آئے — وہ طغیاں کے ایوان ڈھانے تمہے آئے
وبائے تعصب دبانے تمہے آئے — لڑائی، تباہی مٹانے تمہے آئے
وہ چنگیزیت کو دبانے تمہے آئے — ستم، غم، الم، دکھ مٹانے تمہے آئے
رعونت کے دریا سکھانے تمہے آئے — وہ کشتِ غلامی جلانے تمہے آئے
اخوت، مروت جگانے تمہے آئے — محبت کی دُنیا بسانے تمہے آئے
وہ غیرِ خُدا سے چھڑانے تمہے آئے — وہ معبودِ حق سے ملانے تمہے آئے
وہ قانونِ شیطاں مٹانے تمہے آئے — وہ آئینِ حق کو چلانے تمہے آئے
وہ ادیانِ باطل مٹانے تمہے آئے — وہ زورِ شیاطیں دبانے تمہے آئے
ہدایت کا پرچم اُڑانے تمہے آئے — پیامِ سکوں وہ سُنانے تمہے آئے
حصارِ جہالت گرانے تمہے آئے — بغاوت کی شمعیں بجھانے تمہے آئے
اندھیرا گماں کا بھگانے تمہے آئے — اُجالا یقیں کا جگانے تمہے آئے
امیر و غریب و فقیر و شہنشہ — یہ سب درجہ بندی مٹانے تمہے آئے
مسرت کے نغموں سے آہ و فغاں کو — بدلنے تمہے آئے مٹانے تمہے آئے
وہ شاہِ ملتو جابر کا رسکّہ جہاں سے — مٹانے تمہے آئے مٹانے تمہے آئے
وہ انسان صابر کا رُتبہ جہاں میں — بڑھانے تمہے آئے بڑھانے تمہے آئے

وہ رحمت کے ساغر لٹانے تمہے آئے
مئے لَا و اِلّا پلانے تمہے آئے

وہ سارے جہاں میں خدا کی حکومت — چلانے تمہے آئے چلانے تمہے آئے

جنوں کی باتیں

جنوں کے بادشاہ کا دربار اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ گرم تھا، سیکڑوں سردار ہاتھ باندھے خاموش کھڑے تھے، پوری سلطنت کے حالات باری باری پیش ہو رہے تھے اور اُن پر غور ہو رہا تھا طرح طرح کے احکام جاری ہو رہے تھے۔ کہ اتنے میں خفیہ اطلاعات کے محکمے کے نمائندوں نے کچھ ایسے جنوں کے نام پیش کیے جو کل سے غائب تھے، اور کچھ معلوم نہ تھا کہ کہاں گئے۔ اس اطلاع پر حکم صادر ہوا کہ جب یہ جن واپس آئیں تو انھیں بادشاہ کے حضور پیش کیا جائے۔

دوسرا دن ہوا، خفیہ اطلاعات دینے والوں نے بتایا کہ کل جو جن غائب تھے وہ آگئے ہیں لیکن وہ حضور کے سامنے آنے سے انکار کرتے ہیں، ان کا رنگ تو بالکل بدلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

بادشاہ نے اب تک ایسی نافرمانی کی جرأت کسی جن میں کہاں دیکھی تھی، سُنتے ہی آگ بگولا ہوگیا اور حکم دیا کہ ان سب کو پکڑ کر فوراً حاضر دربار کیا جائے۔ آن کی آن میں دس بارہ جن دربار میں پیش کئے گئے۔

بادشاہ کی گرج دار آواز دربار میں گونجی: "تم کہاں تھے؟ اور میرے طلب کرنے پر کیوں حاضر نہیں ہوئے؟"

سب درباری حیرت میں تھے کہ ان جنوں پر بادشاہ کی ڈانٹ اور غصّے کا کوئی اثر دکھائی نہ دیتا تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ بس معمولی جن تھے، کل تک ویسے ہی جن جیسے سب تھے، لیکن آج یہ انھیں کیا ہوگیا تھا کہ بادشاہ کے سامنے وہ ایسے بے خوف کھڑے ہوئے تھے۔

مُجرم جنوں میں سے ایک جن آگے بڑھا اور پوری بے باکی سے بولا:

کل ہم انسانوں کی بستی میں چلے گئے تھے، ہم نے دیکھا کہ اللہ کا ایک بندہ کھڑا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا۔ ہم نے کان لگا کر غور سے سُنا، عجیب و غریب کلام تھا، ایسا عجیب و غریب کہ ہم نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کے بعد سے لے کر اب تک کبھی ایسا کلام سُنا ہی نہیں تھا، اس کلام کی خوبیاں ہم کیا بیان کریں۔ میں تو اپنے سب بھائیوں سے یہ کہوں گا کہ وہ اللہ کی طرف بُلانے والے اس شخص کی بات مانیں اور اس پر ایمان لے آئیں، یہی ایک صورت ایسی ہے کہ جس سے ہمارا مالک ہماری خطاؤں کو معاف فرما سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تم نے اُس کا کہا نہ مانا تو تم خدا کا تو کچھ نہ بگاڑ سکو گے اپنا ہی نقصان کرو گے اور کوئی تمہارا سرپرست نہ ہوگا۔"

"سرپرست؟" بادشاہ کی گرجدار آواز نے بولنے والے کی بات کاٹی "سرپرست میں ہوں۔ تم سب کا آقا اور مالک ـــــ معلوم ہوتا ہے تو بالکل ہی بھٹک گیا ہے۔"

"نہیں ایسا نہیں ہے" مجرم جنوں میں سے ایک دوسرے نے ہمت کر اہلِ دربار کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "ہم اب بات کو پاگئے ہیں، تمہاری طرح اب ہم کسی کو اپنے مالک کا ساجھی نہ بنائیں گے، ہم جان چکے ہیں کہ ہمارا مالک بڑی بلند شان والا ہے، اُس کے نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی اولاد ہے۔ ہمارے اس بُدھو نے (بادشاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) سب کو بہکا رکھا ہے ـــــ"

"ہائیں! یہ گستاخی ـــــ" بادشاہ گرجا، اور سارا دربار تھر تھر کانپنے لگا۔ صرف وہی چند جن سکوت سے کھڑے تھے ـــــ "لے جاؤ اس شیطان کو میرے سامنے سے۔"

کئی سپاہی جن دوڑے کہ اتنے میں ایک تیسرے جن نے جو بہت متین اور سنجیدہ معلوم ہوتا تھا، نہایت نرمی سے کہا: "ہم سب آپ کے سامنے مجرم کی حیثیت سے حاضر ہی ہیں، آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں، کیا حرج ہے اگر آپ ہمیں سزا دینے سے پہلے ہماری پوری بات سُن لیں ـــــ"

"اچھا تم بھی سُناؤ، اور کیا کہنا چاہتے ہو؟" بادشاہ نے ہاتھ کے اشارے سے سپاہی جنوں کو روکتے ہوئے اس تیسرے جن سے کہا۔ تیسرا جن بولا:

"اب سے پہلے ہمیں یقین تھا کہ کوئی انسان یا کوئی جن چاہے کتنا ہی بُرا ہو جائے لیکن وہ اللہ کی شان میں جھوٹی باتیں گڑھ کر نہیں کہہ سکتا۔ اسی لیے ہم نے آپ کی اُن سب باتوں کو جو آپ اللہ کی ذات کے بارے میں ہمیں سکھاتے اور پڑھاتے تھے، سچ ہی جانا تھا۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اب تک انسانوں میں سے کچھ لوگ ہمارے بھائی جنوں کی پناہ لیتے تھے، اور اُن کے ذریعے کچھ چھپی ہوئی باتیں معلوم کر لیتے تھے۔ لیکن آپ سب جانتے ہیں کہ اب کچھ دنوں سے ہم اس بارے میں کچھ معذور سے ہو گئے ہیں۔ آسمانوں کے جن مقامات تک اب تک ہماری رسائی تھی اور جہاں سے ہم کچھ سن گن لے لیا کرتے تھے وہ اب ممکن نہیں رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اب آسمانی پہرے دار اور بالائی فضا کی تپش ہمیں اُن مقامات تک جانے سے روکتی ہے ـــــ کبھی آپ نے سوچا اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ غیر معمولی بات کیوں پیدا ہو گئی ہے؟ ـــــ"

دربار پر ایک سناٹا چھا گیا۔ سب جنوں کا ذاتی تجربہ تھا کہ اب ملاءِ اعلیٰ تک ان کی رسائی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ بادشاہ کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ معاملہ کیا ہے؟ اب جو اس جن نے جس کے بارے میں وہ خود بھی جانتے تھے کہ وہ کافی سنجیدہ اور سمجھ دار جن ہے ان کے سامنے ایک سوال رکھا تو سب کے سب اس بات کے سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ اس سوال کے سامنے آتے ہی جنوں کی کیفیت بدل گئی۔ بادشاہ کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا [illegible]

اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

یہ سوال بڑا ہی اہم تھا۔ آخر یہ کیا بات تھی جس کی وجہ سے آسمانی دُنیا تک جنوں کی پہنچ کچھ ہی عرصے سے بند کر دی گئی تھی۔ اس سوال کو یوں ہی ٹالا نہیں جا سکتا تھا، یہ تو ایک بڑی خلش تھی۔ سب کے دل کی خلش۔

دربار کی خاموشی دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب شاید کوئی بولے گا ہی نہیں کہ اتنے میں خود بادشاہ نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا:

"تو کیا تم اس کی وجہ جانتے ہو؟"

"ہاں! میں اس کی وجہ جانتا ہوں جو مجھے ابھی کل ہی معلوم ہوئی ہے۔ جب کہ میں اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ انسانوں کی بستی میں چلا گیا تھا ——— اگر آپ سکون کے ساتھ سُننے کا یقین دلائیں تو میں تفصیل کے ساتھ بیان کروں؟"

سوال سب کی دلچسپی کا تھا۔ بادشاہ کو دربار کے آداب کے خلاف اس جن کو تفصیل کے ساتھ اپنی بات کہنے کا موقعہ دینا پڑا۔

اُس نے کہنا شروع کیا:

بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی ہدایت موجود نہیں ہے جسے ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ ہمارے آقا اور مالک نے ہمارے لیے بھیجی ہے، اب تک ہم نے اپنی ہی عقل سے کچھ باتیں طے کر لیں اور اُن کو ہی سچ مان لیا۔ حقیقت یہ نہیں ہے۔ ہم نے کل جو کتاب انسانوں کی بستی میں جا کر اللہ کے ایک برگزیدہ بندے کی زبانی سُنی ہے، اس کے سُننے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ ہم کتنی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، ہم نے کیسی کیسی غلط باتیں گڑھ لی ہیں، اور پھر یقین رکھتے ہیں کہ گویا وہ خدا کی طرف سے آئی ہوئی باتیں ہیں۔ یہ سب غلط ہے۔ آپ خود ہی غور کریں کہ جب تک ہمیں کوئی آ کر یہ نہ بتائے کہ ہمارا مالک ہم سے کیا چاہتا ہے، ہم کیسے صحیح راہ کا پتہ چلا سکتے ہیں ——— کل ہم نے جو کچھ سُنا ہے اس کو سُننے کے بعد ہمیں یہ یقین آ گیا ہے کہ بے شک وہ اللہ کا کلام ہے، اللہ کی ہدایت ہے۔ اس کی سب سے بڑی رحمت۔ کوئی انسان اور کوئی جن جب تک اس سے بہرہ یاب نہ ہو کامیابی محال ہے۔

بھائیو! ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے اب اللہ کی ایسی واضح وحی اور ایسی کھلی ہوئی ہدایت آنے کے بعد دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ سمجھ لیجیے کہ دُنیا کے لیے تباہی کا فیصلہ کیا جا چکا ہے اور اس لیے یہ کتاب نازل کی گئی ہے کیونکہ اگر انسانوں نے اور جنوں نے اس ہدایت کو ٹھکرا دیا اور اسے قبول کر کے اپنے رویے کو نہ بدلا تو ان سب کی تباہی یقینی ہے۔ یا پھر یہ سمجھیے کہ ہمارے اور انسانوں کے حقیقی مالک نے کسی خیر کا فیصلہ کر لیا ہے، اور ہدایت کا جو نور اس نے اپنے ایک برگزیدہ بندے کے ذریعہ نازل فرمایا ہے اس کی بدولت دُنیا عنقریب خیر اور فلاح سے مالا مال

ہونے والی ہے ـــــــ ظاہر ہے کہ یہ صورت اُسی وقت ہوگی جب انسان اور جن ہدایت کو قبول کرلیں گے اور اُسی کے مطابق اپنی زندگی میں تبدیلیاں پیدا کرلیں گے۔

آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ جس طرح ہم میں سے بہتوں کا یہ خیال ہے کہ اللہ کی طرف سے کوئی رسول آکر ہمیں ہدایت نہیں کرے گا، اسی طرح انسانوں کا بھی خیال تھا۔ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ اُس کا رسول آچکا ہے، اللہ کی وحی اُس پر برابر نازل ہو رہی ہے۔ اور اسی نزولِ وحی کے سبب سے ہم پر آسمانوں کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں ـــــــ"

جنوں کے دربار کا یہ بے باک مقرر جب یہ بات کہہ رہا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حیرت اور استعجاب سے سُننے والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں۔ سب مُردوں کی مانند خاموش تھے ـــــــ بالکل خاموش۔ اور بھرے دربار کے اس سناٹے میں وہ مومن جن کہہ رہا تھا۔

"بھائیو! ہم میں اچھے بھی ہیں اور بُرے بھی۔ اب تک ہم الگ الگ راہوں پر تھے۔ لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ فلاح کی راہ ایک ہی ہے، اور وہ ہے اُس مالک کی بندگی کی راہ، ایسی راہ جو بجز فیضانِ رسالت کسی کے ہاتھ نہیں آسکتی، جو اسے قبول کرے گا اپنا بھلا کرے گا، جو اس کی طرف سے کان بند کرے گا، وہ اپنا ہی کچھ کھوئے گا۔ یقین رکھو کہ ہم اللہ کے مقابلے میں بازی نہیں لے جا سکتے، اور نہ بھاگ کر ہی جان بچا سکتے ہیں۔ یہ اُس کا کرم ہے کہ ہم نے ہدایت کے پیام کو سُن لیا۔ ہم تو اُس پر ایمان لے آئے۔ ہمیں یقین ہے کہ جو کوئی اس پر ایمان لے آئے اُس کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہے۔ جس کسی نے اُس مالک کی اطاعت کی راہ اختیار کی اسی نے درحقیقت اپنے لیے بھلائی کا راستہ ڈھونڈھ لیا اور وہ کامیاب ہوگیا۔ لیکن وہ جو اس راہ سے بے راہ ہوجائیں، اُنھوں نے ہدایت کو کھو دیا اور اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنا لیا۔ اور پھر یہی نہیں ہمارے مالک کا یہ وعدہ ہے کہ جو کوئی اُس کی بتائی ہوئی راہ پر جم جائے گا اُس کو وہ یہاں بھی مالا مال کر دے گا۔ یہ اُس کا امتحان ہے۔ اور جو کوئی اُس کی یاد سے مُنھ پھیرے گا اُس کے لیے یقیناً سخت عذاب ہے۔

بھائیو! ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف وہ اللہ ہے۔ دیکھو اُس کے سوا کسی کو مت پکارو۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب اللہ کا برگزیدہ بندہ ـــــــ اُس کا رسول ـــــــ جس کی ملاقات کا میں تمھیں ذکر سُنا رہا ہوں، کھڑے ہو کر اُس مالک کی عبادت کرتا ہے اور اُس کی بھیجی ہوئی کتاب پڑھتا ہے تو انسان ٹڈی دَل کی طرح اُس پر ٹوٹ پڑتے ہیں، اور اُس کلام کو سُنتے ہیں۔ کیا ہم اس رحمت سے محروم رہیں؟ کیا ہم اپنے مالک کی بھیجی ہوئی اس نعمت کی قدر نہ کریں؟ ـــــــ سوچو! ٹھنڈے دل سے سوچو!"

(بقیہ صفحہ ۲ کے نیچے)

حضرت نوحؑ کا پیام

بھائیو! میں تمھیں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ اللہ کی نافرمانی کرنے اور اُس سے بغاوت کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے:

دیکھو! اطاعت اور بندگی صرف اللہ کی کرو، اُس کی نافرمانی سے بچو اور اُس کے خلاف سرکشی کرنے کی سزا سے ڈرو، جو کچھ میں کہوں اُسے مانو، اللہ کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، وہی تمھارا آقا و مالک ہے، جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا اب اُس سے اپنی خطاؤں کو معاف کراؤ، وہ بڑا بخشنے والا ہے اور بے حد مہربان ہے۔ دیکھتے نہیں، یہ وہی تو ہے جو تمھارے لیے پانی برساتا ہے، تمھارے مال اور اولاد میں ترقی دیتا ہے، تمھارے لیے باغات اُگاتا ہے، اور دریا بہاتا ہے۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اُس کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے ــــــ ذرا خود اپنے آپ کو ہی دیکھ لو، ایسی اچھی ساخت کے ساتھ تمھیں کس نے بنا دیا ہے؟ پھر ایک تم ہی کیا اپنے سر کے اوپر اس پوری کائنات کو دیکھو، اس میں چاند کو دیکھو، کیسا منوّر ہے! سورج کو دیکھو کس طرح روشن ہے!! زمین کو دیکھو تمھارے لیے کیا کیا اُگاتی ہے، تمھارے رہنے لیٹنے کے لیے کیسا عمدہ فرش ہے، اس پر تمھارے چلنے پھرنے کے لیے چاروں طرف راستے کھلے ہیں، جہاں چاہو چلے جاؤ اور اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کا لطف اُٹھاؤ۔

بھائیو! اللہ نے مجھے اپنے پیام سے نوازا ہے، مَیں اُس کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کا امین ہوں، میرا کام یہی ہے کہ مَیں اسے پورا کا پورا تمھیں پہنچا دوں ــ مَیں تم سے یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، یا میں غیب کی باتیں جانتا ہوں، یا اللہ نے اپنے سارے خزانے مجھے سونپ دیے ہیں، اور تم یہ بھی تو سوچو کہ میں اس خدمت کے لیے تم سے تو کچھ نہیں مانگتا۔ مجھے تو اپنے کام کی مزدوری اس جہان کے مالک کی طرف سے مل ہی جائے گی ــــــ بھائیو! میرا کہا مانو، مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمھارے انکار کی سزا میں اللہ تعالےٰ تم پر کوئی بہت بڑا عذاب نہ بھیج دے۔

حضرت نوح علیہ السلام پچاس کم ہزار سال تک یہی دعوت اپنی قوم کو پہنچاتے رہے ✦

(بقیہ مضمون صفحہ ...) مقبرہ جیب ہو چکا تھا ـــ سب سر جھکائے کھڑے تھے۔ بادشاہ حیرت سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا شاید اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ درباریوں پر یہ کیسا جادو ہو گیا ہے ✦ (سورۂ جن سے استفادہ کرتے ہوئے)

عقلی ثبوت

جناب سلیم محمد صاحب حکیم

خدا کی ہے ہم پر بہت مہربانی
کہ جس نے ضرورت کی ہر شے ہمیں دی

لڑکپن میں ماں باپ کی گود بخشی
کہ اُس ناتوانی میں حاجت تھی جس کی

ضرورت ہوئی پھر ادب سیکھنے کی
تو اُستاد و عالم ملے بہت سے ہی

کہیں سے ملی دستکاری کی دولت
کہیں طب و حکمت کے انمول موتی

خورد و نوش اور رہنے سہنے کی چیزیں
بنانے کی لوگوں کو توفیق بخشی

کسی کو مشقت کے پیشوں سے رغبت
کسی کو مہارت کسانی میں بخشی

کسی کو دماغ ایسا بخشا کہ اُس نے
جہاز اور ریل اور موٹر بنائے

ممالک کے نظم و تحفظ کی خاطر
کوئی گود سے ماں کی اُٹھا سپاہی

غرض ہم کو بخشی ہر اک وہ سہولت
ضرورت کہیں زندگی میں تھی جس کی

یہ الغرض ہم نے کبھی جانا بخوبی
ہے دُنیا کا سب کچھ ہمارے لیے ہی

مگر رہ گئی اک اہم تر ضرورت
کہ ہو انتظام اس کی تحقیق کا بھی

معلم ہے کوئی جو یہ بھی سکھائے
کہ کس کے لیے ہے یہ خود اپنی ہستی؟

یہ اشیاء یہ دولت یہ علم اور حکمت
یہ سب چیزیں فی الواقع ہیں کس نے بخشیں!

کہے کون آگاہ احکام ربا سے
کریں کس طرح پوری ہم اُس کی مرضی!

یہاں پر ہی ہوتا ہے احساس ہم کو
ہمیں سخت درکار ہے ایک ہادی

جہاں اُس نے پیدا کیے ہیں ہنرمند
جہاں اُس نے موجد کو ایجاد بخشی

جہاں فلسفہ علم و حکمت کے ماہر
ہمارے ہی ذہنوں کو بخشی فراخی

جہاں اُس نے چھوٹی بڑی ہر ضرورت
نہایت ہی شفقت سے آسان کر دی

وہاں ایک "حکیم" اور "ہادی" کی حاجت
بغیر اُن کے یہ زندگی تھی ادھوری

نہ پوری کرے اور ہمیں تشنہ چھوڑے
یہ مطلق نہیں عقل میں بات آتی

ضرور ایسے بندے بھی آتے رہے ہیں
جو بھیجے گئے دے کے علم الٰہی

مکرر یہ بات آ گئی سامنے اب
رسالت ہے ثابت محض عقل سے بھی

فضل حسین خاں صاحب ناظم دربھنگہ

آخری رسولؐ کا ایک وعظ

پیارے نبیؐ اللہ کے آخری رسول تھے، آپ کو اللہ نے ساری دُنیا کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔ رہتی دُنیا تک اب کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا، آپ ہی کی پیروی میں سارے انسانوں کی فلاح تھی۔ پیارے نبی اپنے اس منصب کو خوب سمجھتے تھے، اسی لیے اللہ کا پیغام پہنچانے میں آپ نے بڑی محنت کی۔ اللہ کی مرضی بتائی اُس پر چل کر دکھایا۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے آپ نے بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائیں۔ آپ کی ساری دوڑ دھوپ خود انسانوں ہی کی بھلائی کے لیے تھی۔ اپنی اس کوشش کے لیے آپ کسی سے کوئی اُجرت بھی طلب نہیں کرتے تھے، لیکن بے لوث خدمت کے باوجود نادانوں نے آپ کی شدید مخالفت کی، طرح طرح سے ستایا، قدم قدم پر روڑے اٹکائے، گھر سے بے گھر کیا، جان لینے کے درپے ہوئے، حتیٰ کہ جنگ تک پر مجبور کیا۔ وہ ہستی جو ساری دُنیا کے لیے رحمت بن کر آئی تھی، پتھر مارنے والوں کے لیے بھی دعائے خیر کرتی تھی۔ اسے بہت سی لڑائیاں تک لڑنی پڑیں۔

مزاحمت کرنے والوں میں کفار و مشرکین بھی تھے، یہود و نصاریٰ بھی، دُنیا پرست بھی تھے اہلِ مذاہب بھی، جنگیں اِن سے بھی ہوئیں، جنگیں اُن سے بھی ہوئیں، اکثر جنگوں میں تو آپ کو خود بھی شریک ہونا پڑا جن جنگوں میں آپ بھی تشریف لے گئے وہ غزوہ کہلاتی ہیں۔ غزوۂ تبوک بھی اسی قسم کا ایک غزوہ تھا۔

تبوک، عرب و شام کی سرحد پر ایک شہر ہے، آپ کو اطلاع ملی کہ جنگِ موتہ کی شکست کا بدلہ لینے اور تحریکِ اسلامی کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل دینے کے لیے قیصرِ رُوم کی فوجیں سرحد پر جمع ہو رہی ہیں، عرب کے بعض عیسائی قبائل بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے مدینے پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ایسی حالت میں اہلِ حق کا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا، یا خاموشی سے سب کچھ دیکھتے رہنا کسی طرح مناسب نہ تھا، مدافعت بہرحال ضروری تھی۔ نہ صرف اپنے وجود کے لیے، بلکہ دعوتِ حق کے لیے بھی۔ کیونکہ داعیانِ حق، اس مٹھی بھر جماعت کا موت کے گھاٹ اتر جانے یا باطل پرستوں کے لیے آسانی سے تر نوالہ بن جانے کے یہ معنی تھے کہ اب قیامت تک کے لیے شمعِ ہدایت گُل ہو گئی۔ چنانچہ آپ نے مدافعانہ جنگ کا فیصلہ فرمایا اور رسالت

لے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ بھی طے کیا کہ حملہ آور فوج کا مقابلہ چل کر سرحد ہی پر لیا جائے تاکہ اندرونِ ملک کے امن میں خلل نہ پڑنے پائے۔

یہ غزوہ اُس وقت پیش آیا جب کہ عرب کی گرمی اپنے شباب پر تھی، مدینے میں میوے پک گئے تھے، فصل بالکل تیار ہو چکی تھی، اب تو میوے کھانے اور سائے میں بیٹھنے کے دن قریب آ رہے تھے۔ فصل کو چھوڑ کر جانا سال بھر فاقہ کشی کو دعوت دینا تھا۔ مسلمان یوں بھی بے سروسامان تھے۔ انتہائی عسرت کا دَور، اور دُنیا کی سب سے بڑی حکومت کا مقابلہ، سفر تا دور و دراز اور پلّے کچھ نہیں۔ عجیب پریشانی کا عالم تھا۔ مگر کرتے کیا؟ تحریکِ اسلامی کی موت و حیات کا بھی تو سوال تھا۔ چنانچہ صحابۂ کرامؓ نے کسی بات کی پرواہ نہ کی۔ اسلام کے اُن شیدائیوں نے دل کھول کر اعانت کی، خلوص و فراخ دلی کا پُورا پُورا ثبوت دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے تو اپنا سب کچھ لا کر پیارے رسولؐ کے قدم مبارک پر ڈال دیا، اور گھر میں اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے تمام اثاثے کا نصف حاضرِ خدمت کیا ــــ غرض ہر فدائی نے اپنی مقدرت سے زیادہ پیش کرنے کی کوشش کی۔ مگر پھر بھی آخر کتنا، ان بے چاروں کے پاس دل کے سوا تھا ہی کیا؟ بہرحال تیس ہزار فوج بہت قلیل ساز و سامان کے ساتھ راہِ حق میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے تو اللہ کی نصرت پر بھروسہ تھا۔ راستے میں انتہائی شدید تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑا۔ پیٹ بھرنے کے لیے پتیاں چبانی پڑیں، پیاس بجھانے کے لیے اونٹوں کے پیٹ چاک کر کے ان کا پانی پینا پڑا۔ مگر

ان جاں بازوں نے سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور بالآخر تبوک پہنچ گئے۔

داعیانِ حق کی یہ ہمت دیکھی تو اہلِ شام کے قدم ڈگمگا گئے۔ انھوں نے اس موقع پر جنگ مناسب نہ سمجھی۔ بلکہ آں حضرتؐ کے بعد حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنا کر جنگ ملتوی کر دی ــــ تبوک پہنچ کر آپ نے ایک ماہ قیام فرمایا۔ اطراف کے عیسائی قبائل میں دعوت تبلیغ کا کام شروع کیا۔ تبوک ہی کے قیام میں ایک نماز کے بعد آپ نے وعظ فرمایا۔ یہ وعظ ہے تو بہت مختصر مگر انتہائی جامع ایک ایک جملہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

اللہ جل شانہٗ کی بہترین حمد و ثنا کے بعد آپؐ نے فرمایا:

صداقت میں ہر کلام سے بڑھ کر اللہ کا کلام ہے؛
سب سے زیادہ قابلِ اعتماد بات تقویٰ کا کلمہ ہے؛
تمام ملتوں میں افضل ترین ملّتِ ابراہیمؑ ہے؛
تمام سُنن سے بہتر سُنّتِ محمدؐ ہے؛
اللہ کے ذکر کو ہر بات پر شرف حاصل ہے؛
بیانات میں پاکیزہ ترین یہ قرآن ہے؛
کاموں میں بہترین اولوالعزمی کے کام ہیں؛
امور میں بدترین وہ امر ہے جو (دین میں) [illegible] ہو؛
انبیاؑ کا لایا ہوا طریقۂ حیات تمام (خود ساختہ) طریقوں سے بہتر ہے؛
شہدا کی موت، اموات کی تمام اقسام سے بلند تر ہے؛
سب سے بڑا اندھاپن وہ گمراہی ہے جو ہدایت پانے کے بعد ہو؛
اعمال میں بہترین وہ عمل ہے جو نفع بخش ہو؛
سب سے بہتر وہ طریقِ حیات ہے جس پر چلا جا سکے [illegible]؛

دل کا اندھا پن بدترین اندھا پن ہے'
(دینے والا) بلند ہاتھ (لینے والے) پست ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے'
قلیل مال (جو صرف ناگزیر ضروریات کے لیے کفایت کرے)
اس کثیر مال سے بہتر ہے جو انسان کو (مواخذے سے)
غافل کر دے۔
بدترین معذرت (توبہ) وہ ہے جو نزع کے وقت کی جائے'
سب سے بڑی رسوائی وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگی'
بعض لوگ جمعہ میں شرکت تو کرتے ہیں مگر ان کے دل پیچھے
لگے ہوتے ہیں'
بعض لوگ ان میں ایسے ہیں جو اللہ کا ذکر کبھی کبھی کیا کرتے ہیں'
گناہوں میں عظیم ترین جھوٹی زبان ہے'
دل کی تونگری سب سے بڑی تونگری ہے'
(سفرِ آخرت کے لیے) سب سے عمدہ زادِ راہ تقویٰ ہے'
سب سے بڑی دانائی خوفِ خدا ہے'
دل میں جاگزیں ہونے کے لیے مناسب ترین چیز
یقین (محکم) ہے'
شک و تذبذب کفر (ہی کی ایک شاخ) ہے'
جاہلیت کے کاموں میں سے ایک بین کر کے رونا بھی ہے'
بد دیانتی کرنا عذابِ جہنم کا سامان کرنا ہے'
نشے سے بدمست ہو جانا جہنم کی آگ میں پڑنا ہے'
اکثر اشعار ابلیس کا حصہ ہیں'
شراب نوشی تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے'
بدترین روزی یتیم کا مال ہڑپ کرنا ہے'
سعادت مند وہ ہے جو دوسروں کے انجام سے عبرت حاصل کرے'
بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت ہو'

اعمال کا بہترین انجام ہی ان کا اصل سرمایہ ہے'
خوابوں میں بدترین جھوٹا خواب ہے'
ہر پیش آنے والی چیز (خواہ وہ موت ہو یا قیامت
یا اور کچھ) بہت ہی قریب ہے'
مومن کو گالی دینا فسق ہے'
مومن کو قتل کرنا کفر ہے'
مومن کا گوشت کھانا (یعنی پیٹھ پیچھے اُس کی برائی کرنا)
اللہ کی نافرمانی کرنا ہے'
مومن کا مال بھی اُس کے خون کی طرح حرام ہے'
جو اللہ سے بے نیازی برتتا ہے اللہ اُسے جھٹلاتا ہے'
جو دوسروں کے عیوب چھپاتا ہے' اللہ اُس کے
عیوب چھپاتا ہے'
جو دوسروں کے قصور معاف کر دیتا ہے' اللہ اُس کے
قصور معاف کر دیتا ہے'
غصہ پی جانے والے کو اللہ اجر دیتا ہے'
نقصان پر صبر کرنے والوں کو اللہ اس کا بدل
دیتا ہے'
جو چغلی کی بات پھیلاتا ہے' اللہ اس کی رسوائی عام
کر دیتا ہے'
جو کم پر صبر کرتا ہے اللہ اُس کی ہر چیز میں اضافہ کر دیتا ہے'
جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ اُسے عذاب میں
مبتلا کرتا ہے"

اس بیش بہا وعظ کے بعد پیارے نبیؐ نے تین بار
توبہ و استغفار کیا' اور اپنی تقریر ختم کر دی +
کیا سبق آموز تھا اللہ کے رسولؐ کا یہ چھوٹا سا وعظ ___

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

دادا میاں ـــــ اور ـــــ ہم

دادا میاں سے اپنے
بتلائیے یہ ہم کو
ایماں ہو جب خدا پر
تو کیا ضروری ہے کہ

دادا میاں یہ سن کے
"میرے عزیز بچو
صفو، شمیم دونوں
اپنا علاج کیا وہ

ہم:
صفو، شمیم، دونوں
اپنا علاج ہرگز

دادا میاں:
تو پھر ہمیں بتاؤ
اپنا علاج خود ہی

ہم:
کیا ڈاکٹر ہیں دونوں؟
خود سے ہی کریں گی

دادا میاں:
اچھا یہ غرض کرلو
اگر خود علاج اپنا

اک دن یہ ہم نے پوچھا
سمجھائیے یہ ہم کو
ایماں ہو جب جزا پر
ایماں نبی پہ لائیں

کہنے لگے یہ ہم سے
اچھا ہمیں بتاؤ
بیمار جب ہوئی تھیں
خود آپ کرسکی تھیں"

بیمار جب ہوئی تھیں
دونوں نہ کرسکی تھیں

کیوں اور کس لیے وہ
کرنے سے تھیں وہ عاجز؟

کیا ہیں طبیب دونوں؟
اپنا علاج دونوں؟

صفو، شمیم دونوں
کرنے اگر وہ لگتیں

انجام اس کا آخر

ہم:
ہاں دونوں، اور خود سے
ظاہر ہی ہے اس سے
تندرست وہ نہ ہوتیں

دادا میاں:
معلوم ہو یہ تم کو
بیمار گر ہو کوئی
یا تو وہ خود ہی اپنا
یا پھر علاج اپنا
ان دونوں راستوں سے
بیماری رفتہ رفتہ
انجام کار ہاں وہ

کیا ہوتا، یہ تو سوچو!

اپنا علاج کرتیں
بیماری اور بڑھتی
گھل گھل کے یوں ہی مرتیں

اور جان لو یہ تم سب
اُس کے لیے ہے لازم
کرلے علاج بچو
کروائے دوسرے سے
ہٹ کر چلے جو کوئی
اُس کی بڑھے گی سُن لو
دُنیا سے چل بسے گا

بالکل اسی طرح سے
لائے خدا پہ ایماں
لیکن خدا کی پوجا
اپنے ہی علم سے وہ
معبود حق تلک وہ
اور اُس کے واسطے وہ

جو شخص بھی پیارو
رکھے جزا پہ ایماں
جس طرح چاہے کرلے
اپنی ہی عقل سے وہ
چاہے اگر پہنچنا
رستہ نیا بنائے

اس راستے ہی پر وہ
تو سن لو اے پیارو
ظن ہے گماں ہے لیکن
گمراہ ہے وہ انساں
اس کو رہِ ہدایت
یوں ہی بھٹکتا پیارو
اور ہاں یہ ساری دُنیا
ربِ عظیم اُس کو

ہم:
اچھا تو آپ ہم کو
کہتے نبی ہیں کس کو؟

دادامیاں:
ہاں! اگر رہِ ہدایت
احکام بھی خدا کے

چلتا رہے ہمیشہ
کہ ایسے شخص کے ہاں
علم و یقیں نہیں ہے
شیطاں کا ہے وہ چیلہ
ہرگز نہیں ملے گی
پھرتا رہے گا یاں وہ
جس آن ختم ہوگی
دوزخ میں پھینک دے گا

دادا بتائیے نا
کہتے رسل ہیں کس کو؟

رب سے ملے کسی کو
آتے ہوں پاس اس کے

تو سن لو پیارے بچو
بھٹکے ہوؤں کو سیدھی
اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ[1] کا
اپنی طرف سے ہرگز
کہتے وہی ہیں جو کچھ
سمجھو طبیب ہیں یہ
ہم ہیں مریض سارے
بس ہے یہ ہم پہ لازم
جو کچھ طبیب بولے
پرہیز جو بتائے
ہرگز نہ جی چرائیں
تب ہی ہے کامیابی

اُس کو نبی ہیں کہتے
ہیں راہ یہ بتاتے
پیغام ہیں سُناتے
کہتے نہیں ہیں کچھ بھی
اُترے وحی کے ذریعے
یا ڈاکٹر ہیں سب کے
بیمار ہم ہیں سارے
ہے فرض یہ ہمارا
اُس پہ عمل کریں ہم
اُس سے نہ منہ پھرائیں۔؟
ہذیاں نہ اس کو سمجھیں
تب ہی ہے کامرانی

دارالعمل میں بھی ہے
یوم الحساب میں بھی

[1] وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۔ جن اور انسانوں کو تابعداری ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔

ابو محمد حافظ امام الدین صاحب رام نگری

زندگی پر عقیدہ رسالت کا اثر

جو لوگ وحی و رسالت پر سچا ایمان و یقین رکھتے ہیں اُن کے اعمال و اخلاق کیسے ہوتے ہیں؟ اور ان کی زندگیاں انسانیت کا کیسا پاکیزہ مرقع ہوتی ہیں، یہ سب باتیں ذیل کے چند واقعات سے معلوم ہوں گی:

حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، ایک مرتبہ اپنے بھتیجے کے ساتھ رسی میں بکریاں باندھے ہوئے مدینے پہنچے اور دریافت کیا حضورؐ کہاں ہیں؟ معلوم ہوا اُحد کی لڑائی پر تشریف لے گئے ہیں، حضرت وہب بکریوں کو وہیں چھوڑ کر حضور کے پاس پہنچ گئے، اُسی وقت کفار کی ایک جماعت یلغار کرتی ہوئی آئی، حضورؐ نے ارشاد فرمایا: "کہ جو ان کو منتشر کر دے وہ جنت میں میرا ساتھی ہے" حضرت وہبؓ نے یہ سُن کر زور سے تلوار چلانی شروع کی، اور سب دُشمنوں کو پیچھے ہٹا دیا، دوسری مرتبہ پھر یہی صورت پیش آئی، تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا اور حضور نے ان کو جنت کی خوش خبری دی۔ اس بار حضرت وہبؓ کفار کے ہجوم میں گھس گئے، اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضرت سعد بن وقاص کہتے ہیں کہ وہب جس دلیری اور بہادری سے لڑے، اس دلیری اور بہادری سے میں نے کسی کو لڑتے نہ دیکھا۔ وہبؓ کی شہادت کے بعد میں نے حضور کو دیکھا کہ ان کے سرہانے کھڑے ہیں، اور ارشاد فرما رہے ہیں "اللہ تم سے راضی ہو، میں تم سے راضی ہوں" اس کے بعد آپؐ نے خود اپنے ہاتھوں سے لاش دفن کی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ "مجھے کسی کے عمل پر اتنا رشک نہیں آیا، جتنا وہب کے عمل پر آیا، میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ کے پاس ان کا جیسا اعمال نامہ لے کر پہنچوں"۔

ایک لڑائی میں حضرت موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ: "جنت کے دروازے تلوار کے سائے کے نیچے ہیں" ایک صحابی نے اُٹھ کر دریافت کیا کہ "کیا تم نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے"؟ اُنھوں نے جواب دیا "ہاں" صحابی موصوف اسی وقت اُٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے، اور الوداعی سلام کر کے رُخصت ہوئے، راستے میں تلوار کی میان توڑ کر پھینک دی، اور دُشمنوں کی صف میں گھس کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ایک دفعہ حضرت حلیمہؓ کے شوہر یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ مکے میں تشریف لائے تو قریش نے کہا: "تم نے کچھ سُنا ہے، تمہارا بیٹا کہتا ہے، لوگوں کو مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا ہے"۔ اُنھوں نے حضورؐ سے پوچھا: "بیٹا! یہ کیا کہتے ہو؟" آپ نے فرمایا: "وہ دن آنے گا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ میں جو کہتا تھا،

"تھا" حضورؐ کا یہ ارشاد سن کر فوراً مسلمان ہوگئے۔ اور اُن کو حضورؐ کے ارشاد پر ایسا یقین تھا کہ ہمیشہ کہتے رہتے تھے، "کہ میرا بیٹا ہاتھ پکڑے تو مجھے جنت میں پہنچا کر ہی چھوڑے گا۔"

دیکھیے کیا شانِ ایمان ہے! حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، تو صحابۂ کرام رو رو کر کہنے لگے، "کیا پتا ہو کہ آپ کے بعد ہمارے دین میں کوئی خلل آجائے، اس لیے کیا اچھا ہوتا کہ آپ سے پہلے ہم مرجاتے۔" حضرت معنؓ بن عدی نے کہا کہ میں تو ایسا نہیں چاہتا، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے بعد زندہ رہوں، اور جس طرح میں نے آپ کی زندگی میں آپ کی نبوت کی تصدیق کی اسی طرح آپ کے بعد بھی آپ کی تصدیق کرتا رہوں۔"

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدو سے گھوڑا خریدا، اور قیمت دینے کے لیے اُسے ساتھ لے کر چلے، حضورؐ قدم بڑھاتے ہوئے آگے نکل گئے، بدو پیچھے رہ گیا۔ لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ گھوڑے کا سودا ہو چکا ہے، وہ مول بھاؤ کرنے لگے۔ بدو نے دیکھا کہ بہت سے لوگ گھوڑے کے خواستگار ہیں تو حضورؐ کو آواز دے کر کہنے لگا: "آپ گھوڑے کو لیتے ہیں تو لیجیے، ورنہ میں فروخت کر دیتا ہوں" حضورؐ نے فرمایا "تم تو گھوڑا میرے ہاتھ فروخت کر چکے ہو۔" اُس نے کہا میں نے کہاں فروخت کیا ہے؟ اگر کوئی گواہ ہو تو پیش کیجیے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے حضورؐ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کیا ہے۔"

حضرت خزیمہؓ گھوڑے کے سودے کے وقت موجود نہ تھے، اس لیے حضورؐ نے پوچھا: "تم نے کیسے گواہی دی؟" اُنھوں نے جواب دیا: "آپ کی تصدیق کی بنا پر۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خزیمہؓ کا اندازِ ایمان ایسا پسند آیا کہ حضورؐ نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دے دیا۔

حضرت حارثؓ بن نعمان ایک صحابی تھے جو نابینا ہوگئے تھے، اُنھوں نے دروازے تک ایک دھاگا باندھ رکھا تھا، کوئی محتاج آتا تو دھاگے کے سہارے دروازے تک جاتے اور محتاج کو کھجور دیتے، گھر والوں نے کہا: "یہ کام ہم کر دیا کریں گے۔" آپ نے کہا: "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مسکین کو دینا بُری جگہ گرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔"

ایک مرتبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر تقریر فرمائی، پھر حضورؐ کے حکم سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق نے بھی باری باری تقریر کی، پھر عبداللہ بن مسعودؓ کو ارشاد ہوا کہ وہ بھی تقریر کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حمد و نعت کے بعد یہ تقریر کی:

"اے لوگو! بے شک اللہ ہمارا پروردگار ہے، اور بے شک اسلام ہمارا دین ہے، اور بے شک یہ ہمارے نبی ہیں، (اور ہاتھ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا) اللہ و رسول نے جو کچھ ہمارے لیے پسند کیا، اُسے ہم نے پسند کیا۔ السلام علیکم +"

بھائیو! اگر تمہیں ذرا بھی سمجھ ہے تو صرف اللہ کی بندگی کرو، اُس سے ڈرو، اور اُس کی نافرمانی سے بچو۔ ...ی میں تمہاری خیر ہے۔ یہ آستانوں کی پرستش اور اپنی من گھڑت باتوں کی پیروی ٹھیک نہیں۔ ان میں سے ...ن ایسا ہے جو تمہیں روزی دیتا ہو۔ اللہ کی مکمل اطاعت اختیار کرو، اُسی سے اپنا رزق طلب کرو، اور اُس ... خالق اور مالک ہونے کا پورا پورا حق ادا کرو، آخر تم سب کو لوٹ کر اُسی کے پاس تو جانا ہے۔

اتنا کچھ سمجھانے کے بعد بھی اگر تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو سُن رکھو کہ تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں ... اللہ کی باتوں کو اس طرح جھٹلایا ہے، پھر دیکھو ان کا انجام کیا ہوا۔ رہ گیا میرا کام تو رسول کے ذمے تو اتنا ہی ہے کہ وہ بات کو ٹھیک ٹھیک پہنچا دے۔ ماننا یا نہ ماننا تمہارا اپنا کام ہے۔

عزیز حکیم

...! تم آج نافرمانیاں کرتے ہو، اور
پھر بھی زندہ رہتے ہو،
—— آزاد پھرتے ہو،
—— پھلتے اور پھولتے ہو،
—— لذتیں اُٹھاتے اور مزے لوٹتے ہو،
... وہ شہنشاہِ عالم تمہیں نہیں پکڑتا،
—— سزا نہیں دیتا،
—— نعمتیں چھین نہیں لیتا،
لیکن کیا ایسا ہی ہمیشہ ہوگا؟
...یہ سخت نادانی کی بات ہے،
—— یہ نفس کا دھوکا ہے، گمان کا فریب ہے،
...لومت کہ وہ صرف طاقت ہی نہیں رکھتا،
—— اس میں حکمت کا نور بھی ہے،
—— اس میں رحمت کا حُسن بھی ہے،
—— اس میں شفقت کا سوز بھی ہے
حکمت اُس کی طاقت کی رہنما ہے،
طاقت اُس کی رحمت کی [illegible] ہے

طاقت کہتی ہے، نافرمانوں کو کچل دو!
حکمت اسے بُردباری سکھاتی ہے،
رحمت اس کی باگیں پکڑ لیتی ہے،
اور کہتی ہے: ——
بندہ بھولا ہوا ہے،
غفلتوں کے جال میں پھنسا ہوا ہے،
تمناؤں کے اندر اُلجھا ہوا ہے۔
—— وہ تھڑدلا ہے، سادہ لوح ہے،
ذرا اسے مہلت دو اور موقع دو،
شاید کہ اب سنبھل جائے،
بیدار ہو جائے، ہوشیار ہو جائے،
طاقت اس حکم کے آگے سر جھکا کر کہتی ہے،
اچھا! یوں ہی سہی،
کچھ دن اور سہی،
آخر وہ میرے دائرے سے باہر تو نہیں،
میری حکومت کے گھیرے سے بھاگ تو نہیں جائے گا،
جب بھی اس کی مہلت پوری ہو چکے گی،
حجت تمام ہو چکے گی،
اسے آنا میرے ہی حضور ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت

ابا جان! یہ آپ کس کی پوجا میں لگے ہوئے ہیں! دیکھیے تو سہی، یہ نہ تو آپ کی سُنتے ہیں، اور نہ بیچارے کچھ دیکھ ہی سکتے ہیں۔ یہ آپ کے کس کام آ سکتے ہیں جو آپ ان کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگا کرتے ہیں؟

ابا جان! مجھ کو کچھ ایسی باتیں بھی معلوم ہیں جو آپ نہیں جانتے۔ آئیے، میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں، آپ میرا کہا مانیے، اور شیطان کی تابعداری چھوڑ دیجیے ـــــــ شیطان وہی تو ہے جس نے اس جہان کے مہربان آقا کی نافرمانی کی ہے۔

ابا جان! مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر آپ نے اُس رحمان کی بندگی اختیار نہ کی تو کہیں اُس کا عذاب آپ کو نہ آن دبوچے اور آپ بھی شیطان کے ساتھی نہ بن جائیں، مجھے تو یہ یقین ہے کہ آپ اور آپ کی قوم کے یہ سب لوگ بالکل بہک گئے ہیں۔

میں نے آپ کے ستاروں کو بھی دیکھ لیا، آپ کے چاند کو بھی پرکھ لیا، اور آپ کے بڑے دیوتا سورج کو بھی سمجھ لیا۔ ان میں سے کوئی بھی انسان کی بندگی کے لائق نہیں ہے، یہ سب کے سب تو خود بندگی میں لگے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ میں سخت بیزار ہوں کہ اس طرح اس کائنات کے مالک کے ساتھ خود اس کائنات کی چیزوں کو شریک بناؤں ـــــــ اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اُس نے اپنے فضل سے مجھے ہدایت بخشی نہیں تو میں بھی گمراہ ہو جاتا۔

میں نے تو ہر طرف سے منہ موڑ کر اپنا رُخ اب اُس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ہیں، اور میں اب کسی کو اُس کا ساجھی نہیں ٹھہرا سکتا۔

تم جتنی کٹ حُجتی چاہو مجھ سے کر لو، مجھے اب سیدھی راہ مل گئی ہے، میں تمھارے ان معبودوں سے نہیں ڈرتا، جن کو تم اللہ کا ساجھی بناتے ہو۔

تم بس یہی تو کہتے ہو نا، کہ ان بُتوں کی پوجا تمھارے باپ دادا سے ہوتی آئی ہے، لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ذرا سوچو تو سہی، کیا اگر باپ دادا کوئی غلطی کرتے رہے ہوں تو اُس کا بھی کرنا ضروری ہے؟

دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ کیا یہ معبود تمہیں نفع یا نقصان پہنچانے کی بھی قوت رکھتے ہیں؟ یہ تو خود اتنے بےبس ہیں کہ اپنے آپ کو بھی نہیں بچا سکتے۔ حیف ہے تم پر بھی اور تمھارے معبودوں پر بھی۔

[illegible]

کتنی دل چسپ ہیں یہ کتابیں!

سنیچر والے

اللہ کی نافرمانی کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈھ لینے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ ... کو بھی نیکی کا حکم کرنے والے اللہ کے عذاب سے کس طرح بچا لیے جاتے ہیں؟ یہ ساری باتیں تمھارے سمجھانے کے لیے ... کتاب لکھی گئی ہے۔ یہ وہی واقعہ ہے جو قرآن میں اصحاب السبت کے نام ... تم پڑھو گے لیکن لکھا اس طرح ہے کہ تم پوری ... پوری نصیحت حاصل کرو گے ... کرو گے۔ قیمت صرف چار آنے۔

غار والے

... یہ فیصلہ کر لیا کہ ان کا رب اللہ ہے ... کوئی ان کے رستے سے نہ موڑ سکا۔ انھوں نے یہ تو کیا ... ایک غار میں جا چھپے لیکن اللہ کا ... قرآن میں ان لوگوں کو اصحاب کہف کہا گیا ہے ... اندازمیں ان کی کہانی پڑھو اور سبق حاصل کرو ... حضرت یوسف کا قصہ ... پڑھو۔ بہت خوبصورت ٹائٹل قیمت چار آنے ۴ر

گاؤں والے

اُن تین آدمیوں کے ساتھ گاؤں والوں نے ایسا برتاؤ کیا؟ ... ایک نیک آدمی نے انھیں ... کو قتل کر ڈالا تب گاؤں پر کیا مصیبت ٹوٹی۔ لوگوں کا حشر ہوا؟ ایک قرآنی واقعہ آسان اور دل چسپ خوشنما ٹائٹل۔ قیمت پانچ آنے ۵ر

انسان کی کہانی

اُنھوں نے بیا کو اس کے ابا جان چونکا نہ دیتے تو معلوم نہیں وہ بستر پر پڑا پڑا کیا کیا سوچتا رہتا۔ بیچارہ یہ سوچ رہا تھا کہ دنیا میں انسان کیسے آگیا۔ اس دل چسپ کتاب سے تمھیں یہ معلوم ہوگا کہ دنیا میں پہلا انسان کس طرح آگیا۔ پھر اس نے کس طرح ترقی کی۔ پہلا انسان کیا جانتا تھا اور کیا نہیں جانتا تھا اور ہاں یہ کتاب تمھیں یہ بھی بتائے گی کہ انسان نے اللہ کی ہدایت کو کیسے کیسے بھلایا۔ اس کو یہ بھولا ہوا سبق بار بار کس طرح پڑھایا گیا۔ پھر اللہ کی ہدایت کو نہ ماننے والوں کا انجام کیا ہوا۔ بہت دل چسپ جلد بندھی ہوئی ٹائٹل خوبصورت۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ر

عید کا تحفہ

محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ

دو سبق آموز اور دل چسپ افسانوں کا مجموعہ جو عورتوں کے لیے آسان اصلاحی لٹریچر میں ایک بہت اچھا اضافہ ہے باتوں ہی باتوں میں اہم اخلاقی پہلوؤں کی اصلاح ایسے دل چسپ انداز میں کی گئی ہے جو خواتین کے نفسیات کے عین مطابق ہے۔ یہ کتاب آپس میں تحفہ اور ہدیہ دینے کے لائق ہے۔ یہ دو افسانے الحسنات میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب کتابی صورت میں نہایت دیدہ زیب ٹائٹل اور عمدہ طباعت و کتابت کے ساتھ شائع کیے جا رہے ہیں۔

قیمت چار آنے

منیجر مکتبہ الحسنات۔ رام پور



جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر دہلی

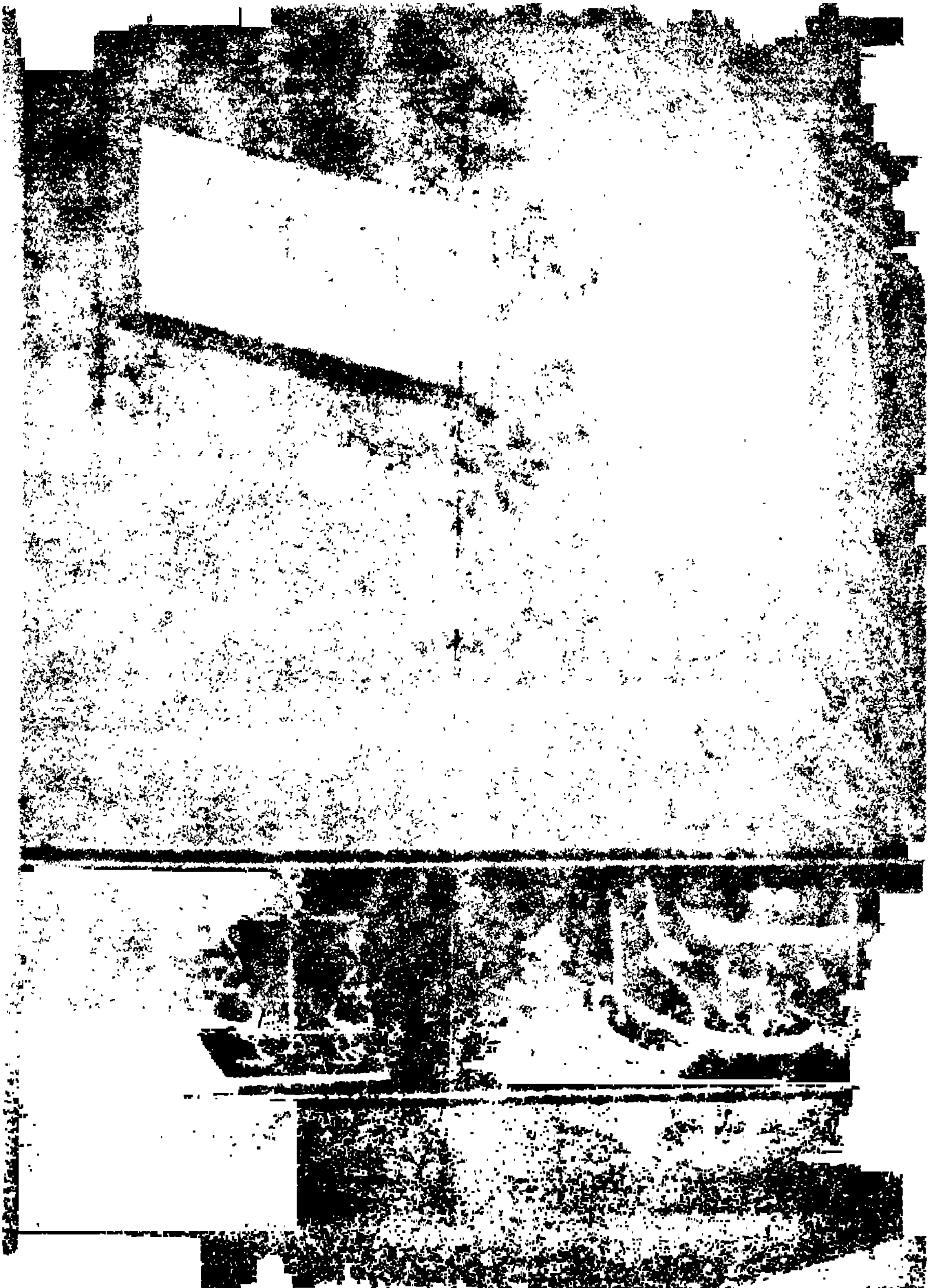
رسالت نمبر

ایک روپیہ

DELHI PHOTO ART PRESS RAMPUR U. P

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں



جلد [illegible] — نمبر ۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

رام پور

فروری دوم

مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

مدیر: ابو السلیم محمد عبد الحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے ۔ پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے ۔ تین روپے
فی کاپی ——— چار آنے

فہرست مضامین

[illegible] پبلشر نے برقی پریس رامپور میں چھپواکر دفتر الحسنات رامپور سے شائع کیا

احساسات

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم الحسنات کے "رسالت نمبر" شائع کرنے کے ارادے کو پورا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کوشش کو قبول فرمائے۔ اور ہماری کوتاہیوں اور لغزشوں کو معاف فرماتے ہوئے زندگی کی اس مُہلت میں اس سے بڑھ کر کچھ اور کوششیں کرنے کی توفیق عطا فرمائے ——— ہماری یہ کوشش کیسی رہی؟ اس کا صحیح جواب تو ہم نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ اگر انجام کے لحاظ سے یہ کوشش اللہ تعالیٰ کو مقبول ہوئی تو سب کچھ ہے، نہیں تو ہزاروں تعریف کے خطوط اور سیکڑوں شاندار تبصرے سب بے کار ہیں ——— ہاں اگر ہم یہ نہ کہیں تو ناشکری ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حوصلوں کو بڑھانے اور ہم جیسے کمزور ایمان رکھنے والوں کی ہمت بندھانے کے لیے بھی پورا پورا انتظام فرما دیا۔ "رسالت نمبر" پڑھنے والوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار ہماری اُمید سے کہیں زیادہ کیا۔ ایجنٹوں نے بار بار رسالے طلب کیے، خریداروں نے ہمت بڑھانے والے خطوط لکھے، اخبارات نے حوصلہ بڑھانے والے تعارف اور تبصرے کیے ——— پہلی بار جو تعداد چھپوائی تھی وہ ایک ہفتے کے اندر ہی نکل گئی اور فوراً ہی دوبارہ طباعت کرانی گئی۔ اس سے زیادہ اور ہم کس بات کی توقع کر سکتے تھے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کچھ نہیں۔

ایک کھاتے پیتے گھرانے کے لڑکے اور لڑکیاں اچھی خاصی عمر تک کھیل کود اور تفریح میں وقت گذارتے رہتے ہیں، اور دُنیا کی ذمے داریاں ان پر بہت دیر میں ڈالی جاتی ہیں ——— لیکن ایک غریب آدمی کے بچے یہ آسانیاں نہیں پاتے۔ انھیں بہت جلد دُنیا کی ذمے داریاں سنبھالنے کے لیے تیار ہونا پڑتا ہے یہی حال آج کل مسلمان قوم کا ہے ——— اگر کسی مُلک میں اسلامی نظام قائم ہو تو قوم کے نوجوانوں کو یہ مُہلت مل سکتی ہے کہ وہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کی ذمے داریں

کے اُٹھانے میں کچھ تاخیر کر دیں، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو پھر بچے بچے کو ان ذمہ داریوں کو اُٹھانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم الحسنات پڑھنے والے نونہالوں کے سامنے کھیل کود اور تفریح کی باتیں پیش کرنے کے بدلے کچھ ٹھوس اور سنجیدہ باتیں پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سی باتیں انھیں کچھ بھاری معلوم ہوتی ہوں گی، لیکن کیا کیا جائے کہ ہم انھیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زمانے کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنی بساط سے زیادہ بوجھ اُٹھانے کے لیے تیار رہیں اور ابھی سے ان باتوں کو بھی سوچیں جو اکثر لوگ بڑی عمر میں سوچا کرتے ہیں۔

ہم اور وہ سب ایسے حالات سے گزر رہے ہیں جنھیں ہمیں جلد سے جلد بدلنا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں اطمینان اور سکون کیسا۔ یہ وقت تو سخت سے سخت کام کرنے کا ہی ہوتا ہے۔

رسالت نمبر کی اشاعت سے پہلے ہم بہت سے نمبروں میں مسلمانوں کی معاشی پریشانیوں اور اُن کے حل کے بارے میں مسلسل لکھتے رہے ہیں۔ اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا تعلق زیادہ تر مُلک کے عام حالات سے تھا، اور ان حالات کو سامنے رکھ کر ہم نے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ ایسے حالات میں مسلمانوں کے کرنے کے کام کیا ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندرونی حالات کو سامنے رکھ کر کچھ باتیں بتائیں۔

کسی گروہ اور کسی جماعت کی ترقی اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اُس کے اندر سے اختلاف اور انتشار کو دور نہ کر دیا جائے۔ تمام پروگراموں سے پہلے اس گروہ کو متحد کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے ہم اس اتحاد کے بارے میں کچھ باتیں بتانا چاہتے ہیں۔

اتحاد اور میل جول کی اہمیت کو سب جانتے ہیں۔ کون سا سمجھدار ایسا ہوگا جو اتحاد کی اہمیت سے انکار کر سکے۔ جب تک اتحاد نہ ہوگا کوئی گروہ ان مصیبتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو اس پر باہر سے پڑ سکتی ہیں۔ دشمنوں اور برا چاہنے والوں کی شرارتوں سے بچنے کے لیے آپس کا میل جول بہت ضروری ہے۔ جو گروہ منظم نہ [illegible]

جس کے افراد دل سے ایک دوسرے کے رنج اور خوشی کے ساتھی نہ ہوں گے اُس کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ جو چاہے گا اپنے بھلے کی خاطر اس کو نقصان پہنچا دے گا۔

باہر کے ان خطروں کے علاوہ ایسا گروہ اپنے اندر بھی اصلاح کا کوئی کام نہ کر سکے گا۔ ہر قسم کی ترقی کا دروازہ اس کے لیے بند ہوگا، آئے دن اس کو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور قدم قدم پر اس کے لیے مشکلیں ہی مشکلیں ہوں گی۔

یہ تو تھے اتحاد کے خالص دُنیاوی فائدے۔ ان کے علاوہ اسلام میں میل جول کی جو اہمیت ہے وہ بھی کم نہیں ہے، بلکہ سچ پوچھو تو اس اعتبار سے اس کا مقام بہت ہی اونچا ہے۔ آپس کے میل جول کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت فرمایا ہے۔ اس کا مطلب صاف صاف یہ ہے کہ جو گروہ اس نعمت سے محروم ہے وہ اللہ کی رحمت سے دُور ہے۔ پھر اسلامی عبادات پر نظر ڈالو تو معلوم ہوتا ہے کہ اتحاد اسلام کی رُوح ہے۔ نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کی تاکید ہے۔ زکوٰۃ کو ادا کرنے کے لیے اجتماعی نظم ضروری ہے۔ روزہ بھی مِل جُل کر ایک ہی زمانے میں ایک ساتھ رکھنے کا حکم ہے۔ اور حج سے بڑھ کر تو اجتماعی عبادت اور کونسی ہو سکتی ہے۔ ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے، اور ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام جو قرآن اور حدیث میں صاف صاف بیان ہوئے ہیں انھیں سامنے رکھتے ہوئے، جماعتی اتحاد اور آپس کے میل جول کی بہت زیادہ اہمیت سامنے آتی ہے۔

بہر حال کسی حال میں بھی اتحاد کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن عام طور پر اتحاد کا جو مفہوم سمجھا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ اتحاد کے معنی اور اتحاد کی صورت متعین کرنے میں اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اتحاد مُفید ہونے کے بدلے اُلٹا مُضر ہو جاتا ہے۔

عام طور پر اتحاد کا نام لے کر جو کام کیے جاتے ہیں وہ کچھ ایسے ہوتے ہیں:

۱۔ ایک بھیڑ جمع کر لی جاتی ہے جس کے سامنے کوئی ٹھوس مقصد نہیں ہوتا۔

۲۔ اتحاد، اتحاد کا شور بہت مچایا جاتا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ اتحاد کس کام اور کس مقصد کے لیے مطلوب ہے۔

۳۔ اتحاد قایم کرنے کے لیے اتنا دیکھ لیا جاتا ہے کہ آسانی کے ساتھ اتحاد کہ

باتوں پر ہو سکتا ہے، بس انہیں کو بے سوچے سمجھے اختیار کر لیا جاتا ہے۔
۴۔ آپس کے اتحاد کے لیے دوسروں سے نفرت اور دشمنی کو ذریعہ بنایا جاتا ہے۔
۵۔ اتحاد کے لیے کچھ مادّی فائدوں کو بنیاد بنایا جاتا ہے، اور اس طرح اگر ایک گروہ کے درمیان کچھ اتحاد نظر آتا ہے تو دوسرے گروہوں سے اُس کی اتنی ہی زیادہ کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔
۶۔ کچھ وقتی فائدوں کی خاطر اتحاد کر لیا جاتا ہے۔ لیکن اتحاد کے لیے کوئی مضبوط بنیاد موجود نہیں ہوتی۔
۷۔ ایسے مقاصد کے لیے اتحاد کیا جاتا ہے جو خالص قومی ہوتے ہیں۔
یہ ساری بنیادیں بالکل غلط ہیں اور فائدہ دینے کے بدلے اُلٹا نقصان پہنچاتی ہیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ہم تفصیل سے بتائیں گے کہ ان بنیادوں پر اتحاد کے لیے جو کام کیے جاتے ہیں وہ کس طرح نقصان کا باعث ہوتے ہیں +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

(سورۂ ہود۔ رکوع ۱۰)

ہم اس سے پہلے موسٰی کو بھی کتاب دے چکے ہیں اور اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا تھا (جس طرح آج اس کتاب کے بارے میں کیا جا رہا ہے جو تمہیں دی گئی ہے) اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ کردی گئی ہوتی تو ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان کبھی کا فیصلہ چکا دیا گیا ہوتا۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ لوگ اس کی طرف سے شک اور خلجان میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ تیرا رب انھیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے کر رہے گا۔ یقیناً وہ ان کی سب حرکتوں سے باخبر ہے۔

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) حق کی دعوت پہنچانے والا جب پہلی بار میں لوگوں تک پہنچاتا ہے تو اس کو یہ توقع ہوتی ہے کہ لوگ حق بات کی طرف لپکیں گے اور اس بات جو سراسر ان کے ہی فائدے کی ہے جلد سے جلد قبول کرلیں گے۔ لیکن جب اکثر لوگ اس کی باتیں سن کر قدم آگے نہیں بڑھاتے اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہتے ہیں

اس کو دلی رنج ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اس کی تسلی اور اطمینان کے لیے کسی نہ کسی سہارے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔

سورۂ ہود کے مضامین تھوڑے تھوڑے کرکے آپ کے سامنے آتے رہے ہیں۔ مختلف قوموں نے مختلف نبیوں کی دعوت کے ساتھ کیا برتاؤ کیا، اور پھر انکار پر اڑنے والوں کا کیا انجام ہوا، یہ سب باتیں خوب کھول کھول کر اور واقعات کو سامنے رکھ رکھ کر واضح کی جا چکی ہیں۔ ان سب واقعات کو بیان کرنے کا مدعا یہی تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور آپ کے مومن ساتھیوں کو صبر کے ساتھ دعوت کے کام پر جمے رہنے کے لیے تیار کیا جائے۔ اسی مقصد کے لیے اب آخر میں حضرت موسٰی علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کے تفصیلی واقعات لوگوں کے سامنے ہیں۔ اس سے پہلے ان واقعات کو قرآن میں بھی مختلف انداز سے لوگوں کے سامنے رکھا جا چکا ہے، اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ ایک ایسی ہی الہامی کتاب جیسی کہ یہ قرآن مجید ہے حضرت موسٰی علیہ السلام کو بھی دی گئی تھی (اشارہ ہے توراۃ کی طرف) لیکن منکرین نے اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا تھا۔ لہٰذا اگر آج قرآن جیسی کتاب کے ساتھ اختلاف کیا جا رہا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اختلافات سے کوئی اثر نہ لینا چاہیے۔

(۲) جب انکار کرنے والے اللہ کی کھلی ہوئی نشانیوں کے باوجود حق کی دعوت کا انکار کرتے ہیں اور پھر بھی ان کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً کوئی پکڑ نہیں ہوتی تو وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ آیا جس دعوت کا انھوں نے انکار کیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے بھی یا نہیں ـــــــ کیوں کہ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ جب ہم اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت سے منھ موڑ رہے ہیں اور اُس کے احکام کی کھلی ہوئی مخالفت کر رہے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ جو ہم کو ہر قسم کی سزا دینے کی قدرت رکھتا ہے سزا کیوں نہیں دیتا۔ یہ سوچ کر وہ اس دعوت کی طرف سے اور بھی زیادہ شبہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اس شبہ کی حقیقت سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے ایک مستقل قانون کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ وہ لوگوں کے کاموں کا

بدلے اس دُنیا میں ہاتھوں ہاتھ نہیں چکا دیتا ہے۔ اُس نے زندگی کی مُہلت آزمائش کے لیے عطا فرمائی ہے۔ وہ اپنے بندوں کو پورا پُورا موقع دیتا ہے کہ وہ چاہیں تو اپنی روش کو بدل لیں اور اللہ کے اس عذاب سے بچ جائیں جو یا تو دُنیا میں ہی آکر ان کے عمل کی مُہلت کو ختم کر دے سکتا ہے، یا پھر قیامت میں، جس سے دوچار ہونا یقینی ہے۔

(۳) سرکشوں کی آزادی اور باغیوں کی مُہلت کو دیکھ کر کبھی کبھی حق کے داعیوں کے دل بھی ٹوٹنے لگتے ہیں۔ ان کے دل کو مضبوط رکھنے کے لیے دو باتیں صاف صاف بتائی جا رہی ہیں:

ا۔ جو سرکش اور باغی آج دندناتے پھر رہے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سر کبھی نیچا ہی نہ ہوگا وہ ہمیشہ اس چھوٹ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے، اللہ تعالیٰ ہر آن ان کو ان کے کاموں کا بدلہ دینے پر قادر ہے۔ اس کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ باغیوں کو فوراً ہی پکڑ لے۔ کیوں کہ نہ تو کوئی باغی اُس کی مملکت سے بھاگ کر کہیں اور پناہ لے سکتا ہے اور نہ ہی اس کی قوّت کوئی عارضی قوّت ہے جس کے ختم ہو جانے کا ڈر ہو۔ اگر سارا عالم بھی اُس سے باغی ہو جائے تو اُس کو آن کی آن میں سب کا سر کچل دینے کی طاقت ہے۔ اس لیے وہ سرکشوں کو فوراً ہی سزا دینے پر مجبور نہیں ہے۔ البتہ چونکہ وہ اپنے بندوں پر بے حد رحیم اور مہربان ہے، اس لیے وہ انھیں آخر گھڑی تک مُہلت دینا چاہتا ہے۔ تاکہ ان میں سے جس کے اندر ذرا سی بھی صلاحیت حق کو قبول کرنے کی ہو وہ اسے قبول ہی کر لے۔ حق کے داعیوں کو یہ بات ہر آن اپنی نظر کے سامنے رکھنی چاہیے۔

(ب) حق کی طرف لوگوں کو بلانے والوں کی محنت کا بدلہ اس پر موقوف نہیں ہے کہ ان کی بات کو سُن کر کتنے لوگ سیدھی راہ لگ گئے۔ ان کا مالک ان کے کام کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے ان سے یہ نہیں پوچھے گا کہ تم نے کتنوں کو نیک بنا دیا، ان کا آقا تو "علیم" اور "خبیر" ہے۔ اسے سب معلوم ہے کہ دعوتِ حق کا کام کرنے والوں نے کتنا کام کیا ہے اور کس نیت اور کس ارادے سے کیا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی مرضی حاصل کرنے کے لیے اپنی حد تک پورا پورا کام کیا ہے وہ انھیں خوب جانتا ہے۔ اور وہ انھیں ان کے کاموں کا پورا پورا

بدلہ دے گا۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ انکار کرنے والوں میں سے کتنوں نے ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کا انکار کیا ہے۔ کتنوں نے محض خود غرضیوں کی وجہ سے حق سے منہ موڑا ہے، اور کتنوں کے قدم محض مفاد پرستی کی وجہ سے حق کی راہ پر نہیں بڑھے ہیں۔

جب لوگوں کو یہ یقین ہے کہ انھیں اپنی محنتوں کا بدلہ ایسے "علیم" و "خبیر" مالک سے لینا ہے تو پھر اگر انکار کرنے والے انکار کریں تو ان کے دل کیوں ٹوٹیں، اور اگر وہ ان کا ساتھ نہ دیں تو ان کی ہمتیں کیوں جواب دینے لگیں۔ انھیں ہر حال میں اپنا کام کرتے رہنا چاہیے۔ اور اپنے صبر اور ایمان کا امتحان دے کر اپنے کو اللہ کی امداد کا مستحق بنانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے +

زندہ تو دشمن ـــــ مرگئے تو پیارے

صغرا بیگم کے پڑوس میں ایک گھر تھا۔ یہ بھی فساد کے زمانے میں اُدھر سے آکر یہاں بس گئے تھے۔ دو نوعمر لڑکیاں اور تیسری کچھ زیادہ عمر کی تھی۔ آپس میں نند بھاوجیں تھیں۔ بڑی نند تھی اور دونوں چھوٹی بہنیں رقیہ کے دو چھوٹے بھائیوں سے بیاہی ہوئی تھیں۔ ویسے سگی چچازاد بہنیں بھی تھیں۔ گھر میں اور کوئی بڑا نہ تھا۔ کبھی لڑ پڑتیں، کبھی مَن کر رہتیں۔

سعیدہ اور رشیدہ کی ماں فساد میں قتل ہوگئی تھیں۔ یہاں آکر ان کے باپ نے اور شادی کرلی۔ نئی ماں جو آئی وہ بھی کم عمر تھی۔ جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے کوئی دن ہنسی خوشی گزرتا ہوگا، ورنہ ٹھنی ہی رہتی۔ باپ کی دُکان اچھی چل رہی تھی، خاصی آمدنی تھی۔ گھر چلن موٹا ہی تھا۔ تعلیم مردوں ہی میں کم تھی ـــــ عورتوں کا کیا ذکر، روز کے جھگڑے قصّوں سے تنگ آکر دونوں لڑکیوں کی شادی کردی۔ سُسرال تو کوئی تھی نہیں، کبھی دونوں باپ کے یہاں رہتیں کبھی نند کے پاس آجاتیں۔

چھوٹی بہن رشیدہ صغرا بیگم کے پاس آجایا کرتی تھی۔ ایک دن انھوں نے کہا کہ تمام دن یوں ہی گنواتی ہو کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لو، کام آئے گا۔ اللہ رسول کی پہچان ہوگی۔ رشیدہ کی سمجھ میں یہ بات آگئی، وہ روزانہ آنے لگی۔ نماز، قرآن سیکھنے لگی۔ کبھی کچھ سینا پرونا لے بیٹھتی۔ اُردو پڑھنا بھی شروع کردیا۔

ایک دن جو آئی تو چُپ چاپ بیٹھ گئی۔ صغرا بیگم نے خلافِ معمول خاموش دیکھا تو پوچھنے لگیں، "آج کیا بات ہے، ایسی گُم سُم کیوں بیٹھی ہے؟"

"آپا جی کیا بتاؤں، آج ایسی بات ہوگئی ہی دل میں آرہا ہے کہ کہیں چلی جاؤں اس شریفا (سوتیلی ماں) نے تو جینا حرام کردیا۔ آپ کو پتہ ہی ہوگا پندرہ دن سے ہمارا باپ اور شریفا یہاں آئے ہوئے ہیں ـــــ دکان کے چاولوں کی بوریاں گھر میں رکھی تھیں ان میں سے مَن بھر چاول کم ہوگئے۔ پتہ نہیں کس نے نکالے یا کیسے کم ہوئے مگر میرے ابا مجھ سے ناراض ہو رہے ہیں کہ یہ چاول تو نے نکالے ہیں اور کہیں ... آپا جی

مجھ سے قسم لے لو جو میں نے ہاتھ بھی لگایا ہو۔"

"ارے تو کیا ہو گیا، باپ کے کہے کا اتنا بُرا نہیں مانا کرتے۔"

"نہیں آپا جی، میرے ابّا نے آج تک مجھ سے زور سے بات نہیں کہی تھی، آج مجھے چور بنا دیا، یہ سب شریفا کی شرارت ہے۔ اس کی بدولت میں چور بنی، کل کوئی اور الزام لگے گا۔ ہمارے باپ کا گھر سنبھال کر بیٹھ گئی، ہمارا حق ہی نہیں رہا۔"

"ہائیں! ہائیں!! ایسی بات منہ سے نہیں نکالا کرتے۔ وہ تمہاری ماں کی جگہ آگئی، اس کا ادب کرنا تمہارا فرض ہے۔ پھر یوں سوچ تو، تم دونوں بہنیں بیاہی جاکر اپنے اپنے گھر کی ہوئیں، تمہارے باپ کو بھی تو گھر کا آرام چاہیے تھا، کسی نہ کسی سے نکاح کرتا ہی۔ ایک دم سے غصے میں نہیں آجایا کرتے، ایسی تیزی اچھی نہیں۔"

"غصہ کس پر کریں، مزاج اُٹھانے والی ہی نہیں رہی۔ پر اب تو قصہ ہی ختم سمجھو، نہ وہ ہمارا باپ نہ ہم اُس کی لڑکیاں، اُس نے میری منت سماجت کا کچھ بھی دھیان نہیں کیا، مجھے ہی چور سمجھا، ہم کبھی اس کے گھر میں نہ رہیں گے۔ ایسا باپ بھی کسی کا نہ ہوگا۔"

صغرا بیگم نے بھتیرا سمجھایا، مگر اُس وقت وہ کچھ ایسی رنج و غم میں مبتلا تھی کہ ایک بات بھی سمجھ میں نہ آئی۔ پھر جہاں جہالت سے واسطہ ہے، ایسے دماغ میں کوئی بات بٹھانا بڑا کٹھن کام ہے۔ صغرا بیگم نے اس وقت یہی مناسب سمجھا کہ بات کو یہیں رہنے دیا جائے پھر کسی دن ذرا مزاج ڈھیلا ہوگا تو دیکھی جائے گی۔

رشیدہ کا باپ بھتیجے کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا، چاولوں کے قصے پر بات بڑھ گئی۔ گھر میں روز کی چپقلش سے تنگ آکر آخر اس کے باپ نے الگ مکان کا انتظام کر لیا اور دونوں میاں بیوی وہاں اُٹھ گئے۔ شریفا کے چلے جانے سے تینوں بہنیں مطمئن ہوگئیں۔ رشیدہ کی بات چیت سے اندازہ ہوتا تھا کہ باپ کے یوں چھٹ جانے کا قلق تو ہوتا ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہونا چاہیے۔

چند دن بعد رشیدہ اور صغرا بیگم کی لڑکی بُشریٰ دونوں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، کہانیاں کہتے کہتے گھر اور رشتے داروں کی باتیں چل پڑیں۔ صغرا بیگم دوسرے کمرے میں بیٹھی کچھ سی رہی تھیں، باتوں کی بھنک ان کے کان میں بھی پڑ رہی تھی۔ رشیدہ کہنے لگی:

سب ہمارے سمجھنے کی کیا پوچھتی ہو' کوئی بھی نہیں رہا' ماں کٹ گئی' بھائی ختم ہوا۔ پھوپی' خالا رہ گئیں۔ اتنی بڑی بستی آباد تھی' اب گنتی کے آدمی رہ گئے۔ جو آج گئے وہ بھی سب تتر بتر ہوگئے' کوئی کہیں پڑا ہے کوئی کہیں۔"

صغرا بیگم نے جیسے ہی یہ فقرا سُنا تو وہ رہ نہ سکیں' وہیں سے بولیں "رشیدہ جو نہیں رہے اُن کا تو غم کر رہی ہو' ان کے یاد آ جانے پر دل رنجیدہ ہو جاتا ہے' اور جو خدا کی مہربانی سے زندہ سلامت ہیں اُن کو جان کر اپنے سے دُور کر دیا ہے' اپنی مرضی سے چھوڑ بیٹھی ہو' یہ بات کیا ہوئی' مجھے سمجھا تو دو' اب خون جوش نہیں مارتا؟"

"بس آپا جی تمھاری تو وہی ایک بات ہے۔"

"اگر غلط ہے تب کہو۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ جو مرگئے اُنھیں یاد کر کر کے آنسو بہاؤ' اس یاد کا کیا فائدہ۔ جو زندہ ہیں تمھارے پاس موجود ہیں اُن کی قدر نہیں' انھیں یاد کرو تو مل بھی سکتے ہیں' انھیں تو تم نے اپنے دل سے نکال دیا' بالکل جیسے کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ اس کا مطلب کوئی یہی سمجھے گا کہ یہ یاد اور محبت جھوٹ ہے۔ اگر واقعی رشتے داروں کی غیر موجودگی تمھیں دُکھ پہنچاتی ہے' تو جو ہیں اُنھیں یاد کرو' ان سے محبت کرو' ان کے ساتھ مل کر بیٹھو' پھر دیکھو دل کو کیسی خوشی ملتی ہے۔ تم قرآن شریف پڑھتی ہو' اس میں دیکھو' اللہ پاک نے ماں باپ کا کیسا حق رکھا ہے۔ ان کے ساتھ اونچی آواز میں بولنا بھی منع ہے۔ اَور کسی کی بات نہیں سُنتی ہو تو اللہ کا حکم سمجھ کر ہی مان لو۔ باپ سے معافی مانگنے میں تمھارا کچھ نہ بگڑے گا' نہ تمھاری کچھ ہیٹی ہوگی' تم چھوٹی ہو کوئی ڈر کی بات نہیں' ماں باپ بُرا بھلا کہہ ہی لیا کرتے ہیں۔"

رشیدہ کچھ شرمندہ سی ہنسی ہنسنے لگی: "اجی اب وہ باپ سا باپ نہیں رہا' میں کس طرح جاؤں اس نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ ان کا کہیں ٹھکانا نہیں' پھر پھرکر میرے پاس ہی آئیں گی۔"

"اُس کے کہنے کو جانے دو' تمھارا جو فرض ہے تم وہی کرو' اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔ جس دن تم باپ بیٹیوں میں ملاپ ہو جائے گا اور تم ایک دوسرے کے گھر جانے لگو گی وہ دن میرے لیے بڑی خوشی کا ہوگا۔ اور سمجھوں گی کہ تمھارا میرے پاس آنا جانا بے کار نہیں گیا۔"

رشیدہ چپ ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ صغرا بیگم دل میں دعا مانگنے لگیں کہ اللہ پاک میری زبان میں اثر دے ان کے بچھڑے ہوئے دل جُڑ جائیں +

مترجم جناب محمد عبدالشکور صاحب ثاقب بالندہ دکن

بِل

محمود کا باپ ڈاکٹر تھا۔ کبھی کبھی محمود ان کے ساتھ دوا خانے بھی جایا کرتا تھا۔ وہاں بہت سے لوگ آتے تھے۔ کوئی معائنہ کرانے اور دوا کے لیے آتا تھا، کوئی آکر کہتا کہ ڈاکٹر صاحب میرا پیٹ درد کرتا ہے اور کوئی کہتا کہ میرا بل کس قدر ہوا ہے؟ فرمائیے!

محمود دوا خانے میں بیٹھا یہ تمام واقعات دیکھتا اور سنتا رہتا تھا۔ دوا خانے سے متعلق بہت سی باتیں اس کی سمجھ میں آچکی تھیں، لیکن بل کیا ہے؟ اس نے اب تک نہ سمجھا۔

ایک دن محمود نے اپنے والد سے پوچھا: "بابا بل کیا ہے؟"

ڈاکٹر صاحب نے میز پر رکھا ہوا ایک کاغذ اٹھا کر اس کو دیا اور کہا: "یہ دیکھو، اس کو بل کہتے ہیں"

	روپیہ	آنہ	پائی
مریض کا معائنہ کرنے پر	۵	۰	۰
دو مرتبہ گھر آنے پر	۴	۰	۰
۸ خوراک دوا	۳	۰	۰
جملہ	۱۲	۰	۰

محمود نے اس بل کو کئی مرتبہ پڑھا۔ وہ ایک دم ہنس پڑا۔ اس کے دماغ میں کوئی خیال ضرور آیا ہوگا ——

گھر جاتے جاتے راستے میں اس کے دل میں خیالات کا ہجوم ہوگیا۔ اس نے سوچا کہ کل میں نے والدہ کے بہت سے کام کر دیے تھے پھر اُن کے نام پر کیوں نہ بل بنایا جائے۔ لطف آئے گا اور پیسے بھی مل جائیں گے، ان پیسوں کی مٹھائی خریدیں گے۔

گھر جاکر محمود نے ایک کاغذ پر اپنی والدہ کے نام ایک بل تیار کیا۔ والدہ جہاں اکثر بیٹھتی تھیں اس جگہ بل رکھ کر آگیا۔

	روپیہ	آنہ	پائی
بازار سے ترکاری لانے پر	—	۳	۰

بچے کو دو گھنٹے سنبھالنے پر	۱	۰	۰
پڑوس میں نذرانہ دینے پر	۰	۴	۰
بنیے کے پاس سے شکر لانے پر	۰	۲	۰
جملہ	۱	۸	۰

دوسرے دن محمود کو تکیے کے قریب بل کی رقم اور ایک کاغذ دکھائی دیا۔ اس نے پیسے گن کر دستی میں باندھ لیے، کاغذ اٹھا کر دیکھا تو والدہ نے اس کے نام بل لکھا تھا:

	روپیہ	آنہ	پائی
بچپن سے اب تک پرورش کرنے پر	کچھ نہیں		
چار مرتبہ بیمار ہوئے رات دن بیدار رہ کر تیمارداری کرنے پر .	کچھ نہیں		
تعلیم دلانے پر	کچھ نہیں		
جملہ	کچھ نہیں		

یہ دیکھ کر محمود کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ہاتھ سے کاغذ چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ دستی میں باندھے ہوئے پیسے لے کر وہ سیدھا والدہ کی طرف آیا۔ کچھ نہ کہا، اپنے پیسے والدہ کو دے دیئے اور والدہ کی گود میں سر رکھ کر رونے لگا۔

والدہ نے پیار و محبت سے بوسہ لے کر کہا: "میاں محمود تمھارے بل کی رقم پہنچ چکی نا۔"

جناب محمد حمایت المغیث صاحب صدیقی

نیک لڑکا

ایک لڑکا نیک لڑکا۔ سچا لڑکا اچھا لڑکا
سب کا پیارا آنکھ کا تارا

اچھی باتیں کرتا تھا سچی باتیں کرتا تھا روز مدرسے جاتا تھا جی لگا کر پڑھتا تھا
سب کی عزت کرتا تھا سب کی خدمت کرتا تھا اپنے رب کو وہ پیارا مالک سمجھا [illegible]
روز عبادت کرتا تھا روز اطاعت کرتا تھا ایسے بچے [illegible] [illegible] بندے

جناب محمد نیاز صاحب

رسول دُنیا میں کیوں آئے؟

پیارے بچو! اوپر لکھا ہوا جملہ ایک سوال ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہر مسلمان اس سوالیہ جملے کا جواب دے سکتا ہے۔ یا کم از کم ہر مسلمان کو اس لائق ہونا چاہیے کہ وہ اس کا جواب دے سکے۔

دیکھو! تم تختیاں تو ضرور لکھتے ہوگے؟ روزانہ کاپیاں لکھ لکھ کر مولوی صاحب کو دکھاتے ہوگے؟ یا تختیاں کاپیاں چھوڑو، تم مکتب، مدرسہ یا اسکول تو روزانہ جایا کرتے ہوگے؟ یا گھر پر ہی امی، ابا، یا کسی اور سے پڑھتے ہوگے۔ اب تم سے اگر کوئی شخص سوال کرے کہ تم یہ سب کام کیوں کرتے ہو؟ تو کیا تم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے؟ ضرور جواب دوگے۔ کہ تختیاں لکھتا ہوں تاکہ حروف خوب صورت اور سڈول بنیں، کاپیاں لکھتا ہوں، تاکہ جلدی جلدی صحیح اور اچھے الفاظ و حروف لکھنا آئیں، مکتب، مدرسہ، یا اسکول جایا کرتا ہوں، یا گھر پر ہی امی، ابا، یا کسی اور سے پڑھتا ہوں تاکہ لکھنا پڑھنا سیکھ کر سچے معنوں میں آدمی بن سکوں، تعلیم یافتہ ہو کر بھلے بُرے کی تمیز کر سکوں، بُرائی سے بچوں اور نیک کام کر سکوں۔ الغرض اسی طرح لمبا چوڑا، یا مختصر سا جواب دے ہی دوگے۔

اچھا جانے دو ان ساری باتوں کو بھی۔ فرض کرو کہ تم نے الحسنات کے رسالت نمبر کا مطالعہ کیا اور مطالعہ کرنے کے بعد جب امی کے پاس پہنچے تو امی نے تم سے پوچھا کہ بیٹا بتاؤ تو سہی تم نے رسالت نمبر کا مطالعہ کیوں کیا؟ تو کیا تم اس کا جواب نہیں دے سکتے؟ ضرور بتاؤ گے کہ "میں نے معلومات حاصل کرنے کو رسالت نمبر کا مطالعہ کیا" ہر شخص الحسنات کا مطالعہ اس لیے کرتا ہے کہ اس سے اچھی باتیں سیکھے۔ الحسنات کے معنی ہی ہیں اچھائیاں، بھلائیاں لہٰذا یہی اچھائیاں سیکھ کر ان پر عمل کرنے کو الحسنات کے رسالت نمبر کا مطالعہ کیا۔

لیکن یاد رہے کہ تختیاں اور کاپیاں لکھنے، مکتب، مدرسہ یا اسکول جانے، امی، ابا یا کسی اور سے تعلیم حاصل کرنے یا رسالت نمبر کے مطالعہ کرنے کی وجہ تم سے اسی وقت پوچھی جا سکتی ہے جبکہ تم ان سب کاموں کو کرتے بھی ہوگے۔ ورنہ تمہارا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ہم کیا جانیں؟ جو لوگ یہ سب کام کرتے ہیں وجہ پوچھے جا کر ان سے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ سب کام کرنے کے بعد ہی

[illegible] ان سب کاموں کا فائدہ بھی بتا سکتے ہو۔

اب مَیں تم سے پوچھتا ہوں کہ جو شخص مسلمان ہوگا، اور دعویٰ بھی کرے گا کہ میں مسلمان ہوں، میں خدا کو مانتا ہوں، رسول پر ایمان لا چکا ہوں، قرآن کو برحق جانتا ہوں۔ اس سے [illegible] پوچھا جائے کہ خدا کون ہے؟ رسول کیوں آئے؟ قرآن کیا ہے؟ تو کیا وہ ان سب باتوں کا جواب دے سکے گا؟ ضرور دے سکے گا۔ اور پھر کیا جواب غلط یا ناقص دے گا؟ ہرگز نہیں۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ خدا کے متعلق بخوبی معلومات نہیں رکھتا۔ رسول کا نام تو سُنا ہوگا لیکن صحیح طور پر اُسے رسول کا علم نہیں، قرآن کو روزانہ دیکھتا تو ہوگا لیکن قرآن ہے کیا؟ اس کے متعلق وہ کچھ جانتا نہ ہوگا۔ بھلا بتاؤ تو سہی ایسے آدمی کو پکا مسلمان کہا جاسکتا ہے؟ تم کہو گے ہرگز نہیں۔ کیوں کہ مسلمان کو تو خدا، رسول، قرآن، فرشتے، جنت ودوزخ، قیامت، حساب کتاب غرض کہ ان تمام کے متعلق بخوبی علم رکھنا چاہیے۔ اب غالباً تم سمجھ گئے ہوگے کہ ایک مسلمان کے لیے کتنا ضروری ہے کہ اسلام کی ہر اصطلاح کا پورا پورا علم رکھے۔ اب میں تمھارے سامنے اسی قسم کی باتوں میں سے ایک بات یعنی رسول کی بعثت کے مقصد پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں ــــــ ایسا کوئی بھی سوال ہو۔ مثلاً کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ پانی کیوں پیتے ہیں؟ سانس کیوں لیتے ہیں؟ ان میں سے ہر شے کی صحیح صحیح تعریف کر دینے سے فوراً یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس کے استعمال سے غرض کیا ہے؟ چنانچہ اگر تم جانتے ہو کہ کھانا اس کو کہتے ہیں جو بھوک کے وقت کھایا جاتا ہے، پانی اس رقیق وسیال شے کو کہتے ہیں جو کنوئیں، تالاب، ندی، نالہ، دریا وغیرہ سے نکال لاتے ہیں، یا آسمان سے بادلوں کے ذریعے برستا ہے اور جس سے ہم اپنی پیاس بجھاتے ہیں، سانس ہوا کی وہ مقدار ہوتی ہے جسے ہم اپنے پھیپھڑوں میں لے جاتے ہیں اور پھر باہر نکال دیتے ہیں اور جس پر ہماری زندگی قایم ہے۔ تو فوراً یہ بھی بتا دے سکتے ہو کہ کھانا اس لیے کھاتے ہیں کہ ہماری بھوک دب جائے۔ پانی اس لیے پیتے ہیں کہ ہماری پیاس بُجھ جائے، اور سانس اس لیے لیتے ہیں کہ ہم زندہ رہ سکیں۔ اسی طرح اگر تم رسول کی تعریف صحیح صحیح جان لو تو فوراً سمجھ میں آجائے گا کہ رسول کے دُنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے۔

سُنو! ــــــ عربی زبان میں رسول کے معنی ہیں قاصد، ایلچی، پیامبر یا بھیجا ہوا۔ عام طور پر پیغام پہنچانے والے رسول اُس کو بھی کہتے ہیں جو ایک آدمی کا پیغام دوسرے پاس پہنچاتا ہے۔ رسول اُسے بھی کہتے ہیں جو ایک بادشاہ کی بات، مشورہ، پیغام یا خط دوسرے بادشاہ تک لے [illegible]۔ جب ڈاک [illegible] کا زمانہ نہیں تھا تو دنیا وہ [illegible] اُنھیں رسولوں سے کام لے کر ایک [illegible]

تھے ایک جگہ کی بات دوسری جگہ بھیجتے تھے، شادی بیاہ کی خبر، ولادت کی خبر، تکلیف ومصیبت کی خبر غرض ہر قسم کی خبریں بھیجا کرتے تھے۔ لیکن جب ڈاک، تار ایجاد ہوکر ہر ملک میں اچھی طرح رائج ہوگئے تو لوگوں کو رسولوں کی محتاجی نہیں رہی۔ یہ تو رسول کے عام معنی ہوئے۔ اب میں بتاؤں کہ ہم جس شخص کو رسول کہتے ہیں اُس کا مفہوم کیا ہے۔

ہماری یا ہمارے دین کی اصطلاح یا قرآن وحدیث کی زبان میں رسول اُن برگزیدہ انسانوں کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے اُس کے گمراہ بندوں کو راہ پر لانے کے لیے دُنیا میں تشریف لاتے تھے۔ جب دُنیا کے لوگ طرح طرح کی بُرائیوں میں مبتلا ہوجاتے، کبھی آپس میں مار دھاڑ کیا کرتے، کبھی سود اُسلف بیچتے ہوئے ناپ تول میں بے ایمانی برتتے، کبھی ماں بہنوں سے شادیاں رچاتے، کبھی زندہ لڑکیوں کو دفن کرتے، کبھی ایک آدمی دوسرے آدمی کو بے گناہ قتل کرکے اُس کی کھوپڑی میں شراب پیتا۔ اور اسی طرح لوگ اللہ کی زمین میں مختلف فساد برپا کرتے، اور سب سے بڑی بات جو ان تمام بُرائیوں کی جڑ تھی یہ کہ کچھ لوگ خدا کو بالکل ہی بھولے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور چونکہ وہ خدا کو مانتے ہی نہ تھے، اس لیے رسول، فرشتہ، جنت، دوزخ، قیامت اور حساب کتاب جیسے سوالات بھی ان کے نزدیک مہمل تھے۔ کیونکہ جب خدا ہی نہ تھا تو رسول کس کا ہوتا، فرشتے کون پیدا کرتا، مرنے کے بعد ان کے اچھے اور بُرے کاموں کا حساب کتاب کون لیتا، اور جب حساب کتاب ہی نہیں تو جنت اور دوزخ کیا معنی؟ پھر قیامت کے متعلق تو ان کی سمجھ میں یہ بات ہی نہ آئی کہ مرنے کے بعد انسان پھر زندہ کیوں اور کس طرح ہوسکتا ہے۔ ان کے نزدیک کسی میں اتنی طاقت تھی ہی کہاں جو سیکڑوں اور ہزاروں سال کے بے شمار مُردوں کو زندہ کر دیتا۔ ہاں کچھ لوگ خدا کو مانتے بھی تھے، لیکن خدا کے ساتھ کہیں مٹی پتھر کے بُت، کہیں چاند سورج، کہیں درخت پہاڑ اور دریا، کہیں زمین، کہیں آسمان، غرض بے شمار اپنے سے بھی کمتر چیزوں تک کی پرستش کیا کرتے۔ یا کم سے کم اپنی ہی طرح زندہ یا مُردہ انسانوں کو پوجتے، اور ان کا خیال تھا کہ یہ سب مل کر خدا سے ہمارے گناہ معاف کرا دیں گے۔ پھر خوب جی کھول کر گناہ کیا کرتے۔ بلکہ بعض لوگ تو سمجھتے تھے کہ جتنا اختیار خدا کو ہے اُتنا ہی اختیار ان کو بھی حاصل ہے۔ اب وہ اپنے خیال میں ان تمام جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی خاطر خوب خوب پوجتے۔ جیسا کہ آج بھی مشرکین کیا کرتے ہیں۔ قربانیاں کیا کرتے، ماتھے ٹیکتے اور چڑھاوے چڑھایا کرتے۔ تو خداوند تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ وہ ہمیشہ ان بے وقوف اور نادانوں کو سمجھا کر سیدھے راستے پر لانے کے لیے اپنے خاص چنے ہوئے بندوں کو بھیج دیا کرتا۔ انہی کو رسول کہتے ہیں۔

رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام آکر دُنیا کے ان گمراہ انسانوں کو پہلے جس چیز کی تعلیم دیتے وہ یہ تھی، کہ اے لوگو! ایک خدا کی عبادت کرو، اُس خدا کی، جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے ان جھوٹے معبودوں کا بھی پیدا کرنے والا، جنھیں غلطی سے تم معبود سمجھ بیٹھے ہو۔ تم سے قبل جتنے لوگ آئے، اور تمہارے بعد جتنے لوگ آئیں گے، سب کا خالق و مالک وہی ہے۔ قربانیاں اُسی کے لیے کرو، منتیں اُسی سے مانو، نذر و نیاز کا مستحق وہی ہے۔ دُعائیں اُس سے کرو، اور مرادیں اُس سے مانگو۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا، تمام بُرائیوں کی جڑ یہی ایک بات تھی کہ لوگ یا تو خدا کو مانتے ہی نہ تھے، یا ایک خدا کی جگہ بہت سے جھوٹے خداؤں کی پرستش کیا کرتے تھے۔

تو اس طرح خدا کے یہ برگزیدہ رسول دُنیا میں آکر دُنیا والوں کو سمجھانے بجھانے کا فرض انجام دیتے۔ ہر رسول ایک قوم، ایک مُلک یا دُنیا کے ایک خاص حصّے میں جہاں بُرائیاں دُنیا کے سارے حصّوں سے زیادہ ہوتیں مبعوث ہوتا۔ کچھ دنوں تک یہ رسول اپنا فرض انجام دینے کے بعد صالح اور پاک و صاف لوگوں کی ایک سوسائٹی تیار کر کے رُخصت ہو جاتے، اور سوسائٹی کے ان افراد کو وصیت کر جاتے کہ تم ہمیشہ خدا کے دوسرے بھولے بھٹکے بندوں کو اسی راہ پر لاتے رہنے کا فرض انجام دیتے رہنا، جس راہ پر میں تمھیں چھوڑے جاتا ہوں۔ لیکن شیطان انسان کا کھلا ہوا دُشمن ہے کچھ مُدّت کے بعد کسی نہ کسی طرح وہ اس سوسائٹی کے ان بھلے افراد کو بھی راہ سے بے راہ کر چھوڑتا، اور پھر ایک رسول کی ضرورت محسوس کی جانے لگتی۔ چنانچہ رسالت کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ یہاں تک کہ ایک زمانے میں جب ساری دُنیا گمراہی کے بالکل آخری نقطے کے قریب پہنچ گئی اور انسانوں کے سنبھلنے کا اور کوئی امکان باقی نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو مبعوث فرمایا۔ اس آخری رسول کو خدا نے عرب کی سرزمین میں ظاہر کیا، جو اُس وقت ساری دُنیا سے زیادہ گمراہ سرزمین تھی۔

پیارے بچو! اب تو غالباً تم بخوبی سمجھ گئے ہوگے کہ دُنیا میں رسول کیوں آتے تھے، نیز ہمارے رسول کیوں آئے۔ تاہم میں تمہاری توجہ ایک خاص بات کی طرف پھر سے موڑنا چاہتا ہوں، تو سنو! دُنیا میں جتنے رسول آئے سب کا مقصد ایک تھا، یعنی توحید کی تبلیغ، بھلائیوں کو پھیلانا، اور بُرائیوں کا اکھیڑ پھینکنا۔ اسی طرح ہمارے رسول بھی دُنیا میں آئے تو آپ کا مقصد بھی وہی تھا، جو دوسرے رسولوں کا مقصد تھا، لیکن ظاہر بات ہے کہ دوسرے رسولوں کی طرح ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی ایک عمر لے کر آئے تھے، جب آپ کی عمر ختم ہو گئی تو آپ بھی اللہ کے پاس چلے گئے۔

لیکن ٹھیک دوسرے رسولوں کی طرح ہمارے رسول نے بھی ہم پر ایک ذمے داری چھوڑ دی۔ ہمارے رسول نے بھی ہم مسلمانوں کی ایک جماعت تیار کرکے یہ حکم دیا کہ تم دُنیا کے دوسرے گمراہ لوگوں کی رہبری کرتے رہنا۔

تم جانو دوسرے زمانوں میں بات ایسی تھی کہ رسالت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا، اس لیے ہر رسول کے بعد ایک نئے رسول کی گنجائش باقی رہتی تھی۔ لیکن جیسا کہ تم جانتے ہی ہوگے ہمارے رسول کے بعد دُنیا میں اور کوئی رسول پیدا ہونے والا نہیں، اس لیے دوسری اُمتوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ذمے داری ہمارے سر ڈالی گئی ہے۔ اب اگر دُنیا کے لوگ گمراہ ہوں گے (اور ہوں گے کیا؟ ہیں، اور روز بروز ہوتے جاتے ہیں) تو اس کی ساری ذمے داری از اوّل تا آخر ہمارے سر ہے۔
اب اگر ہندوستان کے کسی مسلمان پر کوئی ظلم ڈھایا گیا تو اُس کی ایک ذمے داری ہمارے ہی سر ہے اور پاکستان کے کسی غیر مسلم پر ستم توڑا گیا تو اس کی ایک ذمے داری ہمارے ہی سر ہے۔
اسی طرح دُنیا کے جس حصّے میں بھی خدا کے خواہ کسی قانون کی چاہے جس قدر خلاف ورزی کی گئی سب کی ایک ذمے داری ہمارے سر عائد ہوتی ہے۔ بشرطیکہ ہم نے ان گمراہیوں اور بُرائیوں کو مٹانے کی اچھی سی کوشش نہ کی۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم مقدور بھر اس ذمے داری کا بوجھ اُٹھانے کی کوشش کریں یا نہ کریں۔ اگر ہم نے رسول کے اس مقصد کو کامیابی کی حد تک پہنچانے کی کوشش کی تو ہم بھی کامیاب ہوں گے، ورنہ آخرت میں ضرور ہم سے باز پُرس ہوگی۔

پیارے بچو! تم نے قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت شریفہ کو چوتھے پارہ سورۂ آلِ عمران رکوع گیارہ میں پایا ہوگا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ — تم بہترین اُمت ہو لوگوں میں سے
لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ — چھانٹے ہوئے، امر بالمعروف اور
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ — نہی عن المنکر کرنے والے۔

تم تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے مفہوم پر غور کرو، فوراً سمجھ لوگے کہ واقعی ہم ذمے دار ہیں یا نہیں، اور اس ذمے داری کا بوجھ سنبھالنا بھی ہمارے اوپر کتنا بڑا فرض ہے۔

محترمہ رابعہ قمر صاحبہ

دس سیر لکڑیاں

"زہرہ! شیخ رمضانی کے دروازے پر ترازو لگی ہوئی ہے، ذرا یہ لکڑیاں تول تولا" زہرہ کی والدہ نے کہا۔ "میں نے تمھارے ابا جان سے کئی مرتبہ پوچھا کہ وہ کتنے کی لکڑیاں لاتے ہیں تو انھوں نے ہر مرتبہ مجھے یہی جواب دیا کہ ہر رکی پانچ سیر لاتا ہوں، مجھے ان کا وزن زیادہ معلوم ہوتا ہے، جاؤ انھیں تولو دیکھو کتنی ہیں۔"

زہرہ لکڑیاں تول کرلے آئی، تو اُس نے کہا: "امی دس سیر ہیں۔"

"ہائے اللہ" زہرہ کی والدہ نے اپنا سر پیٹ لیا، اس نے دن بھر بالکل کھانا نہیں کھایا شام کو جب زہرہ کے ابا جان آفس سے گھر آئے تو حسبِ معمول زہرہ کی والدہ نے ان کے لیے دسترخوان پر کھانا چُن دیا، اور چُپ چاپ ایک کنارے بیٹھ گئیں۔

کھانا کھانے کے درمیان میں زہرہ کے والد نے یہ محسوس کیا کہ آج "زبی" کچھ خفا سی ہیں، کھانا کھا کر کہنے لگے: "کیوں زبی تم آج رنجیدہ کیوں ہو؟"

"جی ہاں، مجھے رنج کیوں نہ ہو، رنج کرنے کی بات ہی ہے۔" زہرہ کی والدہ نے جواب دیا۔

"وہ کیا؟"

کہنے لگیں: "میں نے کئی مرتبہ آپ سے پوچھا کہ آپ کتنے کی لکڑیاں لاتے ہیں تو آپ نے مجھے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ چار آنے کی پانچ سیر لاتا ہوں، مجھے کئی مرتبہ شک ضرور ہوا، مگر میں خاموش رہی آج مجھ سے رہا نہ گیا، میں نے زہرہ سے لکڑیاں تلوائیں، تو معلوم ہوا دس سیر ہیں۔" زہرہ کی والدہ نے معاندانہ لہجے میں کہا۔

"تو دیکھو زبی میں ایک غریب کلرک ہوں، مجھے بہت سے ایسے کام بھی کرنے پڑتے ہیں جو شرفا کے درست نہیں ہوتے، اگر میں ایسا نہ کروں تو آخر گھر کا خرچ کیسے پورا ہوگا؟" زہرہ کے والد نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"سرتاج! اگر ہماری آمدنی کم ہے تو میں اس کے لیے تیار ہوں کہ ایک وقت فاقہ کروں، لیکن حرام مال سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنا نہیں چاہتی۔ چپل کی بجائے چپّی پہننا مجھے منظور ہے

مگر یہ منظور نہیں کہ ناجائز طریقے سے اپنا پیٹ پالا جائے۔"

زہرہ کی والدہ کہے جا رہی تھیں اور اس کے ابّا جان خاموش سُنے جا رہے تھے ــ "میرے سرتاج! آپ ٹھیکیدار احمد حسین کے یہاں سے ۵ سیر کے بجائے دس سیر لکڑیاں تول لاتے ہیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ آپ کو تولتے ہوئے نہ دیکھتے ہوں۔ دُکان کی نگرانی کے لیے دو چار نوکر ضرور ہوں گے، خود ٹھیکیدار صاحب بھی ہر وقت آتے جاتے کو دیکھتے رہتے ہوں گے۔ وہ آپ کو ۵ سیر کے بجائے دس سیر تولتے ہوئے ضرور دیکھتے ہوں گے لیکن یہ سوچ کر کہ "بھئی غریب آدمی ہے" کچھ نہ بولتے ہوں گے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم ۵ سیر کے بجائے ۱۰ سیر لکڑیاں لے آئیں" ـــــ زہرہ کی والدہ بہت دیر تک ان کو سمجھاتی رہیں۔ زہرہ کے والد بھی ان باتوں سے بہت متاثر ہو گئے، اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ اب آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔

"لیکن میری ایک درخواست ہے، وہ یہ کہ آپ اب جب لکڑی کے لیے ٹھیکیدار صاحب کی دُکان پر جائیں تو اُن سے اپنا قصّہ بیان کر کے معافی ضرور مانگ لیجیے" زہرہ کی والدہ نے کہا۔

"لیکن زبی مجھے بہت شرم معلوم ہوگی۔"

"سرتاج! اس دُنیا کی شرم اُس دُنیا کی شرم سے ہزاروں گنا کم ہے۔ خدا کے لیے اُن سے ضرور معافی مانگ لیجیے۔ ورنہ قیامت کے روز خدا ہم سے اس کے متعلق ضرور باز پُرس کرے گا۔ اور اُس وقت سوائے حسرت و یاس کچھ نہ ہو سکے گا۔" زہرہ کی والدہ نے لجاجت سے کہا۔

"اچھی زبی! میں ضرور معافی مانگ لوں گا۔"

تیسرے روز زہرہ کے ابّا جان ٹھیکیدار کے یہاں لکڑی لینے گئے تو ٹھیکیدار صاحب سے اپنا قصّہ بیان کر کے معافی چاہی۔ ٹھیکیدار صاحب نے کہا: "مَیں معاف کرتا ہوں، خدا تعالیٰ فرمائے۔ پھر کہنے لگے، میاں حامد مَیں سب کچھ جانتا تھا مگر آنکھ بچا جاتا تھا ــــ" (اپنے نوکروں سے) "دیکھو بھئی ان کو حسبِ معمول لکڑیاں دیتے رہنا۔" ٹھیکیدار صاحب نے کہا۔

زہرہ کے ابّا جان جب گھر پہنچے تو انھوں نے پُورا قصّہ بیان کیا۔ زہرہ کی والدہ اچھل پڑیں۔ اُنھوں نے کہا: "دیکھا آپ نے ایمان داری کی طاقت۔ تاہم آئندہ سے ان کے اس احسان سے سبکدوش ہونے کی کوشش کیجیے۔"

بچوں کا مشاعرہ

(مرکزی درسگاہ جماعت اسلامی رامپور کے طلبہ جن میں صرف درجۂ ششم تک کے طالب علم شریک ہیں، اکثر اپنی "ادبی مجلسیں" بھی قایم کرتے ہیں۔ مندرجۂ ذیل مشاعرہ ان کی ایک ادبی مجلس کا نمونہ ہے۔ میر مشاعرہ محمد عمر افضل اطہر صاحب درجۂ ششم کے ایک ہونہار طالب علم ہیں ـــ شریک ہونے والے طلبہ نے اپنی اپنی نظمیں خود تیار کی ہیں۔ اس طرح یہ پوری کارروائی کسی ایک شخص کی محنت کا نتیجہ نہیں ہے۔) مدیر

امیر مشاعرہ ـــــ نظموں کے سُننے والو خاموش بیٹھ جاؤ
الطاف حسین لطفی اب نظم تم سُناؤ

الطاف حسین لطفی ـــــ الٰہی مجھے نیک بندہ بنا دے الٰہی مجھے سیدھا رستہ دکھا دے
ہمیشہ چلوں دین پر تیرے یارب مجھے دین پر اپنے چلنا سکھا دے
اطاعت میں تیری بسر زندگی ہو میرے دل کو یارب یہی حوصلہ دے
دعا ہے یہی تجھ سے لطفی کی یارب کہ رحمت کا اپنی مجھے آسرا دے

امیر مشاعرہ ـــــ ارشد عقیل احمد اپنی جگہ سے اُٹھو
اور نظم اپنی پھر تم ہر ایک کو سُناؤ

ارشد عقیل احمد ـــــ ایماں میں حرارت ہے تو کچھ کر کے دکھا دے بھٹکی ہوئی دُنیا کو سرِ راہ لگا دے
اس دَور میں پھر ظالم و طاغوت اُٹھے ہیں یارب کوئی پھر حیدرِ کرّار اُٹھا دے
باطل کے مٹانے میں تو سرگرم ہو ارشد اللہ تجھے اس کا صلہ روزِ جزا دے

امیر مشاعرہ ـــــ خلش اقبال احمد تم گھر سے جلدی سے ہو جاؤ
پھر اپنی نظم رُک رُک کر ذرا ہم کو سُنا جاؤ

خلش اقبال احمد ـــــ الٰہی گناہوں سے مجھ کو بچا دے الٰہی مجھے نیک بندہ بنا دے

الٰہی مجھے سیدھا رستہ دکھا دے — الٰہی مجھے علم و فن بھی سکھا دے
الٰہی تو سب سے محبت عطا کر — مجھے خدمتِ خلق کا حوصلہ دے
فقط بس خلشؔ کی یہی التجا ہے — کہ دُنیا سے باطل مٹانا سکھا دے

امیرِ مشاعرہ —— عاقل عقیل احمدؔ — اسٹیج پر تم آؤ
اور جوش سے ذرا پھر — نظم اپنی پھر سناؤ

عاقل عقیل احمدؔ —— دین کو ہر سو ہم پھیلائیں — حق کے بندے ہم بن جائیں
سچی باتیں ہم پھیلائیں — جھوٹ کے ہرگز پاس نہ جائیں
اسلام کو سمجھیں اور سمجھائیں — خود بھی چلیں غیروں کو چلائیں
عاقلؔ اب تم دعا یہ مانگو — نیک بنیں نیکی پھیلائیں

امیرِ مشاعرہ —— اسلام کے سچے سپاہی ہیں — اسلام کے سچے داعی ہیں
اللہ کے سچے دین کو ہم — دُنیا میں قایم کردیں گے
اسلام کے سچے داعی ہیں — اسلام کے سچے سپاہی ہیں
اللہ کے سچے دین کی ہم — کشتی کو پار لگائیں گے
اسلام کی ساری باتوں کو — ہم دُنیا میں پھیلائیں گے
اللہ کی اس دُنیا سے ہم — باطل کا نام مٹائیں گے
اسلام کے سچے داعی ہیں — داعی اور فدائی ہیں
ہم دینِ حق کے شگوفوں سے — دُنیا کا باغ سجائیں گے
قرآن کے سچے حکموں کو — ہم سارے عالم کو بتلائیں گے
ہم اچھی اچھی باتوں کو — گھر گھر میں پہنچائیں گے
ہم دین کی سچی باتوں کو — دُنیا بھر کو سکھلائیں گے
اسلام کے سچے داعی ہیں — اسلام کو ہم پھیلائیں گے
ہم دین کی مشکل راہ پہ اب — سب کو چل کے دکھائیں گے
ہم دین کے پرچم کو لے کر — سب دُنیا میں لہرائیں گے
اسلام کے سچے داعی ہیں — ہم دین کو قایم کردیں گے
اسلام کے سچے داعی ہیں — داعی اور فدائی ہیں

محمد عمر فضل احمد متعلم درس گاہ جماعت اسلامی رامپور

بناؤ تو جانیں!!

جناب بہمی حسنا بنارسی

محبت کے نغمے سناؤ تو جانیں!
محبت کے جلوے دکھاؤ تو جانیں!
محبت کی دُنیا بساؤ تو جانیں!

ہجومِ مسرت میں تم مسکرائے!
شبستانِ عشرت میں تم مسکرائے!
ہر آرام و راحت میں تم مسکرائے!

حوادث کے آگے سپر ڈال دینا!
بلاؤں کے طوفاں سے منھ پھیر لینا!
جدھر کی ہوا ہو اُدھر ناؤ کھینا!

جہاں سب خودی کو کہیں بے وفائی!
جہاں جرم ہو کوششِ لب کشائی!
پیامِ اجل ہو۔ جہاں حق نوائی!

یہ مانا کہ شمشیرِ فولاد تن ہو!
یہ مانا کہ گرزِ ہمالہ شکن ہو!
یہ مانا کہ تم تیرِ گردوں فگن ہو!

ستائے ہوئے کو ستانے میں کیا ہے؟
ضعیفوں سے قوت دکھانے میں کیا ہے؟
نہتّوں پہ تلوار اُٹھانے میں کیا ہے؟

بچھڑانا ہے آساں! ملانا ہے مشکل!!
گرانا ہے آساں! اُٹھانا ہے مشکل!!
مٹانا ہے آساں! بنانا ہے مشکل!!

محبت کے ناقدر دانوں میں جاکر
محبت سے تم پیش آؤ تو جانیں!!

مگر یہ کوئی مسکرانا نہیں ہے
مصیبت میں بھی مسکراؤ تو جانیں!!

اسی کو سمجھتے ہو مردانگی تم
ذرا ان سے زور آزماؤ تو جانیں!!

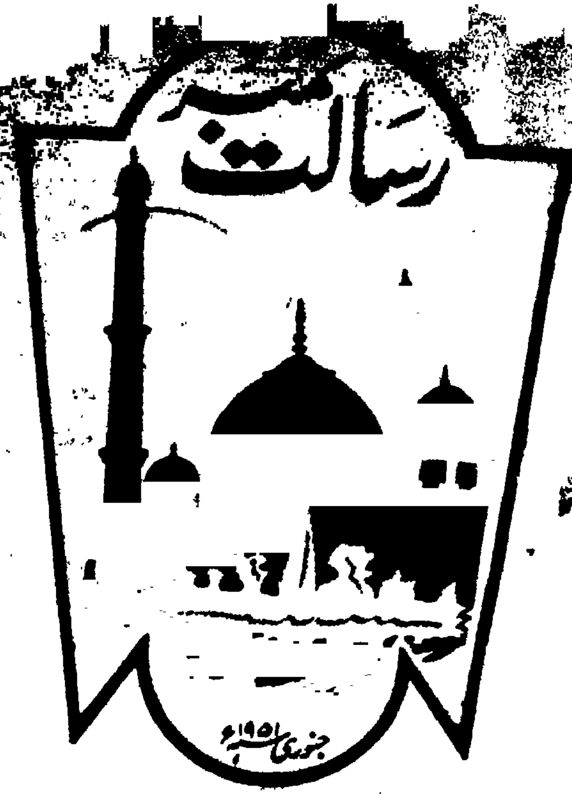
وہاں پر صداقت کے نغمات گا کر
صداقت پہ گردن کٹاؤ تو جانیں!!

مگر یہ حقیقت ہے یا صرف دعویٰ؟
ذرا اپنے جوہر دکھاؤ تو جانیں!!

تمہیں غیرتِ زندگی کی قسم ہے
مقابل پہ تلوار اٹھاؤ تو جانیں!!

بچھڑانے گرانے مٹانے میں کیا ہے
ملاؤ، اٹھاؤ، بناؤ تو جانیں!!!



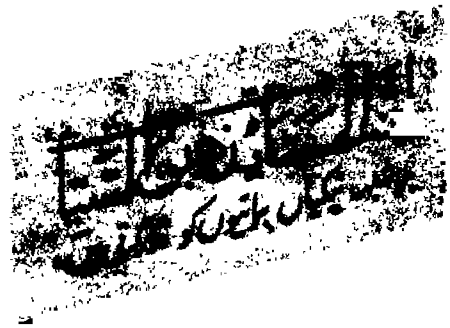


ماہنامہ جامعہ ملیہ اسلامیہ

جامعہ نگر (دہلی)



الحسنات





رسالہ

الحسنات

رامپور

مسلمان گھرانوں کی اصلاح

مدیر: محمد عبدالحی

چندہ

فہرست مضامین

احساسات

پچھلے رسالے میں آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ کسی قوم کے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لیے اتحاد کی کیا اہمیت ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ اتحاد کے لیے عام طور پر جو صورتیں اختیار کی جاتی ہیں وہ کیا ہیں۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اتحاد کی یہ صورتیں مفید ہونے کے بدلے اُلٹی مُضر کیوں ہیں۔ آئیے ایک ایک بات پر غور کیجیے۔

۱۔ محض اتحاد کے نام پر کوئی بھیڑ اکٹھی کر لی جائے اور اُس کے سامنے کوئی ٹھوس اور مفید مقصد نہ ہو، تو اس طرح لوگوں کے اکٹھا ہو جانے سے وہ فائدے حاصل نہیں ہو سکتے جو اتحاد سے ہونا چاہییں۔ اوّل تو ایسی بھیڑ زیادہ دنوں تک اکٹھی رہ نہیں سکتی، پھر یہ کہ اس بھیڑ کو جمع کرنے کے لیے عام طور پر جو نعرے استعمال کیے جاتے ہیں اُن کی حقیقت بہت جلد لوگوں کو معلوم ہو جاتی ہے اور پھر وہ جس تیزی سے اکٹھے ہوتے ہیں اسی تیزی سے الگ الگ بھی ہو جاتے ہیں۔ آپ نے خود ایسے بہت سے اتحادوں کا تماشہ دیکھا ہوگا۔

۲۔ جو لوگ اتحاد اتحاد کا شور مچایا کرتے ہیں ان کی باتوں سے کچھ دیر کے لیے تو سُننے والوں میں ایک جوش سا پیدا ہو جاتا ہے، لیکن یہاں بھی وہی صورت پیش آتی ہے۔ چونکہ لوگوں کے سامنے اتحاد کا کوئی ایسا مقصد نہیں ہوتا جسے وہ اچھی طرح سمجھ کر اپنا سکیں اس لیے ان کے دلوں میں سوائے ایک جوش کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور آخرکار کچھ دنوں کے بعد لوگوں میں پھر بد دلی پھیلنے لگتی ہے اور وہ یا تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ اتحاد ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اتحاد سے کوئی کام ہی نہ بنے گا۔ بار بار اتحاد کے نام پر جمع ہونے اور پھر اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہونے کا نتیجہ یہی نکلتا ہے۔

۳۔ مقصد کے سامنے نہ ہوتے ہوئے اتحاد کی ضرورت اور اتحاد کے [illegible] ہو کر جو لوگ اتحاد کرانا چاہتے ہیں وہ پھر کچھ ایسی باتیں لوگوں کے سامنے [illegible] آسانی سے [illegible] یہ صورت بڑی خطرناک ثابت ہوتی ہے [illegible] آسانی کے ساتھ کسی بات پر لوگوں کو اکٹھا کیا جا سکتا ہے [illegible]

اتنے کٹھن ہوتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان کو جن باتوں میں آسانی نظر آتی ہے وہ اس کے فائدے کی باتیں نہیں ہوتی ہیں۔ فائدہ حاصل کرنے کے لیے انسان کو مشکلوں کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ اب اگر کچھ لوگوں کے سوچنے کا انداز یہ ہو جائے کہ آسانیوں کو اختیار کرنا چاہیے اور مشکلوں سے دُور بھاگنا چاہیے، تو آپ ہی سوچیے کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا کہاں ہو سکتا ہے۔ اس طرح جن لوگوں میں اتحاد قایم کرایا جاتا ہے وہ ہمیشہ اُن ہی باتوں میں ساتھ دیتے ہیں، جن کے اختیار کرنے میں کسی نقصان اور تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جب کسی قسم کی سختی آتی ہے تو ایسے لوگوں کا اتفاق نا اتفاقی میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔ اس طرح کے اتفاق اور اتحاد سے وہ فائدے حاصل ہی نہیں ہوتے، جن کے لیے عام طور پر اتحاد کی ضرورت محسوس کی جایا کرتی ہے۔ یہ بس دیکھنے کی بہار ہوتی ہے، جہاں کوئی جھونکا آیا اور سب چلد ختم ہو گئی۔

۴۔ اتحاد کی ایک خطرناک صورت اور ہوتی ہے۔ جب لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ واقعی اتحاد کی بُنیادیں کیا ہونا چاہییں، اور اگر سمجھ میں آتا بھی ہے تو انھیں ان بُنیادوں پر اتحاد قایم کرنا مشکل نظر آتا ہے، تو فوراً دوسروں سے نفرت کو اتحاد کی بُنیاد بنالیتے ہیں۔ وہ جس گروہ میں اتحاد قایم کرنا چاہتے ہیں اس کے افراد کے دلوں میں دوسروں سے نفرت اور غصہ پیدا کرانے لگتے ہیں۔ ہر وقت انھیں دوسروں کے مظالم اور دُشمنی سے ڈراتے رہتے ہیں۔ ہر بات میں دوسروں کا "ہوّا" ان کے سامنے رکھتے ہیں۔ اور اس خوف کو اس طرح دلوں میں بٹھا دیتے ہیں کہ یہ بیچارے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ دُنیا میں ہر ایک سے ان کا تعلق بس دُشمنی کا ہی تعلق ہے اور اس طرح جب انھیں چاروں طرف دُشمن ہی دُشمن نظر آتے ہیں تو وہ آپس میں سمٹنا شروع ہوتے ہیں اور اس طرح ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنا ساتھی سمجھنے لگتا ہے۔ یہ اتحاد کئی اعتبار سے نُقصان دہ ہوتا ہے، ایک تو اپنا درحقیقت کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اس طرح جو لوگ ایک جگہ سمٹ آتے ہیں وہ سب ایسے ہی ہیں جیسے چڑیوں کی طرح جن پر کسی چیل کے جھپٹ مارنے سے ایک جگہ جمع تو ہو جاتی ہیں [illegible]۔ یہ لوگ اپنی اصلاح اور [illegible] کے لیے کوئی کام کرنے کے [illegible] [illegible] جب دُنیا بھر سے نفرت اور دُشمنی کو اپنے دلوں میں [illegible]

[illegible]

[illegible] بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ ایسا اتحاد کچھ ہی دنوں کے بعد ایک وبالِ جان [illegible] ہوتا ہے۔

۵۔ کچھ مادّی فائدے حاصل کرنے کے لیے اتحاد کرلیا جاتا ہے۔ چاہے یہ فائدے کسی قسم کے ہوں۔ ایسے اتحاد میں بھی کوئی پائداری نہیں، جب تک اس فائدے کے حاصل کرنے کے لیے کوشش جاری رہتی ہے، کسی نہ کسی ایسے دوسرے گروہ سے کشمکش جاری رہتی ہے، جو اسی قسم کے مادّی فائدے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آپ کے سامنے کانگریس اور مسلم لیگ کے اتحاد کی مثال موجود ہے، دونوں نے کچھ مادّی فائدوں کے حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ نتیجے میں آپس کی کشمکش کس قدر تیز ہوگئی اور پھر اس "اتحاد" کا جو خمیازہ بھگتنا پڑا وہ بھی سب کے سامنے ہے۔

اس قسم کے اتحاد کی ایک خرابی اور بھی ہے اور وہ یہ کہ جب وہ مادّی مقصد حاصل ہو جاتا ہے جس کے لیے اتحاد کیا گیا تھا تو پھر "اتحاد" اختلاف میں بدلنے لگتا ہے۔ یہ بات بھی کانگریس اور مسلم لیگ کے اتحاد کی مثال سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج کل ہندوستان میں کانگریس اور پاکستان میں مسلم لیگ کس طرح آپس کی پھوٹ کا شکار ہو رہی ہیں، اور پھر اس میں تو کچھ شک کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ ایسے اتحاد بالکل عارضی ہوتے ہیں۔ جب وہ مادّی مقصد حاصل ہوجاتا ہے، جس کے لیے اتحاد کیا جاتا ہے تو پھر اتحاد خود بخود ختم ہونے لگتا ہے اور کچھ ہی دنوں کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید کبھی کوئی اتحاد تھا ہی نہیں۔

۶۔ کبھی کچھ وقتی مقاصد کی خاطر کچھ اتحاد کرلیا جاتا ہے جس طرح وہ مقاصد وقتی ہوتے ہیں اسی طرح یہ اتحاد بھی وقتی ہوتا ہے۔ مقصد حاصل ہونے کے بعد اتحاد آپ سے آپ ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر کہیں یہ مقصد غلط قسم کا بھی ہو تو وہ اتحاد رحمت کی بجائے عذاب بن جاتا ہے۔ چوروں اور ڈاکوؤں کا اتحاد سماج کے لیے کیسا عذاب ہوسکتا ہے۔ اسی طرح آج دُنیا کو اس کا بھی تجربہ ہوچکا ہے کہ جب کچھ خود غرض اور شرارت پسند حکومتیں آپس میں اتحاد کرلیتی ہیں تو دُنیا میں فساد اور لڑائیاں کس کثرت سے ہونے لگی ہیں۔

۷۔ جو اتحاد ایسے مقاصد کے لیے کیا جاتا ہے جو خالص قوی [illegible]

کے مقابلے کے لیے دوسری قوموں میں خود بخود ایک جذبہ پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ دوسروں کے ساتھ مخالفت اور دشمنی اُبھرنے لگتی ہے۔ اور وہ قوم اپنی پوری طاقت اپنی اصلاح میں لگانے کے بدلے بہت کچھ دوسروں سے مقابلہ کرنے میں صرف کر دیتی ہے۔ آپ نے جرمنی کا حال سُنا ہوگا، اس نے خالص قومی مقاصد کے لیے ایک مضبوط اتحاد قایم کیا۔ مگر اس اتحاد نے دوسرے ملکوں اور قوموں کو اس کے مقابلے کے لیے "اتحادی" بن جانے پر مجبور کیا، اور اس طرح جرمنی کی ساری قوت اسی کشمکش کی نذر ہو گئی۔

قومی مقاصد کے لیے اتحاد یوں بھی غلط ہے، اور اب ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے تو اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اس قسم کا اتحاد ان کے لیے مُہلک ثابت ہوگا۔

صحیح اتحاد کی بُنیادیں کیا ہونا چاہییں۔ اور وہ اتحاد جو ان بُنیادوں پر قایم کیا جائے کس طرح انسانیت کے لیے رحمت ہوتا ہے۔ یہ باتیں انشاءاللہ آپ کو اگلے رسالے میں بتائیں گے +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا
اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَلَا تَرْكَنُوْآ اِلَى الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○

(سورۂ ہود۔ رکوع ۱۰)

پس اے محمدؐ! تم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر و بغاوت سے ایمان و طاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک ٹھیک راہ راست پر ثابت قدم رہو۔ جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے، اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو جو کچھ تم کر رہے ہو اس پر تمہارا رب نظر رکھتا ہے۔ ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے، اور تمہیں کوئی ایسا ولی و سرپرست نہ ملے گا جو خدا سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی ــــــــ"

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) دعوت اور تبلیغ کا کام کرنے میں جیسی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑے صبر اور استقلال کی ضرورت ہے۔ یوں بھی دنیا کا کوئی کام بے صبری اور منچلے پن کے ساتھ نہیں ہو سکتا لیکن دعوت و تبلیغ کے کام کے لیے تو سب سے زیادہ صبر اور استقامت کی ضرورت

اللہ تعالیٰ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے ساتھیوں کو ہدایت فرما رہا ہے کہ وہ اس کٹھن راستے کی مشکلوں کا سامنا کرنے کے لیے ڈٹے رہیں اور انھوں نے جس راہ پر اپنے قدم بڑھا دیے ہیں اس سے پیچھے ہٹنے کا خیال کبھی دل میں نہ لائیں۔ ہر راہ کی کامیابی کے لیے دل کے جماؤ اور مشکلیں برداشت کرنے کی ہمت کی سخت ضرورت ہے۔ اسی طرح حق کی راہ بھی اس معاملے میں کچھ کم مشکل نہیں ہے اس پر چلنے کے لیے ایک اطمینان والا دل اور برداشت کرنے والی ہمت کی ضرورت ہے۔

آپ کو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ راہِ حق کی کامیابی کے نتیجے نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ عام طور پر کوشش کرنے والوں کے کاموں کے نتیجے ایسے ہوتے ہیں جو انھیں اسی دُنیا میں مل سکتے ہیں اور ملتے ہیں۔ مثلاً تجارت کی ترقی کے لیے، علم حاصل کرنے کے لیے، سیاسی آزادی کے لیے، اقتدار اور حکومت حاصل کرنے کے لیے یا اسی طرح کا کوئی اور مقصد پالینے کے لیے جو کوششیں کی جاتی ہیں ان کی کامیابی اور ناکامی کا ظہور اسی دُنیا میں ہو جاتا ہے اور انسان اس راہ میں کامیابی کے امکانات سامنے رکھ کر مشکلات کا مقابلہ کرتا رہتا ہے اور اپنی پوری دُھن کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہتا ہے ——— لیکن راہِ حق میں جد و جہد کرنے کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ اس راہ کی کامیابی کا نتیجہ انسان کی آنکھوں آنکھوں سے بالکل اوجھل ہے۔ اگر اس دُنیا میں اللہ کے فضل اور حق کی خاطر جد و جہد کرنے والوں کی کوششوں سے حق غالب آ بھی جائے اور اہلِ حق کو کچھ اقتدار اور حکومت مل بھی جائے تو یہ دراصل ان کی کوششوں کا بدلہ نہیں ہوتا، بلکہ اقتدار اور حکومت تو اہلِ حق کے لیے ایک دوسری آزمائش ہوتی ہے۔ جب اللہ کے یہ بندے مشکلات میں ثابت قدم رہتے ہیں اور ہزاروں مصیبتیں جھیل کر بھی اپنے مولا کی مرضی تلاش کرنے سے باز نہیں آتے تو اللہ دُنیا میں ان کو کچھ آسانیاں بخشتا ہے، ان کو زمین کی حکومت عطا کر دیتا ہے لیکن اس حکومت میں بھی ان کا امتحان ہوتا ہے اور ان کا رب ان کو اس [illegible] جانچتا ہے کہ وہ آسانیوں اور آسائشوں میں کس حد تک اللہ کی راہ پر [illegible]

اس [illegible] دُنیا میں [illegible] غالب [illegible] دونوں [illegible] ان کی کوششوں کا [illegible] ہے [illegible]

زندگی کے بعد ہی ملے گا۔

ایک ایسے کام میں جد و جہد کرنے اور جان کھپانے کے لیے جس کا انجام محسوس شکل میں آنکھوں کے سامنے نہ ہو اس سے کہیں زیادہ صبر اور استقامت کی ضرورت ہے جتنی دُنیا کے دوسرے مشکل کاموں کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ صرف اللہ کی رضامندی کی خاطر اور آخرت کی کامیابی کی تمنا میں اپنا جان اور مال کھپانے کے لیے بڑے سچے ایمان اور اللہ سے بڑی گہری محبت کی ضرورت ہے۔

۲۔ اسلام اپنی دعوت کی خاطر کام کرنے والوں کا مزاج بالکل دوسری قسم کا بنانا چاہتا ہے۔ لوگ عام طور پر اپنے مخالفوں کے مقابلے میں زیادتی کرنے کو ہی پسند کرتے ہیں، ان کا خیال ہوتا ہے کہ اگر مقابل کو زیادہ قوت اور شدت کے ساتھ نہ دبایا گیا تو پھر کوئی کام کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف اسلام اپنے ماننے والوں کو غصہ اور نفرت کرنے سے روکتا ہے۔ حق کی خاطر جدوجہد کرنے والوں کے دلوں میں اسلام چند باتیں بُنیادی حیثیت سے بٹھانا چاہتا ہے:

۱۔ حق کے نہ ماننے والوں کو حق کی طرف بُلانا ہمدردی اور محبت کے جذبے کے ساتھ ہونا چاہیے نہ کہ نفرت اور حقارت کے ساتھ۔

۲۔ حق کا کام صرف اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی کے لیے کرنا چاہیے اس کے سوا غلبہ، حکومت یا دُنیاوی کامیابی ہرگز مطلوب نہ ہونا چاہیے۔

۳۔ حق کے مخالفوں کے ساتھ اگر جنگ کرنا پڑے تو اس میں بھی بدلہ لینے یا انھیں نیچا دکھانے کی آرزو دل میں نہ ہو بلکہ یہ لڑائی بھی اللہ کی دی ہوئی ہدایات کی پابندی میں صرف اُس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے ہونا چاہیے۔

ان بُنیادی باتوں کے ہوتے ہوئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ حق کی خاطر جدوجہد کرنے والے کسی وقت بھی کسی پر زیادتی کرسکیں لیکن ہو سکتا ہے کہ کبھی حق کے مخالفوں [illegible] کے مظالم سے متاثر ہوکر کچھ لوگ کچھ زیادتی پر آمادہ ہو جائیں اور اپنی [illegible] سمجھتے ہوں کہ ایسے حالات میں اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے بڑھ جانے میں کوئی حرج نہیں — اسی موقع کے لیے ہدایت دی جا رہی ہے کہ اہلِ حق کو جنگ [illegible] کے ساتھ"

مقررہ حدوں سے آگے نہ بڑھنا چاہیے۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کا پورا پورا لحاظ رکھنا ہی سب سے بڑی بندگی ہے۔

۳۔ اس موقع پر بھی وہی بات دُہرائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جاننے والا اور ہر چھپی اور کھلی چیز سے باخبر ہے، یہی ایمان انسان کو ہر حال میں صحیح راستے پر قایم رکھتا ہے اور ہر کشمکش میں ثابت قدمی بخشتا ہے ــــــ جس شخص کا محبوب اُس کو ہر وقت دیکھ رہا ہو اور وہ سارے کام جو وہ اپنے محبوب کو خوش کرنے کے لیے کررہا ہو محبوب کی نظروں کے سامنے ہی ہو رہے ہوں تو اس شخص کی ہمت اور استقلال کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ اس حال میں تو ساری مصیبتیں خود ایک لذت بن جاتی ہیں ــــ حق کی خاطر کام کرنے والوں کی اصلی طاقت یہی ایمان ہے کہ:

"اللہ ہمارے سارے کاموں پر نظر رکھتا ہے۔"

۴۔ حق کی خاطر کام کرنے والوں کو جس نرمی اور ہمدردی کے ساتھ کام کرنے کی ہدایت دی گئی ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی بتائی جا رہی ہے کہ حق کے علمبردار کسی حال میں بھی باطل کے سرپرستوں کی طرف جھک نہ پڑیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کبھی نرمی اور ہمدردی اپنی اصلی حدوں سے گزرنے لگتی ہے اور پھر باطل کے ساتھ مصالحت کر لینے، یا اپنی بات میں کچھ ترمیم کر لینے کی طرف ذہن چل پڑتا ہے، یہ بات بھی ویسی ہی غلط ہے جیسا کہ حق کی خاطر زیادتی کرنا ــــ اہل حق کا کام یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی درجے میں بھی اہلِ باطل کی طرف جھک پڑیں، کچھ باتیں ان کی مان لیں، یا ان کی خاطر اپنی کچھ باتوں میں ترمیم کر لیں۔

اہل باطل وہ ہیں جو راستی اور حق کی راہ سے منھ موڑ کر کسی اور کا کچھ نہیں بگاڑتے ہیں بلکہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ایسے لوگوں کی طرف کچھ جھکتا ہے اور ان کی کوئی روش قبول کر لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنا بھلا کرتا ہے اور نہ ان کے لیے کچھ مفید ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس طرح وہ اپنا [illegible] [illegible] بنا رہا ہے۔

۵۔ [illegible] اہل باطل کی طرف جھکنے اور ان کی کچھ باتوں کو مان [illegible]
بحالیکہ اہل [illegible] [illegible] [illegible] ہے کچھ اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ باطل کو [illegible]

جلنے لگیں یا ان سے کوئی اپنا ذاتی فائدہ چاہنے لگیں۔ بلکہ ان حق پرستوں کے دل میں پہلے ہی سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ فلاں اور فلاں بات کریں تو اس سے حق کے غالب ہو جانے میں کچھ آسانی پیدا ہو جائے گی ـــــ اللہ تعالیٰ اہلِ حق کے اس ایمان کو مضبوط بنا رہا ہے کہ ان کا کارساز اور ان کا دوست اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ان کو جو کچھ بھی امداد مل سکتی ہے وہ صرف اللہ کے حکم اور اس کی منشاء سے مل سکتی ہے۔ اس ایمان کے ہوتے ہوئے انھیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی کامیابی کی امید پر اپنے کسی اصول میں اہلِ باطل کی خاطر کوئی ترمیم پسند کریں۔

۶۔ اہلِ حق کو حق کی راہ پر جمنے اور اہلِ باطل کی امداد سے قطعاً بے نیاز ہو جانے کے بارے میں جو ہدایات ان آیات میں دی گئی ہیں وہ بظاہر بڑی مشکل معلوم ہوتی ہیں۔ ان مشکل ہدایات پر عمل کرنے کے لیے جس قوت کی ضرورت ہے اس کو پیدا کرنے کی ترکیب اس سے آگے کی آیات میں بتائی گئی ہے۔ وہ انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آئندہ آئے گی +

[illegible]

ناقابلِ اشاعت مضامین

اگر آپ ضروری ٹکٹ بھیج دیں تو ایک ماہ کے اندر واپس ہو سکتے ہیں

(۱) میرا مولیٰ (نظم)، (۲) نیا انسان (نظم)، (۳) صاف گو شاعر (نظم)، (۴) محمد کا ترانہ (نظم)، (۵) سلام (نظم) (۶) دُعا۔ طالب صاحب (۷) مسلم بچوں کی دُعا، (۸) اچھی باتیں (۹) مسلم خوابیدہ (۱۰) کمال و زوال (نظم) (۱۱) فقیر کی بڑھ (نظم)، (۱۲) دعائے بے کل (نظم)، (۱۳) رسول ضرورت (۱۴) [illegible] فرائض (۱۵) تکبیر کے نعروں سے دُنیا کو ہلا دوں گا (نظم)، (۱۶) غریبوں کی دُنیا ہے سب سے [illegible] (۱۷) تجویزاتِ صادق (۱۸) ہر چیز گراں ہے (۱۹) نظم عابد حسین صاحب (۲۰) اسلام اور [illegible] (۲۱) شہید بنا یک (۲۲) طلائی کنگن (۲۳) ارادہ (۲۴) صرف تین چیزیں (۲۵) [illegible] (۲۶) [illegible] (۲۷) باغی کا اعلان (نظم)، (۲۸) پڑھنے والا کتا (۲۹) سجدۂ عقیدت (۳۰) [illegible] (۳۱) شکریہ (۳۲) ۲۲ جنوری ۱۹۵۰ء (۳۳) جواہر ریزے (۳۴) [illegible] (۳۵) گاؤں والے (نظم)، (۳۶) کلمہ گو کے حق میں (۳۷) تلاش [illegible] (۳۸) [illegible] (۳۹) مسلمان بچوں سے خطاب (۴۰) اللہ والا (۴۱) اچھے بچے [illegible]

صبح کا نور

جناب [illegible]

صبح کا سہانا وقت ہے، نسیمِ سحر کے لطیف اور فرحت بخش جھونکے مُردہ دلوں میں بھی زندگی کی اُمنگ پیدا کر رہے ہیں... زیادہ تر مخلوقِ خدا محوِ خواب ہے۔ کبھی کبھی مسجدوں سے "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" اور "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کی آواز سنائی دے جاتی ہے اور پھر وہی سکوت... والدہ ریاض اُٹھیں، جلدی جلدی وضو کیا اور پھر ریاض کے پاس پہنچ کر بولیں:

"اُٹھو بیٹا ریاض، نماز کا وقت ہو چکا ہے۔"

ریاض والدہ کی آواز سُنتے ہی چونک کر اُٹھ بیٹھا... محلّے کی مسجد سے مؤذن کی صدا "نماز سونے سے بہتر ہے"۔ سُنتے ہی ریاض اپنے جسم میں ایک نئی زندگی اور ایک عجیب قسم کا سرور محسوس کرتا ہے، اور بے اختیار اُس کی زبان پکار اُٹھتی ہے: "نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

آج وہ کچھ زیادہ سو گیا تھا، اسی وجہ سے وضو کرنے کے بعد تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا مسجد کی طرف چل کھڑا ہوا... ابھی وہ چند قدم ہی چلا ہوگا کہ گلی کے موڑ پر ایک جانی پہچانی آواز نے پکارا:

"ارے ریاض اس وقت تم کہاں اس تیزی سے جا رہے ہو؟" یہ احمد تھا، ریاض کا ہم جماعت اور دوست۔

"بھئی فجر کی نماز ادا کرنے مسجد جا رہا ہوں۔" احمد ریاض کے نزدیک پہنچ کر بولا:

"اچھا! پھر ادا کر لینا... ارے چل یار آج سیر کو چلیں۔ دیکھتا نہیں، موسم کتنا [illegible] ہے۔ کیسے کالے کالے بادل نیلے آکاش پر منڈلا رہے ہیں، اور اب [illegible] [illegible] بہت [illegible] ہوگا [illegible] دوست، خوب تفریح رہے گی۔"

[illegible] نماز پڑھنے سے پہلے کہیں نہیں جا سکتا۔"

[illegible]

[illegible] کے چہرے پر تعجب کے آثار تھے۔

"[illegible] یہ بات نہیں" ریاض نے بڑی متانت سے کہا۔ "تم ذرا ٹھہرو میں ابھی [illegible] منٹ میں نماز سے فارغ ہوکر آتا ہوں۔"

"اچھا مولانا صاحب" احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جائیے... مگر ذرا جلد واپس آ جائیے گا۔"

(ریاض مسجد کی طرف تیزی سے چل دیتا ہے اور احمد جو رہا ہے پر ایک دکان میں بیٹھ کر چائے پینے لگتا ہے، چند لمحے بعد ریاض بھی واپس آ جاتا ہے)

"ہاں بھئی احمد اب میں تمھارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں، بس ذرا میرے گھر تک اور چلے چلو تاکہ والدہ سے اجازت لے لوں۔"

دونوں گھر کی طرف چل دیتے ہیں، وہاں پہنچ کر ریاض والدہ سے اجازت لے کر احمد کے ساتھ سیر کے لیے روانہ ہو جاتا ہے... کچھ دور چلنے کے بعد احمد بولا: "کیوں بھئی مولانا صاحب یہ تم نے کب سے اٹھک بیٹھک شروع کر دی ہے... میاں یہ دن نماز روزے کے لیے نہیں ہوتے... زندگی چند روزہ ہے، عیش کرو، عیش، پھر تو قبر کی تاریکی ہوگی۔"

ریاض: "احمد یہ تم کیا کہہ رہے ہو، عیش و عشرت کی زندگی مسلمان کے لیے حرام ہے... تمھیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ تم کو ایک دن مرنا ہے اور پھر تم ایک ایسی دنیا میں پہنچا دیے جاؤ گے جہاں تمھیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ لہذا اس فانی اور مٹنے والی دنیا کے چند روزہ عیش و آرام کو چھوڑ کر دوسری دنیا کے لیے بھی کچھ کرلو (جہاں تمھیں ہمیشہ رہنا ہوگا) کیوں کہ جو تم یہاں کرو گے اس کا وہاں تمھیں پورا پورا بدلہ ملے گا—— شاید تمھیں معلوم نہیں، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "نماز پڑھتے رہو، اور زکوٰۃ دیتے رہو (کیونکہ) جو کچھ بھلائی اپنے لیے تم پہلے سے بھیج دو گے اس کو خدا کے یہاں پاؤ گے، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے اور وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔"

احمد: "بھئی واہ مولوی صاحب، اب تو تم وعظ بھی خوب کہنے لگے ہو [illegible] اچھا بھلا کھانے پینے کی تو فکر دور ہوئی—— [illegible] مسجد کی [illegible]

گئی نہیں — ہاں یہ تو بتاؤ صاحب تمہاری اس نماز سے فائدہ کیا ہے؟

ریاض: "فائدہ.... فائدے تو بے شمار اور بے حساب ہیں!.. لیکن یہی کیا کم ہے کہ اللہ نے ہمیں زندگی عطا فرمائی اور پھر ہمیں ہزار ہا نعمتوں سے مالا مال کیا اور ہم اس کے ان احسانوں کے شکر گزار بھی نہ ہوں' ذرا سوچو تو احمد اگر کوئی شخص مصیبت پڑنے پر تمہاری کچھ مدد کر دیتا ہے تو تم ہمیشہ کے لیے اُس کے احسان مند ہو جاتے ہو اور تمہاری زبان پر اس معمولی احسان کا ذکر ہر وقت رہتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی بے انتہا نعمتوں کا شکر جو اُس نے تمہیں دے رکھی ہیں' تم سے دن میں پانچ مرتبہ بھی ادا نہیں ہوتا۔ بھئی دیکھو تو یہ کتنی شرم کی بات ہے۔ کہ دُنیا میں ہم کسی کے معمولی احسان کے بدلے ہمیشہ اُس کی بندگی بجا لاتے ہیں' لیکن جس اللہ نے ہمیں دیکھنے کو آنکھیں سُننے کو کان' چلنے کو پیر' کھانے کو ہاتھ غرض کہ ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے ہم اُس کا ذرا سا بھی احسان نہیں مانتے —— پھر بھی وہ ہمیں کھانے کو غذا' پینے کو پانی' پہننے کو کپڑا اور آرام سے زندگی بسر کرنے کے دیگر ذرائع اپنی قدرت سے عطا فرماتا ہے —— ذرا خیال کرو اللہ نے ہمیں آنکھ نہ دی ہوتی تو یہ حسین دُنیا ہمارے لیے تاریک تھی' یہ کھلے ہوئے رنگا رنگ پھول' یہ نیلا آسمان' یہ سیاہ بادل' یہ ننھی ننھی بوندیں' یہ ہری بھری زمین' یہ اونچے اونچے پہاڑ' یہ حسین اور پُرلطف مناظر ہمارے کس کام کے ہوتے؟ اگر خدا نخواستہ ہم بہرے یا گونگے پیدا ہوئے ہوتے تو نہ صرف دُنیا والے ہم پر ہنستے بلکہ ہماری زندگی خود ہمارے لیے موت سے بدتر ہوتی —— لیکن اللہ رحمٰن و رحیم نے ہم سب کو اپنی سب سے عمدہ اور بہترین نعمتیں عطا فرمائیں اور ہمیں عقل و بصیرت دے کر تمام مخلوقات پر شرف بخشا' لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ ہم دُنیا کی چند روزہ زندگی اور اُس کی رنگینیوں میں پھنس کر' اپنے پیدا کرنے والے کو بھی بھلا بیٹھے ہیں —— یہی وجہ ہے کہ آج دُنیا کے کسی کونے میں سکون نہیں ہے' کوئی بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں امن ہو' حالات ہر وقت خراب ہیں۔ چاروں طرف تباہی و بربادی کے ہولناک بادل چھائے ہوئے ہیں' ہر شخص ہراساں و پریشاں نظر آتا ہے... انسان انسان کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے... کبھی تم نے یہ سوچا [illegible] آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ تو سنو! ہماری اس تباہی کا سبب یہ [illegible] ہم [illegible] نے [illegible] میں اس [illegible] خدا کو [illegible]

اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو بخدا وہ دن دُور نہیں جب بھی دُنیا پھر ہمارے لیے رشکِ جناں بن جائے۔"

احمد: "ریاض بھائی مَیں تمہارا بے حد احسان مند ہوں کہ تم نے مجھے تاریکی اور جہالت کے گہرے غار سے نکال کر روشنی اور صراطِ مستقیم کی طرف لگا دیا ـــــ واقعی مَیں آج تک غلط راہ پر چل رہا تھا۔ خدا میری غلطیوں اور نافرمانیوں کو معاف فرمائے انشاء اللہ تعالیٰ اب مَیں خدا کا ایک فرمانبردار بندہ بن کر اُس کے احکام کی تعمیل کروں گا۔"

ریاض: "اس میں احسان مندی کی کیا بات ہے ـــــ بھئی یہ تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جو اچھی باتیں جانتا ہو اُسے دوسروں کو ضرور بتائے اور جو بُری باتیں دوسروں میں دیکھے اُس سے دوسروں کو ضرور روکے۔ یہ سب سے بڑی نیکی ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ہم سے سخت ناراض ہوتا ہے۔ کیونکہ مسلمان کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے کہ "وہ لوگوں کو اچھائیوں کی تعلیم دے اور بُرائیوں سے روکے۔" اچھا بھئی اب وقت کافی گزر چکا ہے، ہم لوگوں کو گھر واپس ہونا چاہیے ـــــ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ملاقات پر کچھ اور باتیں ہوں گی ـــــ خدا حافظ! ـــــ

تمنّائیں

بنتِ سالم بن علی صاحبہ

مَیں شوق سے پڑھوں گی اور شوق سے لکھوں گی
اپنے سبق کو دل سے ہر بار مَیں پڑھوں گی
لکھ پڑھ کے جس گھڑی مَیں لائق ذرا بنوں گی
کس پیار سے سویرے ماں تھی مجھے جگاتی
تکلیف اور دُکھ سے آنسوں پھر تھی روتی
بدلے میں ان دکھوں کے آرام خوب دوں گی
ابا کے دَم سے مَیں نے سُکھ سیکڑوں اُٹھائے
جو کچھ بنے گا مجھ سے کوشش سے وہ کروں گی
ہو کر اگر بڑی مَیں کچھ کام آسکوں گی

بے وقت کھیلنے کا مَیں نام بھی نہ لوں گی
بولوں گی سچ ہمیشہ اور جھوٹ سے بچوں گی
مَیں جان و دل سے خدمت ماں باپ کی کروں گی
اُٹھتی تو مُنہ دُھلا کر کھانا مجھے کھلاتی
ابا کا سُکھ گنواتی، اماں کی نیند کھوتی
مَیں جان و دل سے خدمت ماں باپ کی کروں گی
دکھوں گی یاد ہر دم جو جو مزے اُٹھائے
مَیں جان و دل سے خدمت ماں باپ کی کروں گی
مَیں جان و دل سے خدمت اسلام کی کروں گی

ننھے کی چُٹیا

جناب سعیدہ اقبال صاحبہ

"میرے ننھے بُوٹے، تو مجھے کتنا عزیز ہے۔ تیرے پیدا ہونے سے پہلے مَیں نے کیا کیا نہ کیا کہ تو زندہ رہے، دوسرے بچّوں کی طرح "دُور پار" کہیں تو بھی مجھے چھوڑ نہ جائے" راجو نے اپنے بچّے کا مُنھ چومتے ہوئے کہا۔ "تو کیا جانے مَیں کتنے مہینوں تک کھاری سوڈا اور ریٹھے پیتی رہی ہوں۔ پیرجی نے کہا تھا، اس طرح تیرا بچّہ زندہ رہے گا۔" وہ بچّے کے گھونگریالے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ "تجھے معلوم ہے مَیں نے تیرے لیے اس اندھیری ڈراؤنی رات کو کیا کیا تھا؟ ایک مُرغا لیا اسے جوہڑ میں لے جاکر چار ٹکڑے کیے اور ٹکڑوں پر بیٹھ کر سردیوں کے کڑکڑاتے جاڑے میں نہائی، پیرجی نے کہا تھا ایسے ٹونے ٹوٹکے کرنے سے بچّے بچ جاتے ہیں۔" اس نے پھر بچّے کو بوسہ دیا، اور وہ بات سمجھے بغیر کِھل کِھلا کر ہنس دیا۔ اور ماں دیوانہ وار چومنے لگی "مَیں تیرے لیے ہر وہ کام کر ڈالوں جو کسی نے سُنے ہوں نہ دیکھے۔ تجھے تو مَیں نے پیرجی سے حاصل کیا ہے"

"ماں خدا کے لیے" چھمّی تڑپ کر اندر سے نکلی۔ "اب یہ باتیں بچّے کے کانوں میں تو نہ ڈالو، مانا تم نے زمانے بھر کا شرک کرلیا، اس کے لیے، مگر اب تو کچھ سمجھو، خدا دینے والا ہے، ان پیروں فقیروں میں کیا دھرا ہے۔"

"اری ڈائن تیرے مُنھ میں خاک، مَر بھی جا کہیں، میرے بچّے کا صدقہ اُتر جائے آئی ہے بڑی مسئلے سمجھانے والی، مَیں کہے دیتی ہوں اگر اب تو نے پیرجی کو کچھ کہا تو چبا جاؤں گی تیری۔" بچّہ سہم کر دونوں کو دیکھنے لگا۔

"ہاں" چھمّی نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "یہ میرا بھی تو بھائی ہے۔ مگر......"

"اگر مگر رہنے دے، زبان کھینچ ڈالوں گی جو آگے بولی" "میرا بھی تو بھائی ہے" دادی نے [illegible] چڑاتے ہوئے کہا۔ "اگر تجھے اس کا اتنا درد ہوتا تو یوں مجھ سے بات بات پر [illegible] ہے، سوتیلی جو ٹھہری۔ اگر ذرا سی بات کہوں تو تیرے سیانے [illegible] ہے آنسو [illegible] کی [illegible] پر رکھے ہیں۔"

"باں، مجھے سوتیلی کیوں کہتی ہو؟" مجمی رونے لگی۔ وہ نھنے کو اتنا پیار کرتی تھی کہ سوتیلی بہن کا لفظ سُننا اس کے بس میں نہ تھا۔ راجو مسکرانے لگی اور بولی: "تو تو نھنے کی باجی ہوئی میں نے کب سوتیلی کہا ہے؟ لے اسے گود میں لے لے۔ بس چُپ ہوجا۔" مجمی نے نھنے کو گود میں لے لیا اور باہر چلی گئی۔ نھا گھاس پر کھیلنے لگا اور وہ پاس بیٹھ کر سوچنے لگی: "اس گھر میں کتنی جہالت ہے، خدا رسول کو کوئی جانتا ہی نہیں، پیروں فقیروں کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں، پاؤں چومتے ہیں، ان کے آگے منتیں مانگی جاتی ہیں، قبروں پر دیئے جلائے جاتے ہیں، اس فضا میں میرا دَم گھُٹنے لگتا ہے۔ ابھی مَیں چھوٹی سی تھی، جب ماں کا پہلا لڑکا فوت ہوگیا۔ انھوں نے اللہ میاں کے آگے کتنی گستاخی کی باتیں کی تھیں، تب میں ان باتوں کو سمجھ بھی نہ سکتی تھی۔ مگر مجھے اچھی طرح یاد ہے، ماں نے روتے ہوئے کہا تھا "اے اللہ تجھے بچہ چھیننا تھا تو دیا کیوں تھا؟ اس لیے کہ مَیں اسے پالوں اور پلا پلایا بچہ تو لے جائے، تو غریبوں کو تڑپاتا ہے۔" مَیں ماں کے قریب بیٹھ کر کتنا روئی تھی اُس دن، ماں کی باتیں کتنی سچی معلوم ہوتی تھیں، آخر بچہ دینے کا فائدہ ہی کیا اگر اسے پھر واپس لے لینا ہو، صرف یہ کہ ماں کا تڑپنا دیکھا جائے۔ ہائے سچ مُچ یہ تو صریح ظلم ہے.... مگر، اب..... اب میں سمجھتی ہوں کہ یہ کتنا سخت امتحان ہے، کڑی آزمائش ہے چیز تو اُس کی اپنی ہے، جب چاہے لے جائے۔ مگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ انسان کتنے پانی میں ہے۔ پھر ماں کا دوسرا لڑکا بھی فوت ہوگیا، ماں چلا چلا کر اللہ میاں سے لڑنے لگی۔ اس دن بھی میں کتنا روئی تھی اللہ میاں مجھے کھلونا دے کر واپس لے لیتے تھے۔ تب تک تو مَیں ماں کی ہر بات کو ٹھیک سمجھتی تھی مگر جب میں اسکول داخل ہوئی تو اُستانی جی نے کتنی اچھی اچھی باتیں بتائیں۔ اللہ میاں کی نعمتوں کا حال سُن سُن کر مجھے کتنا تعجب ہوا، مَیں نے اس سے پہلے کبھی سوچا بھی تو نہ تھا کہ ہمیں خدا کے فضل سے کتنی اچھی اچھی چیزیں ملی ہیں، اُستانی جی نے کہا تھا "اگر خدا کی نعمتوں، حکمتوں کو دیکھتے ہوئے بھی ہم پیروں فقیروں کے پیچھے پیچھے پھریں تو کتنی بُری بات ہے، انھیں اللہ کا شریک بنائیں"...... شرک..... میرے خدا..... اتنا بڑا گناہ جو کبھی بھی بخشا نہ جائے گا..... ہائے مَیں ماں کو کیسے سمجھاؤں۔ اُستانی جی کہتی تھیں "اچھے کام کرنے چاہییں، ماں باپ کا کہنا ماننا چاہیے، قرآن پڑھ کر اُس پر عمل کرنا چاہیے، نماز پڑھنی چاہیے، جھُوٹ سے، غیبت سے بچنا چاہیے۔" مگر ہمارے یہاں تو کوئی بھی اچھا کام نہیں کرتا۔ پہلے جب ماں قرآن پڑھا کرتی تھیں، تو میں کتنے شوق سے سُنا کرتی تھی مجھے سمجھنا تو نہ آتا تھا، مگر مزہ ضرور آتا تھا۔ جب سے ماں کے بچے فوت ہوئے ہیں، انھوں نے نماز و قرآن چھوڑ دیے ہیں۔ جھوٹ بولنے کی تو کچھ کچھ مجھے بھی عادت ہے۔ ماں لوگوں کی غیبت کرتی ہیں

باہر ہے۔ ابا ذرا ذرا سی بات پر بگڑ کر جھڑکیاں دینے لگتے ہیں۔ اس گھر میں ہر وقت دیکھیے شاہ پیر ولایت علی، بابا بھلے شاہ اور نہ جانے ایسے ہی کتنے اور فقیروں کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ نور تو اور ننھے کو بھی فقیروں کی دین سمجھتے ہیں۔ جب ننھا پیدا ہوا تھا تو فقیر نے اس کے سر پہ چٹیا رکھی تھی اور کہا تھا: "آٹھ سال کی عمر میں سونے کی قینچی سے کاٹنا۔" ماں کراہتے ہوئے اٹھی تھی اور پیر کے پاؤں پر سر رکھ کر بولی تھی: "جیسا آپ کہیں گے ہم کریں گے مگر ہمارا بچہ زندہ رہے۔" اور وہ فقیر کتنا بُرا تھا، کہتا تھا: "یہ بچہ نہیں مرے گا، تم دیکھ لینا فقیر کی دعا ہے۔" ماں نے اسے کتنے پیسے دیے تھے! میں گن بھی تو نہیں سکتی، جانے سے پہلے فقیر نے میرے سر پر بھی ہاتھ پھیرا، ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے، ماحول سے متاثر ہو کر میں خود کو کتنا خوش قسمت سمجھنے لگی تھی۔ جب سے میں اسکول میں داخل ہوئی ہوں تاریکیاں کس طرح چھٹتی جا رہی ہیں، مگر... ہاں... ماں تو کہتی ہے میں تجھے اسکول سے اٹھا لوں گی تو مذہب سے بیگانہ ہوتی جا رہی ہے، پیروں فقیروں اور پہنچے ہوئے بزرگوں کو بُرا سمجھتی ہے۔" ننھے کی چیخ نے اسے چونکا دیا، وہ کھیلتا کھیلتا جھاڑیوں میں جا پھنسا تھا۔ جمی نے اسے گود میں لے لیا اور بہلانے لگی۔ یکایک نہ جانے کیا سوچ کر وہ گھر چلی گئی، اور ننھے کو اپنے کمرے میں لے گئی جب وہ باہر نکلی تو ننھے کی چٹیا غائب تھی۔ ننھا ماں کے پاس چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جو بچے کے سر پہ چٹیا نہ دیکھی تو چھاتی پیٹ لی: "ارے جمی ڈائن یہ کیا کر ڈالا تو نے۔" وہ دہاڑی: "ادھر آ تیرا گوشت نوچ کھاؤں بدبخت، زہریلی ناگن، آخر ڈس کر ہی رہی نا میرے لاڈلے کو۔" اور جمی گھبرائی ہوئی آئی جیسے کوئی بڑا خوفناک حادثہ ہو گیا ہو۔ "کیا ہوا ماں؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔ "اس کی چٹیا کہاں ہے؟" "بس اتنی سی بات!" "ہاں بتا، وہ کہاں ہے؟" "ماں وہ تو میں نے کاٹ ڈالی۔" جمی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ماں جو غصے سے پاگل ہو رہی تھی، آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ پاس پڑے ہوئے پنکھے سے اسے پیٹنے لگی، "کہتی ہے مجھے ننھے کی سوتیلی بہن نہ کہا کرو، ابھی میرے جیتے جی تیری یہ ہمت! ذرا دیکھو تو میں نے تیری بوٹیاں نوچ نوچ کر کتوں کو نہ ڈالیں، میرے بچے کی دشمن... پیر کہہ رہے تھے بچے کی چٹیا کا دھیان رکھنا..... ہائے میں کیا کروں۔" جمی مسکراتی رہی۔ "ماں! یہ شرک ہے، تم اللہ میاں سے زیادہ فقیروں پر بھروسہ کرتی ہو، اگر چاہتی ہو کہ ننھا زندہ رہتا ہے تو اس چٹیا کے بغیر بھی زندہ رہے گا، اور اگر اسے [illegible] [illegible] ہائے غصہ کر ڈالا مجھے اتنی بات [illegible]

راجو چاچی، تیرا ستیا ناس کبھی تو بھائی کے لیے خیر کا کلمہ زبان سے نکالا کر۔" اور ایک چھتے دار چیت بھی کے گالوں میں پیوست ہوگیا۔ "کہا بھی تھا اس باپ کو کہ لڑکیوں کو پڑھانا نہیں چاہیے۔ مگر آئیں بائیں شائیں کر کے اسے اسکول بھیج ہی دیا۔ اب دیکھیے اپنی بچی کے کرتوت۔ آ تو لینے دے ان کو۔"

دن گذرتے گئے بھی بڑی ہوگئی۔ اس کی شادی ہوئی۔ وہ ماں کو نہیں سمجھا سکی۔ ننھا سات سال کا ہوگیا۔ اس کے سر پر چٹیا رکھ دی۔ ماں باپ اسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ بھی کی شادی بھی اسی لیے کی گئی کہ وہ ننھے سے جلتی ہے اور پیروں فقیروں کے حضور میں گستاخی سے پیش آتی ہے۔ بھی کے جانے کے بعد گھر پر فقیروں کا ڈیرہ ہی جم ہوگیا۔ ہر ہفتے اُن کے لیے میٹھے چاولوں کی دیگ پکائی جاتی' ان کی منھ مانگی خواہشات پوری کی جاتیں۔ ننھے کا باپ کوئی امیر آدمی نہ تھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد جمع پونجی فقیروں کی نذر ہوگئی۔ خاوند نے ذرا بُرا مانا تو راجو نے منھ پر اُنگلی رکھ کر کہا: "اس لال کے صدقے۔ کیا پیسے اس سے زیادہ قیمتی ہیں؟ بڑا ہوگا تو جانے کیا کیا کما کر لائے گا۔ فقیروں کی دعاؤں سے محروم نہ رہو۔ ان کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ اتنی مدت کے بعد انھیں کی بدولت یہ صورت دیکھنی نصیب ہوئی۔ پیر شاہ کے پیروں کی خیرات اب یہ کلی ہماری آنکھوں کے سامنے پھول بنے' پیسوں کو قربان کر دو' اگر پاس نہیں تو قرض لے آؤ۔" اتنے میں ننھا بھی بھاگتا ہوا آن پہنچا۔ بیٹے کی صورت دیکھ کر باپ سب کچھ بھول گیا۔ بچے کو گود میں اٹھا کر پیار کیا اور باہر چل دیا۔ شام کو جب واپس آیا تو ساتھ ہی اُدھار پیسے بھی لایا۔

جوں جوں بچہ بڑا ہو رہا تھا' خرچ بھی بڑھتا چلا جا رہا تھا باپ۔ اُدھار کے بوجھ تلے دبتا جا رہا تھا۔ بھی جب میکے آتی تو گھر کا یہ حال دیکھ کر کڑھتی رہتی' مگر کر کچھ نہ سکتی تھی۔ ہاں یہ ہوتا کہ جتنے دن وہ میکے رہتی' فقیروں کی آمدورفت کم ہو جاتی' جو اس کی ماں کو سخت ناگوار ہوتا اور وہ اکثر کہا کرتی: "تیرے آنے سے تو گھر کی خیر و برکت اُڑ جاتی ہے۔"

ننھے کی چٹیا کاٹنے کے دن نزدیک آ رہے تھے' بھی میکے آئی ہوئی تھی' دن رات طرح طرح کا سامان آ رہا تھا' فقیروں کے جوڑے تیار ہو رہے تھے' چاول آ رہے تھے' [illegible] کا انتظام ہو رہا تھا' گھر میں خوب گہما گہمی نظر آ رہی تھی [illegible]

چار پانچ سال کے بعد اب تو اُس کی یہ حالت ہے کہ جب دیکھو حدیث کی کتاب سرہانے رکھی ہے، اور اپنی سہیلیوں، ملنے جلنے والیوں، رشتے داروں وغیرہ جس کسی سے بھی گفتگو کا موقع مل جاتے انھیں توجہ دلاتی ہے کہ تمھیں زندگی میں قدم قدم پر ایک "رہنما کی ضرورت ہے۔ اور وہ رہنما ایسا ہونا چاہیے جو خود غلطی نہ کرسکتا ہو، جس کی خدا ہر وقت خود نگرانی کرے، اور اُسے کسی غلطی پر ٹھہرنے نہ دے۔ تم اُس اعلیٰ و ارفع ہستی کے اپنے ٹرینڈ کیے ہوئے شاگرد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بہتر نمونۂ زندگی کہاں پاسکتے ہو؟ جس کو خود خدا نے پڑھایا ہو، ہر چیز سکھائی ہو، بھلا اُس کے علم و لیاقت کا کیا ٹھکانا؟

لیکن تعجب کا مقام ہے کہ جو شخص یورپ، امریکہ، روس وغیرہ کی سیر کر آئے اُس کی باتیں سُننے کے لیے تو اُس کے پیچھے بھاگتے ہو، اُن کے لکھے ہوئے سفر نامے پڑھتے ہو، لیکن اُس اُستادِ کامل کی باتیں سُننے سے کتراتے ہو، جس نے بہشت اور دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، جس کو خدا نے اپنی سلطنت کی خود سیر کرائی۔

پھر تم اُن لوگوں کی صحبت کو اپنی خوش نصیبی خیال کرو۔ جو کسی ادنیٰ حکومت کے گورنر یا وزیرِ اعظم ہوں۔ لیکن اُس شخص کی محبت اور ہدایت سے بے نیازی دکھاؤ جو اُس بادشاہ کا اصلی نمائندہ ہے، جس نے زمین، آسمان اور کائنات کی ہر چیز بنائی ہے؟

ہاجرہ کی گفتگو میں بلا کی تاثیر پیدا ہوچکی تھی، جس محفل میں بیٹھ جاتی ہو، توں لڑکیوں کے دلوں میں محبت رسول کی ایک آگ بھڑکا دیتی +

(بقیہ مضمون صفحہ ۲) نظر انداز کرنا ہی پڑا۔ اُمید ہے کہ اگر آپ اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کچھ اور کرلیں تو آپ کے مضامین اور زیادہ پُرمغز ہوجائیں گے۔

ایم حبیب۔ دیوبندی

آپ کی نظم انشاء اللہ شائع ہوجائے گی۔ مضامین کی اشاعت کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ الحسنات کے معیار اور مذاق کے مطابق ہو۔ تب پھر وہ شکریے کے ساتھ شائع کردیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی شرط نہیں۔

[illegible] ذکی انوری

[illegible]

شائع ہوجانے کی آرزو کے بدلے لکھنے کی کوشش کو بڑھاتے رہیے تو بہت اچھا ہو۔ اُمید ہے کہ ان شاء اللہ بہت جلد چھوٹے چھوٹے ایسے اچھے مضمون لکھنا آجائیں گے جنھیں شائع کرنے میں اور الحسناتیوں کو پڑھنے میں بہت ہی لطف آئے گا۔ خدا کرے ایک قلم ہی نہیں بلکہ اللہ کی بخشی ہوئی ہر صلاحیت کو آپ اسی کی راہ میں اُس کی خوشی کی خاطر لگا سکیں۔

جناب عمر فاروق صاحب مودودی

نفع کا سودا

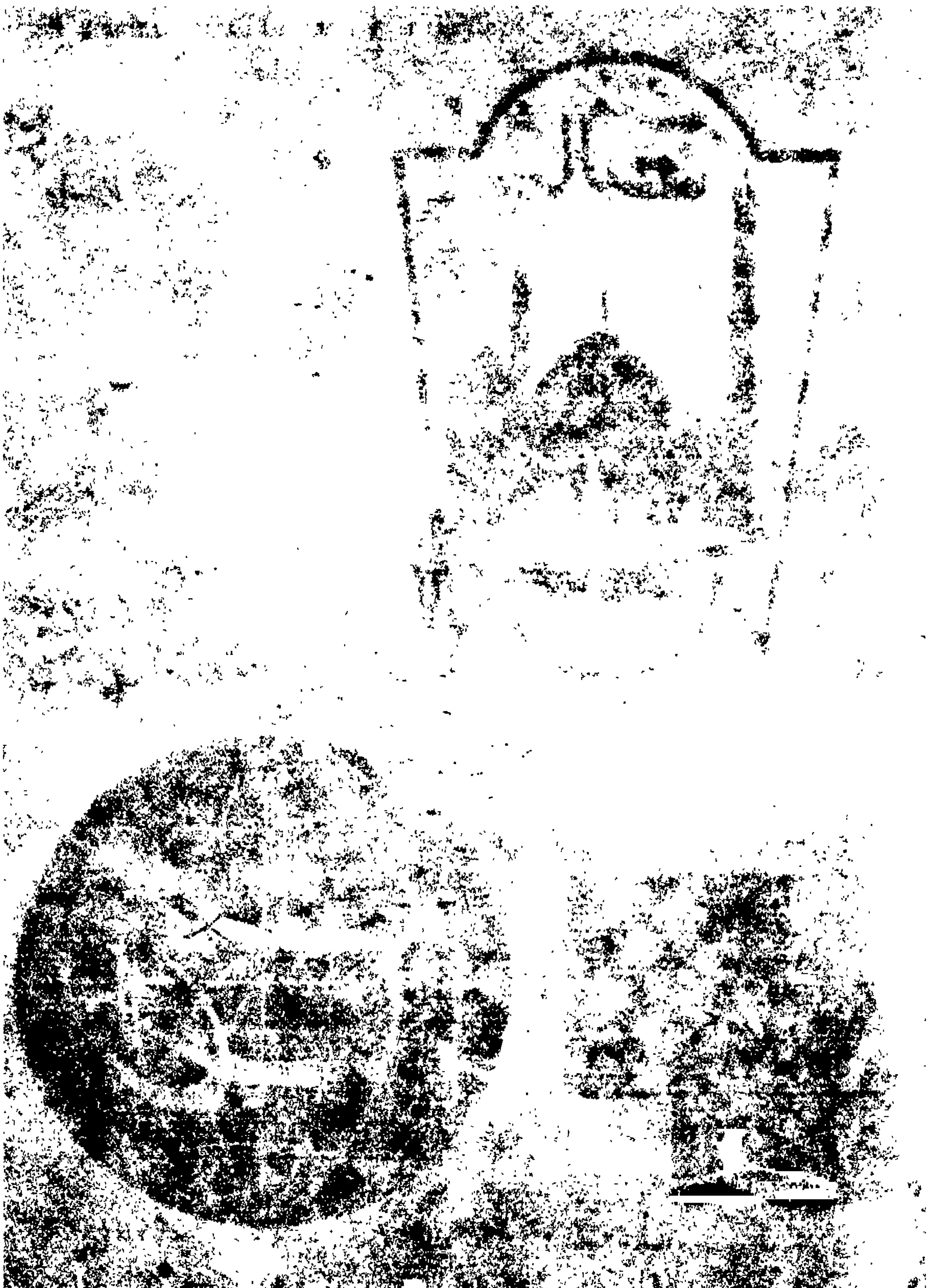
حضرتِ عمر (رضی اللہ عنہ) کے عہد کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ بہت سخت قحط پڑ گیا۔ حضرتِ عثمانؓ اُس وقت غلّے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ حضرتِ عمرؓ نے آپ کو بُلا کر کہا کہ آپ اپنا تمام غلہ حکومت کے ہاتھ بیچ دیں تاکہ لوگوں کو تقسیم کر دیا جائے۔ آپ نے یہ سُن کر صاف انکار کر دیا' اور کہا کہ مجھے جہاں زیادہ نفع ملے گا وہیں بیچوں گا ـــ حضرت عمرؓ یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ وہاں سے اُٹھ کر گھر تشریف لے آئے یہاں بھی کچھ تاجر پہلے سے بیٹھے تھے' آپ نے ان کو بھی وہی جواب دے دیا۔ پھر آپ نے تمام شہر میں منادی کرادی کہ جسے غلے کی ضرورت ہو وہ یہاں آکر مُفت غلّہ لے جائے۔ یہ سُن کر لوگ جُوق در جُوق آنے لگے اور غلّہ لے جانے لگے۔ یہاں تک کہ غلے کا ایک دانہ بھی نہ بچا ـــ جب عشاء کی نماز کے وقت حضرت عمرؓ سے سامنا ہوا' تو آپ نے فرمایا کہ مَیں نے اپنا غلّہ اس طرح فروخت کرکے زیادہ نفع کمایا ہے نا! یہ سُن کر حضرت عمرؓ مُسکرائے اور کہا کہ ہاں واقعی آپ نے اس طرح غلہ بیچ کر زیادہ نفع کمایا ہے۔

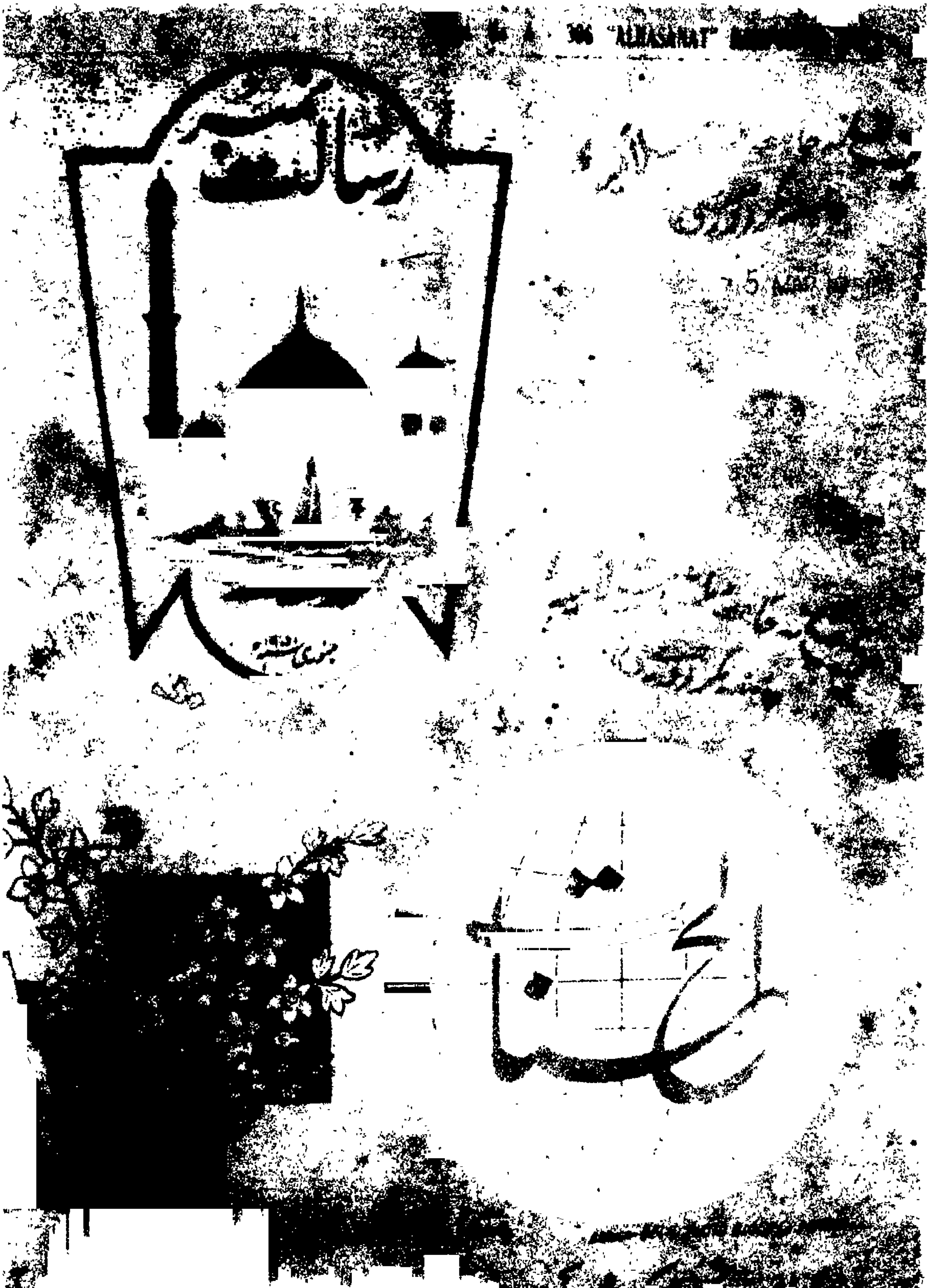
دیکھا آپ نے! اللہ تعالیٰ سے بدلہ پانے کے یقین کے بعد آدمی کیسا بدل جاتا ہے ـــ

انسان کو سرمایہ داری کے نقصان سے بچانے کے لیے اس سے دولت چھین لینا کافی نہیں ہے۔ اگر ہو سکے تو گوں کے دلوں سے دولت کی محبت چھین لو ـــ مگر اللہ پہ ایمان اور آخرت پر یقین لائے بغیر ایسا ہو نہیں سکتا!

ذرا ٹھیک کر لیجیے

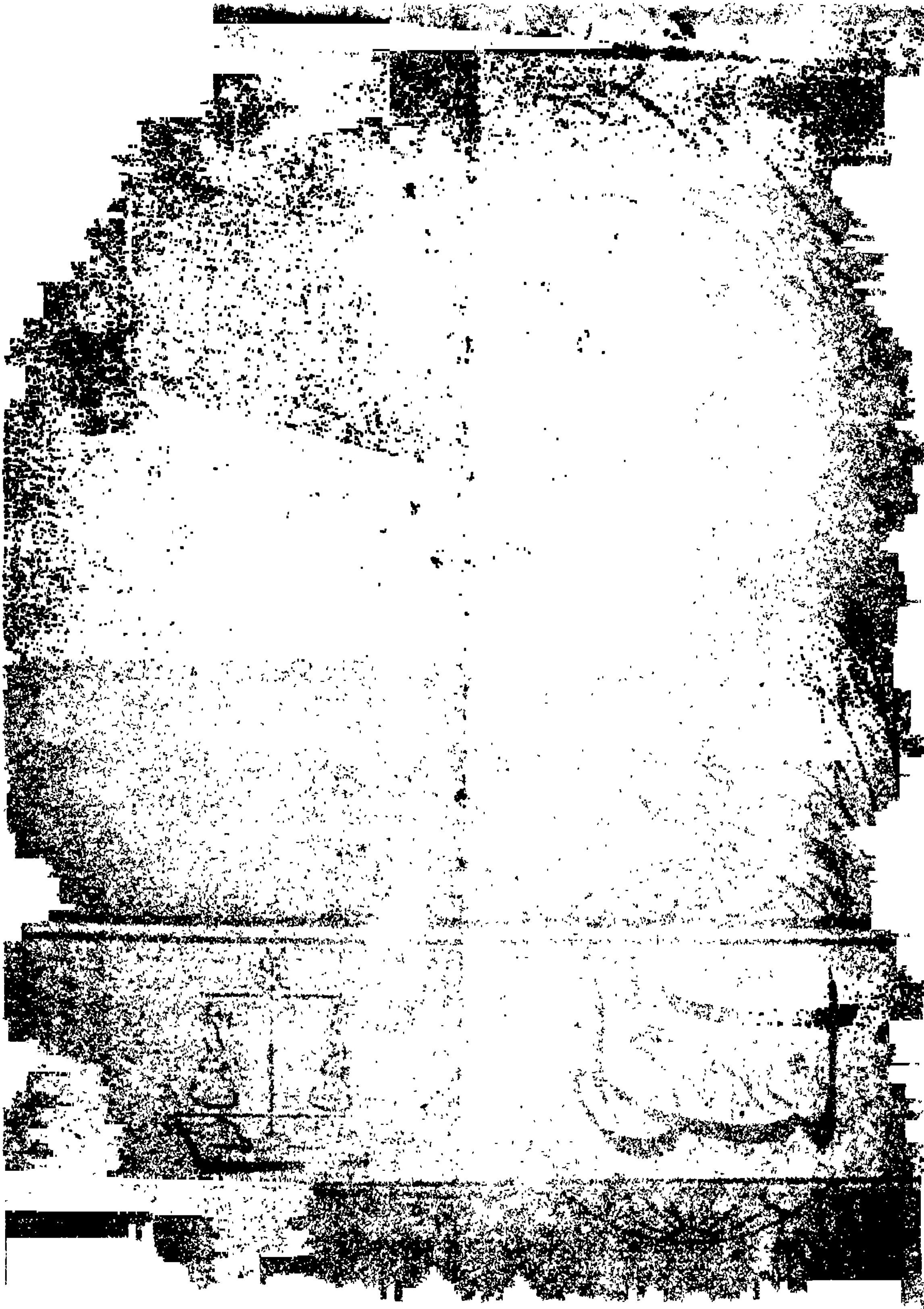
رسالہ [illegible] ۱۰۱ پر "[illegible]" سے جو نظم شائع ہوئی ہے۔ اس میں کاتب [illegible] اپنی عقل کا ثبوت دیا' اور معاملہ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ دوسرے بند کے تیسرے [illegible] کے بدلے بخشی ہونا چاہیے۔ اور تیسرے بند کے چوتھے شعر کا پہلا مصرع اس طرح ہے "وہاں [illegible]" حکم سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اور ہادی حضرت رسول کریم صلی اللہ [illegible]




306 "ALHASANAT"
رسالت

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں



جلد ۹ نمبر ۶

الحسنات

رسالہ الحسنات رامپور

مارچ دوم ۱۹۵۱ء

مدیرہ: بیگم محمد عبدالحی

چندہ

فی کاپی

هرست مضامین

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے [illegible] پریس [illegible] میں چھپوا کر دفتر الحسنات رامپور (یو۔پی) سے شائع کیا

احساسات

آپس کے میل جول کے لیے لوگوں نے اب تک جن بُنیادوں پر کام کیا ہے اُس کی تفصیل آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں، اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ان سب کاموں میں کیا کیا غلطی تھی۔ اب آپ کو یہ بتانا ہے کہ در اصل صحیح اتحاد کے لیے کیا بُنیاد ہونا چاہییں۔ اور وہ کونسا اتحاد ہے جو واقعی انسانیت کے لیے رحمت ہی رحمت ہے۔

صحیح اتحاد کے لیے ان بُنیادوں کی ضرورت ہے:

ا۔ اتحاد کرنے والوں کے سامنے ایک کُھلا ہوا مقصد ہونا چاہیے۔ ان میں سے ایک ایک کو صاف طریقے پر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے اتحاد کر رہے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ان سب کا نصب العین ایک ہی ہونا چاہیے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ:

ا۔ یہ نصب العین اخلاقی اور اصولی ہو مادّی نہ ہو۔

مادّی فائدوں کے لیے جو اتحاد کیا جاتا ہے اُس کا کچھ حال آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔ ایسے اتحاد کا انجام یہی ہوتا ہے کہ جب تک مقصد حاصل نہیں ہوتا تو ان لوگوں سے کشمکش جاری رہتی ہے جو اسی قسم کے مادّی فائدے حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جب مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو وہی مادّی فائدہ جس کے حاصل کرنے کے لیے ان سب اتحاد کرنے والوں نے میل ملاپ کیا ہوا تھا۔ خود ان میں پھوٹ کا سبب بن جاتا ہے۔

یہ بات آپ کانگریس اور مسلم لیگ کے اتحاد کی مثال سے اس سے پہلے سمجھ چکے ہیں اب فرض کیجیے کہ اگر کوئی گروہ اپنے اتحاد کے لیے نیکی اور شرافت کو بُنیاد بناتا ہے۔ یعنی وہ یہ کہتا ہے کہ لوگو! نیکی اختیار کرو اور سب نیک اور شریف لوگ نیکی اور شرافت کو پھیلانے اور بدی کو مٹانے کے لیے مل جُل کر کام کریں۔ تو ہو سکتا ہے کہ جب تک لوگوں کو ان کی بات کا یقین نہ آجائے اور ان کی نیتوں کے بارے میں پُورا اطمینان نہ ہو جائے لوگ کچھ دنوں تک ان کی مخالفت بھی کرتے رہیں، لیکن تجربے کے بعد

ان کے دشمنوں کو بھی جب یہ یقین ہو جائے گا کہ ان لوگوں کا نصب العین نہ تو دولت اور حکومت ہے اور نہ اور کسی قسم کے فائدے ان کے سامنے ہیں بلکہ یہ محض نیکی اور شرافت کے ہی چاہنے والے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دُنیا ان کے قدم بڑھانے کے لیے آپ سے آپ میدان صاف نہ کرتی چلی جائے۔

رہ گیا آپس کے ٹکراؤ کا معاملہ تو وہ بھی اخلاقی بلندی کو نصب العین بنا لینے کی صورت میں کبھی پیش نہیں آسکتا۔ اچھے اصول اور اخلاقی بلندی ایسی دولت نہیں ہے جسے دیکھ کر دوسرے حسد کریں یا اسے چھیننے کی کوشش کرنے لگیں۔

اصول اور اخلاق اگر اچھے ہیں تو وہ آپ سے آپ لوگوں کے دلوں میں گھر کریں گے اور اتحاد کا دائرہ روزانہ بڑھتا ہی چلا جائے گا۔

ب۔ نصب العین کی دوسری خوبی یہ ہونا چاہیے کہ وہ ایسا ہو جسے حاصل کرنے کی خواہش ہمیشہ باقی رہے۔ ایسا ہی نصب العین ایک دائمی اتحاد کا سبب بن سکتا ہے مختصر یہ کہ نصب العین دائمی ہو وقتی نہ ہو۔

ج۔ تیسری خوبی جو نصب العین کے لیے ضروری ہے یہ ہے کہ وہ کسی ایک قوم یا ملک کے لیے نہ ہو، بلکہ سارے عالم کے لیے ہو۔ جو کوئی اس نصب العین کو پرکھ کر اور اس کی خوبیوں کو پسند کرکے اسے اپنانا چاہے وہ اسے اپنا سکے۔ کسی قوم اور کسی ملک کی قید اس کے ساتھ نہ ہو۔ یعنی یہ کہ وہ نصب العین عالم گیر ہو قومی یا ملکی نہ ہو۔

۲۔ اتحاد کرنے والوں میں اپنے نصب العین سے گہرا عشق اور شدید محبت ہونا چاہیے۔ ایسا عشق اور ایسی محبت جو دوسری ساری محبتوں پر غالب آجائے۔ جس کے سامنے ذاتی پسند اور ناپسند دب جائے۔ جب تک لوگوں میں اپنے نصب العین سے یہ لگاؤ پیدا نہیں ہوتا وہ آپس کے میل جول کو نہ بڑھا سکتے ہیں اور نہ زیادہ دنوں تک قایم رکھ سکتے ہیں۔

۳۔ لوگوں کے دلوں سے اس خواہش کو نکال دیا جائے کہ وہ جدا جدا اغراض کی تکمیل کے لیے کوشش کریں، بلکہ ان کی اغراض کا ایک ہی مرکز ہونا چاہیے۔ وہ جو کچھ کریں ایک ہی مقصد کی خاطر کریں اس سے ہٹ کر دوسری کوئی غرض ان کی توجہ کا مرکز نہ ہو۔

ہر غرض اس ایک بڑی غرض کے ماتحت ہو جائے۔

۴۔ پوری انسانیت کو بحیثیت انسان دعوت دی جاسکے یہ نہ کہا جائے کہ "فلاں قوم والو آؤ اکٹھا ہو جاؤ"۔ یا "فلاں ملک والو! مل جل کر کام کرو"، "اے مزدورو! جمع ہو جاؤ"، "اے کسانو! مل جاؤ"۔ اس طرح جمع کیے ہوئے لوگ دوسری قوم والوں کو، دوسرے ملک والوں کو، دوسرے پیشے والوں کو، اور دوسرے طبقے والوں کو ہمیشہ اپنے مقابل میں پائیں گے۔ واقعی اتحاد کے لیے اس سچی بات کو زیادہ سے زیادہ دلوں میں بٹھانا ہوگا کہ سب انسان ایک ہی آدم کی اولاد ہیں اور انسان ہونے کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جتنے فرق قوموں ملکوں اور پیشوں کی وجہ سے دکھائی دیتے ہیں وہ سب مٹائے جانے کے قابل ہیں اور مٹائے جاسکتے ہیں۔ دولت، نسل، اور ملک کوئی چیز ایسی نہیں جو ایک آدم کی اولاد کو آپس میں بچھاڑ سکے۔

۵۔ ہر اتحاد کے لیے ایک ایسی ذات کی ضرورت ہے جس کا کہا سب مانیں، جس کی سرداری سب تسلیم کرلیں، اور جس کے حکم سے کوئی گردن نہ موڑے۔ کسی ایسے اقتدار کو مانے بغیر کوئی مضبوط اتحاد قایم نہیں رہ سکتا۔ سب اتحاد کرنے والے اس ضرورت کو جانتے اور مانتے ہیں۔ اس لیے وہ اکثر اپنے لیڈروں کو یہ مقام دینا چاہتے ہیں، اور پوری کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی جگہ پیدا کی جائے اور ان کے دماغوں پر ان کا رعب ایسا چھا جائے کہ اس سے اتحاد کی یہ ضرورت پوری ہو جائے "کامریڈ اسٹالن" اور "مہاتما گاندھی" کی ذات سے لوگ یہی کام لیتے ہیں۔

لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس ضرورت کا یہ علاج بہت ہی ناقص علاج ہے۔ دنیا کی کوئی بھی شخصیت ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس کو ہر انسان بلا جھجک اپنی سرداری کے لیے قبول کرہی لے۔ قومی تعصب ملکی تعلق، خیالات کا فرق اور نہ جانے کتنی ہی ایسی باتیں دل میں چھپی ہوئی ہوسکتی ہیں جن کے ہوتے ہوئے کسی ذات سے وہ لگاؤ پیدا نہیں ہوسکتا جو اتحاد کے لیے ضروری ہے۔ لہذا صحیح بنیادوں پر اتحاد قایم کرنے کے لیے ایک ایسی ذات کی بھی تلاش ضروری ہے جس کے اقتدار کو دنیا کے سب انسان مان سکیں۔

صحیح اتحاد کے لیے جن بنیادوں کی ضرورت ہے اُن کا خلاصہ آپ کے سامنے آچکا۔ یہ بنیادیں جس خوبی کے ساتھ اسلام پیش کرتا ہے اس طرح آپ ان کو کہیں اور نہیں پاسکتے۔ اس دعوے کی تشریح انشاءاللہ آئندہ آپ کے سامنے آئے گی۔ اور آپ کو یہ بتایا جائے گا کہ کس طرح اسلام ہی عالمگیر اتحاد کے لیے ایک تنہا ذریعہ بن سکتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ ۚ﴿۱۱۴﴾ وَاصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۱۵﴾

(سورۂ ہود۔ رکوع ۱۰)

—— اور دیکھو، نماز قایم کرو، دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر، درحقیقت نیکیاں بُرائیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ یہ ایک یاددہانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو خدا کو یاد رکھنے والے ہیں۔ اور صبر کر۔ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) اللہ کے دین پر قایم رہنے اور اُسے غالب کرنے کی کوشش کرنے میں جس قسم کی سختیاں برداشت کرنا ضروری ہیں اور جس طرح انصاف پر قایم رہتے ہوئے سچائی اور نیکی پر جمنا لازم ہے وہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس سے پہلے آپ کے سامنے وہ ہدایات بھی آ چکی ہیں جن پر عمل کرنے کی تاکید ہر اُس شخص کو کی گئی ہے جو حق پر قایم رہنا اور حق کو قایم کرنا چاہتا ہو۔ ان ہدایات پر پُورا پُورا عمل کرنا کس قدر مشکل ہے آپ اس کا اندازہ بھی کر چکے ہوں گے۔ دل کی خواہشات کا مقابلہ کرنا۔ قدم قدم پر محض اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی کو سامنے رکھنا اور ہر قسم کی خود غرضی، شہرت، لالچ، نفع اور آرام کی خواہش کو دل سے نکال کر سر دھڑ کی بازی لگا دینے کے لیے ہر آن تیار رہنا کوئی ہنسی کھیل تو نہیں ہے

اس مشکل کام کو پورا کرنے کے لیے ایک خاص قسم کی تربیت کی ضرورت ہے اور اس تربیت کے لیے تین باتیں ضروری ہیں:

۱۔ خدا پر ایمان ——— پوری اطاعت اور محبت کے ساتھ۔

۲۔ آخرت پر ایمان ——— پورے یقین کے ساتھ۔

۳۔ رسول پر ایمان ——— کامل طور پر اپنے آپ کو حوالے کردینے کے جذبے کے ساتھ جس میں انتہادرجے کا خلوص اور محبت شامل ہو۔

یہ تین باتیں مان لینے کے بعد ان پر قایم رہنا اور ہر وقت اس مان لینے کے تقاضوں کو پورا کرتے رہنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ انسان بھولنے کا عادی ہے۔ پھر اس کا ماحول بھی اسے بھول جانے ہی کی طرف لے جاتا ہے۔

اسی واسطے ضروری ہے کہ اس کی یہ مانی ہوئی باتیں اسے بار بار یاد دلائی جائیں۔ اتنا یاد دلائی جائیں کہ وہ کسی وقت بھی ان کو بھول کر کوئی ایسا کام نہ کرسکے جو اس ماننے کے خلاف ہو۔ نماز اس مقصد کے لیے سب سے بہتر طریقہ ہے۔ نماز کس طرح ان باتوں کو بار بار یاد دلاتی ہے اس کی تشریح کا یہ موقع نہیں، آپ ان باتوں کو دوسری کتابوں میں پڑھ سکتے ہیں۔ یہاں آپ کو یہ بتانا ہے کہ اسلام نے نماز کو جو اتنی زیادہ اہمیت دی ہے وہ بلا وجہ نہیں ہے۔ دراصل اسلام جس قسم کے انسان پیدا کرنا چاہتا ہے وہ بلا نماز کے بن ہی نہیں سکتے۔ اسلام اپنے سپاہیوں سے جو کام لینا چاہتا ہے وہ اُس وقت تک کر ہی نہیں سکتے جب تک وہ نماز قایم[1] کرنے والے نہ ہوں۔

---

[1] قرآن میں جہاں بھی نماز کا ذکر آیا ہے وہاں اسے "قایم کرنے" کی تاکید کی گئی ہے۔ نماز پڑھنا کہیں نہیں کہا گیا ہے۔ نماز قایم کرنے سے مطلب یہ ہے کہ نماز کو اس طرح ادا کیا جائے جس طرح اس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ مثلاً وقت کی پابندی کا پورا لحاظ رکھا جائے اور صحیح وقت پر نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جائے (سوائے عورتوں کے جن کے لیے جماعت ضروری نہیں ہے) نماز پورے خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کی جائے۔ اور اس تصور کے ساتھ ادا کی جائے کہ بندہ اپنے آقا کے حضور حاضر ہے۔ نماز کے ارکان اس طرح ادا کیے جائیں کہ ان سے دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ نماز اطمینان اور حد درجہ ادب کے ساتھ ادا کی جا رہی ہے۔ نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کی مسلسل کوشش کرتی جا رہی ہے۔ الگ وہ جہاں سے حضور حاضر ہونے کا تصور، الفاظ کے مطلب پر غور اور فکر، اور دوسرے خیالات سے دماغ کو خالی رکھنے کی کوشش کرنے رہنے سے نماز بہتر سے بہتر ہو سکتی ہے۔

کوئی ایسا شخص جو نماز کو ضائع کرتا ہو اسلام کے کام کا نہیں بن سکتا۔ دُنیا کو بُرائی سے پاک کرنے کے لیے اور باطل کے جھنڈے کو نیچا کرکے حق کو قایم کرنے کے لیے جن جن مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے ان میں صرف نماز کی قوّت کامیاب کرسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کے صحابی کسی ایسے شخص کو مسلمان سمجھتے ہی نہ تھے جو پابندی کے ساتھ جماعت میں شریک ہوکر نماز نہ پڑھتا ہو۔ حد تو یہ ہے کہ منافقوں کو بھی اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے کے لیے مسجدوں میں آنا ہی پڑتا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب کبھی آپ کے سامنے کچھ مُشکلات آتیں تو آپ نفل نمازوں کی کثرت فرما دیتے۔ نماز میں جس قدر خوبی پیدا ہوتی جائے سمجھنا چاہیے کہ اسی قدر حق کی راہ میں قایم رہنے کی قُوّت حاصل ہو رہی ہے ــــــ لیکن نماز کی یہ خوبی ہرگز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کا سپاہی بنانے کے بدلے خانقاہوں اور حجروں میں بند کردے اور نیک لوگوں کو دُنیا کے میدان سے اس لیے ہٹا لے جائے تاکہ شیطان کے چیلوں اور اللہ کے باغیوں کو اللہ کی زمین میں فساد مچانے کا پُورا پُورا موقع مل جائے۔

مسلمان کی اس پوزیشن کو ہمیشہ سامنے رکھیے کہ وہ دُنیا سے باطل کو مٹانے والا اور حق کو قایم کرنے والا ایک سپاہی ہے کیونکہ اس نے اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیا ہے اور اسے توقع ہے کہ اگر اس نے اپنے آقا کی مرضی پوری کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لگا دیا تو اسے اس زندگی کے بعد آنے والی زندگی میں جنّت ملے گی ــــــ نماز ایسے ہی سپاہی کی سب سے بڑی قُوّت ہے۔

(۲) دُنیا سے بُرائیوں کو دُور کرنے کے لیے اسلام جو تدبیر بتاتا ہے وہ ان تمام تدبیروں سے بالکل الگ ہے جو اسلام کے علاوہ دوسرے لوگ بتاتے ہیں۔ اسلام نے باطل کو مٹانے اور حق کو غالب کرنے کے لیے جو بتایا ہے

ؔ نماز کو ضائع کرنے سے مطلب یہ ہے کہ نماز کو ٹھیک طریقے سے نہ پڑھا جائے۔ مثلاً نماز بے وقت پڑھی جائے۔ مستقل طور پر بلا کسی عذر کے جماعت ترک کی جائے۔ بے سوچے سمجھے گڑبڑ طریقے پر جلدی جلدی بیگار سی ٹال دی جائے وغیرہ ــــ

اس کی روح یہ ہے کہ:

"برائیوں کا مقابلہ بھلائیوں سے کیا جائے"

یہ ایک بڑا اصولی سبق ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو سب سے پہلے خود زیادہ سے زیادہ نیک بننے کا حکم دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ برائیوں کو نیکیوں سے شکست دی جائے۔ اللہ کے رسول صلعم نے اپنی پوری زندگی میں، اور آپ کے بزرگ صحابیوں نے (اللہ اُن سے راضی ہو) اسی اصول پر عمل کیا۔ جب آپ آنحضرت کی سیرت اور آپ کے اصحاب کی زندگیوں کے حال پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام کا بتایا ہوا یہ نسخہ کس قدر کامیاب رہا ہے۔ اور دراصل اسلام کے ماننے والوں کی اخلاقی قوت ہی وہ زبردست ہتھیار تھا جس نے روم اور فارس کی بڑی بڑی شہنشاہیوں کو تھوڑے ہی دنوں میں مقابلے کے میدان سے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا۔

آج بھی آپ کے سامنے جو بدی کا طوفان اُمنڈ رہا ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اور اس کے بدلے نیکی، امن اور خدا ترسی کی بنیادوں پر ایک نظام قایم کرنے کے لیے اسی اصول کو اپنانا پڑے گا۔ اس اصول کو اختیار کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے لیے جس قوت کی ضرورت ہے وہ نماز سے حاصل کرنا ہوگی۔

(۳) برائیوں کا مقابلہ نیکیوں سے کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ہروقت یاد رکھنا لازم ہے۔ جس دل میں اللہ کی یاد نے اپنا گھر نہ کرلیا ہو وہ بدی کا مقابلہ نیکی سے کرنے میں ہمیشہ کمزور ثابت ہوگا۔ یہ نسخہ اُن کو ہی کام دے سکتا ہے جن کے دل اللہ کی یاد سے معمور ہوں۔

(۴) قرآن مجید میں جہاں جہاں "صبر" کی تعلیم دی گئی وہاں اس کا مطلب اس سے کہیں زیادہ ہے جو ہم اُردو زبان میں صبر کا لفظ بول کر سمجھتے ہیں۔ صبر میں یہ سب باتیں شامل ہیں:

۱۔ انسان اپنی قوت اور طاقت کا اندازہ کیے بغیر محض جوش یا غصے میں کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھے جس کے کرنے کا ابھی وقت نہ آیا ہو۔

۲۔ انسان طاقت اور قوت پاکر ہوش سے باہر نہ ہو جائے اور اپنی طاقت کو اُس جگہ اور اس طریقہ پر کام میں نہ لانے لگے جو مناسب نہ ہو۔

۳۔ انسان جس مقصد کو سوچ سمجھ کر اپنائے اُس کی خاطر مصیبتیں برداشت کرنے اور تکالیف اُٹھانے میں ثابت قدم رہے۔ تکلیفوں کے دباؤ سے اُس کے خیالات یا اُس کے کاموں میں کوئی فرق نہ آئے۔

پٹرولیم کی کہانی

(۱)

یہ زمین جس پر آپ اور ہم رہتے بستے ہیں بے شمار خزانوں سے بھری پڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں کروڑوں اور اربوں چیزیں پیدا کی ہیں۔ اور انسان کو ایسی سمجھ بوجھ عطا فرمائی ہے کہ وہ ان چیزوں کو برابر معلوم کرتا رہتا ہے اور اللہ کی ان نعمتوں کے سہارے اپنی زندگی کے لیے لاکھوں چیزیں دریافت کرتا رہتا ہے۔

اللہ کی کروروں نعمتوں میں سے ایک نعمت "پٹرولیم" بھی ہے۔ یہ ایسی عجیب وغریب نعمت ہے کہ اس کا کوئی بدل ملنا ہی مشکل ہے۔ آج کی دنیا، آپ جانتے ہیں، مشین کی دنیا ہے۔ مشینوں کو چلانے کے لیے قوت کی ضرورت ہے۔ اس قوت کو حاصل کرنے کے لیے انسان کے پاس تین بڑے اہم ذریعے ہیں، کوئلہ، پٹرول اور بجلی۔ کوئلہ عام طور پر کارخانوں، ریلوں اور جہازوں میں کام آتا ہے۔ کوئلے کے ذریعے مشینوں کے واسطے قوت حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئلے کو لاد کر لے جایا جائے۔ اس میں جتنا وزن ڈھونا پڑتا ہے اس کے مقابلے میں قوت کم ملتی ہے۔ اسی لیے تیز چلنے والی ہلکی مشینوں کے لیے یہ ذریعہ زیادہ موزوں نہیں ہے۔ مثلاً اگر موٹروں کے لیے قوت کوئلے سے حاصل کی جائے تو جتنے وزن کا کوئلہ لاد کر ساتھ لے جانا ہوگا وہ کافی دشواری کا سبب ہوگا۔ اور ہوائی جہازوں کا معاملہ تو اور بھی زیادہ مشکل ہو جائے گا بلکہ یوں سمجھیے کہ کوئلے سے حاصل کی ہوئی قوت کے بل پر ہوائی جہازوں کو چلانا ممکن ہی نہ ہوگا ——

رہ گئی بجلی کی قوت، تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مشینوں کا تعلق بجلی پیدا کرنے والے کارخانے سے قایم رہے۔ اس لیے تاروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی ایک شہر میں یا چار پانچ سو میل کے فاصلے تک تو یہ ممکن ہے کہ تار پھیلا دیے جائیں اور ان کی مدد سے ٹریموے اور بجلی سے چلنے والی ریلیں دوڑائی جائیں۔ لیکن سڑکوں پر چلنے والی موٹریں اور ہوا میں اُڑنے والے جہاز اس قوت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے ——

اور نہ ہی یہ ابھی ممکن ہے کہ بجلی کی قوت کچھ زیادہ مقدار میں جمع کرلی جائے اور اس سے موٹر اور ہوائی جہاز چلایا جاسکے۔

صرف پٹرول ہی ایک ایسی چیز ہے جو صاف ستھرا ہونے کے لحاظ سے، ہلکا ہونے اور جلد بھڑک اٹھنے کی صلاحیت کے اعتبار سے سب سے بہتر ذریعہ ہے۔ آج تک انسان نے جتنی تیز سے تیز چلنے والی مشینوں کا استعمال سیکھا ہے ان میں پٹرول ہی کام آتا ہے۔ ہوائی جہاز اور موٹروں کے لیے پٹرول ہی قوت حاصل کرنے کا تنہا ذریعہ ہے۔

زمین کی تہوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک تیل جیسی چیز جسے پٹرولیم کہتے ہیں پیدا فرمائی ہے۔ پٹرول اسی سے تیار ہوتا ہے۔ پٹرول کے علاوہ اسی سے مٹی کا تیل، مشینوں کو چکنا کرنے والی چکنائیاں، کروڈ آئل، پیرافین موم اور بیسوں دوسری چیزیں نکالی جاتی ہیں۔ جن کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ آپ کے سامنے آئے گی۔

پٹرولیم کو انسان بہت پرانے زمانے سے جانتا ہے۔ انجیل میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ ہیروڈوٹس ایک بہت پرانا مورخ گذرا ہے۔ جس نے بابل کے قریب ایک تیل کے چشمے کا ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ جاپان اور چین کی پرانی کتابوں میں بھی اس کا بیان پایا جاتا ہے۔ برما کے بھی بہت پرانے لوگ اس سے واقف تھے۔

پرانے زمانے میں لوگ اس تیل کو جلانے کے کام میں لاتے تھے، دواؤں میں بھی استعمال کرتے تھے، زخموں کے اچھا کرنے کے لیے اس کو لگاتے تھے ——— لیکن اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے انسان کی عقل کو اتنی رسائی عطا نہیں فرمائی تھی جتنی کہ آج ۔۔ اس لیے اس کی، اس نعمت سے انسان وہ کام نہیں لے سکا تھا جو آج لے سکتا ہے۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ابھی وہ انسان کی عقل کو کتنا اور زیادہ کام لینے کے قابل بنائے گا اور انسان اس نعمت سے اور کیا کیا فائدے حاصل کرسکے گا؟

انسان کی فطرت ہے کہ وہ آم کھانے کے ساتھ ساتھ پیڑ بھی گننا چاہتا ہے پٹرولیم کو پاکر انسان نے اس سے کیا کیا کام لیے، اس کا بیان تو انشاء اللہ آگے آتا ہے، اس سے پہلے آیئے آپ کو یہ بتائیں کہ جب پٹرولیم کو دیکھ کر انسان کے

دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ زمین بس کیسے بن گیا اور کہاں سے آگیا؟ تو اس بات کا جواب اس نے کیا دیا ___ بات بھی واقعی بڑی دلچسپ ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے کہ انسان جہاں اللہ کی کسی نعمت سے فائدہ اٹھائے وہاں اگر ہو سکے تو اس کے بارے میں یہ بھی غور کرتا رہے کہ یہ نعمت کس طرح اور کیسے وجود میں آئی۔
لیکن ایسی باتیں سوچنے کے انداز دو ہو سکتے ہیں ایک انداز تو یہ ہے کہ یہاں جو کچھ ہے وہ یوں ہی آپ سے آپ بلا کسی ارادے اور بلا کسی مقصد کے پیدا ہو گیا ہے۔ انسان بھی بس یوں ہی اتفاقی طور پر پیدا ہو گیا ہے۔ اور اب اس زمین پر جو کچھ ہے وہ اس کے لیے ہے۔ چاہے جس طرح اس کو کام میں لائے ___ دوسرا انداز یہ ہے، انسان دُنیا کی ہر چیز کے پیچھے ایک مقصد اور ارادے کو مانے۔ اسے یہ اطمینان اور یہ یقین ہو کہ دُنیا کا یہ سارا کارخانہ یوں ہی آپ سے آپ نہیں بنا ہے اس سب کا ایک بنانے والا ہے، وہی اس کا مالک ہے۔ وہ بنانے والا انتہائی سمجھ دار اور بہت ہی حکمت والا ہے۔ اُس نے جو کچھ بنایا ہے اپنے ارادے سے سوچ سمجھ کر بنایا ہے۔ یہاں جو کچھ موجود ہے اس کا کوئی مقصد ہے۔ انسان کے وجود کا بھی ایک مقصد ہے اور اس دُنیا میں جو کچھ ہے سب کا ایک مقصد ہے۔
یہ دونوں انداز ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ آپ جب دُنیا کی چیزوں کے بارے میں غور کریں گے تو اس سے نتیجہ نکالنے میں آپ کے سوچنے کے انداز کو بڑا دخل ہوگا۔ اگر آپ پہلے انداز سے سوچیں گے تو ممکن ہے کہ آپ ایک نتیجہ نکالیں اور اُسے ہی ٹھیک سمجھیں۔ اور اگر دوسرے انداز سے سوچیں گے تو ممکن ہے کہ بالکل دوسرا نتیجہ نکالیں اور پہلے نتیجے کو بالکل غلط سمجھیں۔
آپ کو یہ سُن کر افسوس ہوگا کہ آج کے سوچنے والے اور سائنس کی تحقیق کرنے والے ہر بات کو اس انداز سے سوچتے ہیں گویا کہ اس دُنیا کا نہ کوئی خدا ہے اور نہ یہاں کی کسی چیز کے بننے اور پیدا ہونے کا کوئی مقصد ہے۔ اسی لیے وہ جو کچھ سوچتے ہیں اکثر اُس کا نتیجہ بالکل اُلٹا نکالتے ہیں۔

خیر یہ تو درمیان میں ایک بات آگئی تھی، ہم نے چاہا کہ اس کے بارے میں بھی آپ کو کچھ بتا دیں ... اصل سوال، جو ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ زمین میں پٹرولیم

کیسے بن گیا اور یہ اتنی مقدار میں کہاں سے آگیا؟ اس کا ایک سیدھا سادا جواب
تو یہی ہے کہ اس جہان کے مالک نے جہاں اور لاکھوں کروروں چیزوں کو بنایا ہے ا
جن کو دیکھ کر یہ اندازہ اچھی طرح ہوجاتا ہے کہ یہ سب چیزیں کسی نے خوب سوچ کر بڑ
حکمت اور دانائی کے ساتھ بنائی ہیں' اسی طرح زمین کی تہوں میں اُس نے اپنی کما
حکمت کے ساتھ پٹرولیم کو بھی پیدا کیا ہے اور اُس کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ انسا
کے سیکڑوں کاموں میں مُفید ہو سکے ــــ اور اس سوال کا جواب کہ یہ کس طرح
ہے، ہمیں ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم ہوسکتا' کیونکہ ہمارا علم ناقص ہے' اور ہمارے
پاس کوئی ایسا تاریخی بیان یا کوئی ایسی شہادت موجود نہیں ہے کہ جس کی بُنیاد پ
ہم یہ فیصلہ کرسکیں کہ پٹرولیم کی پیدائش کس طرح ہوئی ــــ لیکن انسان کو اد
نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی دی ہے کچھ حرج نہیں ہے کہ وہ اس عقل سے
کام لے اور جہاں تک اس کی سمجھ میں بات آتی جائے وہ برابر غور کرتا جائے لیکن
سوچنے کے اس انداز سے بچتا رہے جس میں اُس مالک کا انکار اور اُس سے بغا
کا پہلو پیدا ہونے لگتا ہے۔

پٹرولیم کو جانچنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ کاربن اور ہائیڈروجن دو عنصرو
سے مل کر بنی ہوئی ایک چیز ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کاربن اور ہائیڈروجن
کی اتنی بڑی مقدار جس سے اتنا زیادہ پٹرولیم بن سکے زمین کے اندر کہاں سے
آگئی اور پھر وہ آپس میں کیسے اس طرح مل گئی کہ اس سے پٹرولیم بن گیا؟۔ ا
سوال کا جواب کئی طرح دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن کوئی جواب بھی ایسا نہیں
ہے جس پر سائنس دانوں نے اتفاق کر لیا ہو' مختلف لوگ مختلف خیال رکھتے ہیں
لیکن یقین اور اطمینان کے ساتھ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا جواب ٹھیک ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کاربن اور ہائیڈروجن ان معدنیات سے پید
ہوگیا جو زمین کی تہوں میں پائی جاتی ہیں یہ سارا کام زمین کے پرتوں میں بہت ز
دباؤ' اور گرمی کے ماتحت ہوا اور اس کام کے ہونے میں لاکھوں برس لگے۔ لیکن ا
بات کو خود بہت سے سائنس والے ہی نہیں مانتے ان کے نزدیک یہ بات کچھ زیا
ٹھیک نہیں ہے۔

دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ نہیں پٹرولیم معدنیات سے نہیں بنا ہے بلکہ حیوانی یا نباتاتی اجزا سے بنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سمندر کی تہہ میں بہت چھوٹے چھوٹے حیوانات اور بعض کہتے ہیں کہ نباتات عرصے تک جمع ہوتے رہے پھر ایسا ہوا کہ ان کے اوپر بالو کی ایک موٹی تہہ چڑھ گئی۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ وہ حیوانی یا نباتاتی اجزا جن کو سمندر کے نمکین پانی نے سڑنے گلنے سے محفوظ رکھا بہت زیادہ دباؤ اور گرمی کے ماتحت پٹرولیم کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔

غرض یہ کہ اسی طرح انسانی عقل کی بہت سی قلا بازیاں ہیں جن کی مدد سے انسان یہ طے کرنا چاہتا ہے کہ آخر یہ اتنا کار آمد اور اتنا زائد پٹرولیم زمین میں کہاں سے آگیا۔

——— خدا سے بے تعلق ہو جانے کے بعد سائنس جاننے والا اور ایک فلسفی اسی قسم کے عقلی گدے لگایا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر چیز کا وجود بس کچھ اتفاقات کی وجہ سے ہوتا ہے، وہ اکثر یوں ہی کہتا ہے کہ "ایسا ہو گیا۔ ایسا ہو گیا" اس بیچارے کو یہ کہتے ہوئے بڑی شرم آتی ہے کہ "ایسا کر دیا گیا یا اس طرح بنا دیا گیا"۔ (باقی)

محترمہ ساجدۃ النساء بیگم صاحبہ تجاور

حدیثِ رسول صلعم کا اثر

"اماں جی ذرا غریب پر رحم فرما کر اس بچے کو تھوڑا سا کھانا دے دیجیے۔"
غریب ہمسائی نے درد بھرے آواز میں التجا کی' مگر اسے کوئی جواب نہ ملا' غریب ہمسائی جواب کے انتظار میں کچھ دیر بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد رضیہ کی امی نے کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے کہا۔ "تو ابھی یہیں بیٹھی ہے' شاید اپنے گھر میں تیرا دل گھبراتا ہوگا؟۔ جب دیکھو بچوں کے بہانے آموجود ہوتی ہے۔ رات بھر تو چین سے نیند آنی مشکل ہے. ہمیشہ بچوں کے رونے کی آواز آتی رہتی ہے' کیا تجھ کو اس کا خیال نہیں رہتا کہ پڑوس میں بھی کوئی ہے۔" نہ جانے کیا کچھ رضیہ کی امی نے کہا۔ پھر صاف کہہ دیا کہ اٹھو' یہاں سے جا' کھانا وانا کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے کسی کام میں لگ گئیں۔ بی ہمسائی کچھ دیر چپ رہ کر سہمے ہوئے لرزتی آواز میں ایک دفعہ اور کھانے کا مطالبہ کر بیٹھی۔ پھر کیا تھا رضیہ کی امی نے پھر کر سیکڑوں صلواتیں سنائیں اور مغرورانہ انداز میں کہا: "چل چل اب کے جو کچھ کہا تو دیکھ تو سہی تیری کیا گت بناؤں گی' اٹھو' یہاں نہ بیٹھو۔" ہمسائی آہستہ سے اٹھی اور چل دی۔ رضیہ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی' اس کے دل میں ایک درد سا اٹھا' دیکھا کہ امی کام میں لگی ہوئی ہیں' چپکے سے اٹھی اور امی کے پاس سے نکل سیدھی دوسرے کمرے میں گئی اور آہستہ سے اپنا صندوق کھولا اور جلدی سے کچھ پیسے لے باہر نکل آئی اور باغ کی طرف جاکر بی ہمسائی کو جو سامنے کھڑی تھی اشارے سے بلایا' وہ بیچاری تو آزردہ کھڑی ہوئی تھی جلدی سے نہیں آئی۔ رضیہ نے منت سماجت کرکے کسی طرح بلا ہی لیا۔ جب وہ نزدیک آئی تو چھپا کر وہ پیسے اس کے ہاتھ میں دے دیے۔ بی ہمسائی نے پیسوں کو دیکھ کر کہا: "کہ بی بی آپ کی امی کو معلوم ہوگا تو مجھے جیتا نہ چھوڑیں گی' نہ نہ معاف کرو۔" رضیہ نے یہ کہہ کر کہ انھیں کیا معلوم ہوگا پیسے دیدیے اور جلدی سے چلی آئی۔ رضیہ نے یہ سارا کام ڈرتے ڈرتے کیا: کہ کہیں امی دیکھ نہ لیں۔ مگر اس کی امی کسی کام سے باہر جو آئیں تو دیکھا کہ رضیہ ہمسائی

کچھ دے رہی ہے۔ پھر کیا تھا غصے سے لال پیلی ہوگئیں۔ رضیہ آئی تو دیکھا کہ امّی غصے سے گھور رہی ہیں۔ مارے خوف کے رضیہ کی حالت بُری ہوگئی، وہ سہمی ہوئی ماں کے قریب آئی، تو ماں نے اس کو خوب ڈانٹا، اور کہا کہ "سچ سچ بتا کہ اس گندی سے کیا باتیں کرکے آئی اور اسے کیا دے رہی تھی؟" اب رضیہ کو بڑی فکر ہوئی کہ سچ بولوں تو کہیں میری پٹائی نہ ہوجائے، مگر رضیہ کو اُسی وقت وہ حدیث شریف یاد آگئی کہ "سچ بولنے والا نجات پائے گا۔" اس حدیث کے یاد آتے ہی اس نے سچ سچ بتا دیا کہ ابّا کی کل کی دی ہوئی اٹھنّی دی ہے۔ پھر کیا تھا امّی آگ بگولہ ہوگئیں خوب خوب ڈانٹا ڈپٹا اور بولیں: "اری تو تو بڑی نڈر ہوگئی ہے۔ خود مختاری تو دیکھو اس کی۔" امّاں سب کچھ کہے جا رہی تھیں اور رضیہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ اتنے میں اس کے والد بھی آپہنچے اور سلام کیا۔ آتے ہوئے انھوں نے رضیہ کی امّی کی ڈانٹ ڈپٹ کو سُن لیا تھا۔ مگر بڑے اخلاق سے اُنھوں نے پوچھا: "کیوں کیا بات ہوئی رضیہ کو کیوں ڈانٹ رہی ہو؟" اُن کا یہ کہنا تھا کہ رضیہ کی امّی اور بگڑ گئیں، شوہر کو بھی نہ چھوڑا۔ مگر رضیہ کے ابّا بغیر کچھ جواب دیے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کپڑے اُتار کر رضیہ کو آواز دی اور بُلا کر تمام واقعہ سُنا اور رضیہ کو صبر کرنے کی تلقین کی۔ اُس وقت تک امّی کا غُصّہ اُتر چُکا تھا اور وہ اپنے کام میں مشغول ہوگئی تھیں۔ یہ باہر آئے تو رضیہ کی امّی باورچی خانے میں تھیں، انھوں نے چار پائی پر بیٹھتے ہوئے سلسلۂ کلام شروع کیا اور رضیہ کی امّی سے کہا کہ میں ابھی ابھی درس حدیث سُن کر آ رہا ہوں۔ اس حدیث کا درس ہوا تھا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ مسلمان نہیں جو خود پیٹ بھر کھائے اور پہلو میں رہنے والا اُس کا پڑوسی بھوکا رہے۔" دیکھا تم نے پڑوسی کا بھوکا رکھنے والا حضورِ اکرم کی زبانِ مبارک سے نامسلمان بنا جاتا ہے۔ ہائے غضب، طرفہ ماجرا یہ کہ خود تو اُس پر عمل نہ کرو اور دوسروں کو بھی نہ کرنے دو، اللہ اکبر، یہ تو منافقوں کا شیوہ ہے۔ یہ حدیث شریف بھی میں نے سُنی ہے کہ: "جس نے اپنے بھائی کی تکلیف کو رفع کیا خدا اُس کی تکلیف آخرت میں رفع کرے گا۔" (بخاری) اس حدیث کو سُنا کر رضیہ کے ابّا نے کہا کہ خیر جو ہوا اُس کو جانے دو اور اللہ سے توبہ کرو۔ اُن کی اس حکمت نے رضیہ کی امّی کے دل پر گہرا اثر کیا اُس وقت تو وہ خاموش رہیں۔ باورچی خانے کا کام ختم کرکے بی ہمسائی کو بلا بھیجا اور بڑے اخلاق سے پیش آئیں بڑی محبت سے روٹی سالن کے ساتھ کچھ پیسے بھی دیے۔ وہ حیران تھی مگر خوش ہو کر لے گئی۔ احادیث کا اثر رضیہ پر بھی زبردست پڑا اور وہ بڑی خوش ہوئی بلکہ اُس کے دل میں ان احادیث کے سُننے سے ایک نور چمکا اور اُس کا دل اور مضبوط ہوگیا۔ وہ دعا مانگ رہی تھی کہ "ربّ العالمین مجھے نیک راہ پر چلنے کی توفیق دیجیو"

ایک مثال

پیارے بچو!

آؤ آج تمھیں ایک مثال سنائیں۔ فرض کرو کچھ آدمیوں نے ایک بڑی سی کشتی کرائے پر لی اور سب مل کر پردیس چلے۔ کشتی تھی دو منزل۔ کچھ لوگ اوپر بیٹھے اور کچھ نے نیچے کے درجے میں آرام کیا۔ نیچے والوں کو جب پانی کی ضرورت پڑتی تو وہ پانی بھرنے اوپر چلے آتے۔ ایک ساتھی ایسا تھا کہ جب وہ اوپر پانی بھرنے جاتا تو اوپر والوں کو اس کے پانی بھرنے سے بڑی تکلیف ہوتی۔ اوپر والوں نے اس کے آنے جانے سے بُرا مانا اور کچھ ناک بھوں چڑھائی۔ یہ بات اس کو بھی بھلی نہ لگی' اس نے سوچا میں اوپر کیوں جاؤں؟ لاؤ کشتی کی تلی میں چھید کرکے یہیں سے پانی بھر لیا جائے۔ اس نے اپنی کلہاڑی لی اور کشتی کے پیندے میں چھید کرنے لگا۔

اب ذرا سوچو' کشتی میں بیٹھنے والے اگر اس بے وقوف کا ہاتھ نہ پکڑیں تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی نا' کہ کشتی میں پانی بھرنے لگے گا اور تھوڑی سی دیر میں کشتی سب آدمیوں سمیت ڈوب جائے گی۔ اور اگر دوسرے لوگ اس کا ہاتھ پکڑلیں گے اور اسے کشتی نہ توڑنے دیں گے تو وہ آدمی بھی بچ جائے گا اور کشتی میں بیٹھے ہوئے اور سب لوگ بھی بچ جائیں گے۔

یہ مثال اللہ کے پیارے نبی نے بیان فرمائی ہے۔ آپ نے بیان فرمایا جو شخص بُرائی کرتا ہے اور اللہ کی بتائی ہوئی باتوں کو چھوڑ کر ایسے کام کرنے لگتا ہے جن سے اس نے روک دیا ہے۔ وہ ایسا ہے جیسے کوئی سماج کی کشتی میں چھید کرنے والا آدمی ہو۔ جو کوئی بُرائی کرتا ہے وہ اُس کا پھل آپ ہی نہیں کھاتا بلکہ اُس کی بُرائی سے سماج کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ وہ لوگ جو آپ تو کوئی بُرائی نہیں کرتے لیکن دوسروں کو بُرائی کرتے دیکھ کر انھیں روکتے نہیں وہ بھی سماج کے دشمن ہیں

اگر وہ برائی کرنے والوں کو اللہ کی بغاوت کرنے کی آزادی دیتے رہیں گے تو آہستہ آہستہ سماج کی جڑیں کھوکھلی ہوتی چلی جائیں گی اور ایک نہ ایک دن پاپ کی ناؤ ڈوب کر رہے گی اور جب یہ ناؤ ڈوبے گی تو وہ لوگ بھی جو بیٹھے تماشا دیکھتے رہے تھے اس مصیبت سے نہ بچیں گے جو ان بروں کی وجہ سے آئے گی۔

اسلام ایک ایسا سماج بناتا ہے جس میں برائیاں بہت کم اور بھلائیاں بہت زیادہ ہوں۔ اس سماج میں برائیوں کو سر اٹھانے اور پنپنے کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ اسلام برائیوں کی جڑ کاٹتا ہے اور اس کا پورا پورا بندوبست کرتا ہے کہ جب اسلامی سماج میں کہیں کوئی برائی پیدا ہونے لگے تو سب لوگ مل کر اس کو اس طرح دور کرنے کی کوشش کریں جس طرح گھر میں آگ لگ جانے پر لوگ آگ بجھانے کے لیے دوڑتے ہیں، یا کسی کشتی کی تلی میں چھید ہو جانے پر کشتی کے بیٹھنے والے سارے کام چھوڑ کر پہلے اسے بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لوگوں نے بہت دنوں سے اس طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ برائیاں ہو رہی ہیں اور کچھ نہیں کہتے۔ یہی سبب ہے کہ اب وہ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ سیکڑوں برائیاں تو اب ایسی ہو رہی ہیں جنھیں وہ روکنا بھی چاہیں تو نہیں روک سکتے، ان کے روکنے کا ان میں کوئی بل بوتا نہیں ــــ لیکن اب بھی غور کرنے پر ہر آدمی کو ایسے بہت سے کام دکھائی دے سکتے ہیں جن کو وہ چاہے تو روک سکتا ہے۔ اس کے گھر میں، اس کے چھوٹوں میں، اس کا کہنا ماننے والے لوگوں میں رات دن بہت سے ایسے کام ہوتے ہیں جو اللہ کی مرضی کے نہیں ہیں۔ تم جانتے ہو مسلمانوں کے پاس حکومت بھی تھی اور عزت بھی تھی۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے ان کاموں میں اللہ سے بغاوت کی جو حکومت کو تھامنے والے تھے۔ دوسرے لوگوں نے انھیں آگے بڑھ کر روکا نہیں۔ ان کے بادشاہوں نے ایسے کام کیے جو مسلمانوں کو نہ کرنا چاہییں۔ ان کے وزیروں نے ایسی حرکتیں کیں جن کو اسلام برا کہتا ہے۔ ان کے حاکموں نے وہ کام کیے جن سے اسلام روکتا ہے، اور کسی نے ان کا ہاتھ نہ روکا۔

کوئی ایسا نہ رہا جو ان کو اسلام کے راستے سے نہ ہٹنے دیتا۔ نتیجہ سامنے ہے۔ حکو[مت] کی کشتی ڈوب گئی۔

پیارے بچو! تم ایسے وقت آنکھیں کھول رہے ہو، جب کہ چاروں [طرف] اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ بُرائی اور پاپ نے سب کو گھیر لیا ہے۔ اور اب تم [کو] آگے بڑھ کر اندھیرے سے لڑنا ہے اُجالا پھیلانا ہے، بُرائی اور ظلم کو دُنیا [سے] مٹانا ہے۔ یہ کام بڑا سخت ہے، لیکن ہے بڑا پیارا کام۔ اللہ جس پر مہربا[ن] ہے اس سے یہ کام لیتا ہے۔ تم اپنے ننھے ننھے ہاتھ اُٹھا کر اُس سے دُعا [ما]نگو کہ وہ مالک یہ کام تمھارے ہاتھوں کرائے۔ تم نیک بنو اور نیکی پھیلاؤ۔ [ا]ن حکموں پر آپ چلو اور دوسروں کو اس پر چلنا سکھاؤ +

(بچوں کے ہندی رسالے "اُجالا" سے لیا[گیا])

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بزمِ حسنات

مختصر روداد "بزمِ حسنات" گوجرانوالہ۔ منعقدہ مورخہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ ہجری

اجتماع بعد نماز جمعہ مسجد کچہری روڈ میں منعقد ہوا۔ سب سے پہلے بزمِ حسنات کے ایک خُرد سال ممبر نے بہت اچھے [انداز میں] تلاوتِ قرآن مجید کی ـــــ اس کے بعد راقم الحروف نے سابقہ کارروائی پڑھ کر سُنائی۔ پھر ایک ممبر نے الحسنات میں شائع شدہ نظم "میرا عزم" پڑھی۔ سُننے والے بہت متاثر ہوئے۔ پھر ایک دوسرے ممبر صاحب نے الحمد للہ کے عنوان سے ایک فصیح مضمون پڑھا جس میں الحمد[للہ] کی تفسیر کی گئی تھی۔ اس کے بعد صدر محترم نے رسالہ "الحسنات" میں سے ایک مضمون پڑھا جس کا عنوان تھا "انسان کی زندگی پر توحید کا اثر" اختتام پر صدر محترم نے فرمایا کہ ہمیں اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور توحید کے صحیح معنی سے آگاہ رہنا بہت ہی ضروری ہے۔ پھر ا[یک] کے طالب علم نے رسالہ الحسنات میں سے ایک کہانی پڑھی جس کا عنوان تھا "ایک دعوت میں"۔ جو حضرات پہلی مرتبہ شریک ہونے تھے ہمارا انتظام دیکھ [کر] خوش ہوئے۔ پھر راقم الحروف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی سے ایک واقعہ پڑھ کر سُنایا کہ آپ کو جہاد کی شرکت [کا] شوق تھا ـــــ ہمارے اجتماع میں ممبران کی حاضری پینتیس ۳۵ و چالیس کے درمیان رہی ہے ـــــ اجتم[اع میں] جمیعۃ الطلبا اہلِ حدیث گوجرانوالہ کے کئی طالب علموں کی شرکت پر ممبران کو بہت خوشی ہوئی ـــــ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ممبران بزم اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اور دین کے بارے میں برابر اپنا علم بڑھا رہے ہیں +

(رشید احمد غفرلہٗ نگینوی (ناظم بزم) گوجرانوالہ۔ سول لائن نزد سول ہسپتال)

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

اچھی پیاری باتیں۔ آؤ سنو پیارو

اے میرے پیارے بچو
یہ جانتے ہو تم سب
اللہ میاں نے پیدا
رہنے کو یہ کشادہ
میوے، اناج، غلّہ
اور فائدہ اٹھانے
انسان کو پیارو
اپنا بنا کے نائب
یہ مرتبہ یہ عزت
آزادی جیسی نعمت
اچھے بُرے کی اُس نے
لیکن سوال یہ ہے
کس طرح کی خدا نے
کیا آدمی کو اُس نے
محدود علم دے کر
اس کو جہاں میں یوں ہی
کیا زندگی کا اُس نے
انسان کی پیارو
تم خود ذرا یہ سوچو
پیدا کرے یہاں پر
اور برقرار رکھنے

میرے عزیز بچو
یہ مانتے ہو تم سب
انسان کو کیا ہے
اُس نے زمیں بنائی
پیدا کیا زمیں سے
ان ساری نعمتوں سے
تن اور دماغ بخشا
اس کو جہاں میں بھیجا
اللہ نے اس کو بخشا
اُس نے اسے عطا کی
اِس کو تمیز بخشی
میرے عزیز بچو
آزادی اس کو بخشی
ناقص دماغ دے کر
محدود عقل دے کر
چھوڑا بھٹکتے پھرنے؟
رستہ تلاش کرنے
کچھ بھی مدد نہیں کی؟
انسان کے لیے جو
غلّے کا دانہ دانہ
انساں کی زندگی کو

پیدا کیا ہو جس نے
اور بے شمار چیزیں
برباد ہوتے گئے
انساں کی زندگی کو
یہ بات عقل کے تو
قرآن کا ہے کہنا
توریت نے کہا ہے
آزادی انس کو ہے
لیکن بنا کے اندھا
اس کے لیے خدا نے
آیات اپنی دے کر
انسانوں ہی سے جانو
آدمؑ و نوحؑ و صالحؑ
اسحاقؑ اور یونسؑ
ہارونؑ اور موسیٰؑ
ہاں وقفے وقفے سے یہ
ہر دَور میں یہ آئے
ہر ملک میں یہ آئے
دُنیا کا گوشہ گوشہ
ایسا نہیں کہ جس میں
دُنیا میں سب سے پہلے

آب و ہوا و آتش
دُنیا میں جو ہیں پھیلی
دیکھے گا پیارے بچو
بے کار کاموں میں وہ
بالکل خلاف ہی ہے
انجیل کا ہے کہنا
کہنا زبور کا ہے
بخشی ضرور رب نے
چھوڑا نہیں ہے اس کو
دُنیا میں پیارے بچو
احکام اپنے دے کر
بھیجے رسول اپنے
ایوبؑ اور سلیمانؑ
یعقوبؑ اور یوسفؑ
عیسیٰؑ رسولِ اکرمؐ
آتے رہے جہاں میں
ہر وقت میں یہ آئے
ہر قوم میں یہ آئے
دُنیا کا چپّہ چپّہ
آئے نہ ہوں یہ جس میں
سُن لو کہ آئے آدمؑ

اور بعد ان کے جانو
نیکی بدی کی راہیں
اچھی طرح سے سب نے
جینے کے ڈھنگ بتائے
طاعت کے ڈھنگ بتائے
سب کے اخیر میں ہاں
یوم الجزا تلک اب
ہوگا نبی نہ کوئی
کیونکہ عزیز بچو
دیگر نبی کی مانند
انساں کو آپ نے بھی

دیگر رسول آئے
اچھے برے کی راہیں
انسان کو بتائیں
رہنے کے ڈھنگ بتائے
پوجا کے ڈھنگ بتائے
آئے نبیؐ اکرمؐ
یوم السزا تلک اب
ہوگا رسل نہ کوئی
ہیں ختم مرسلیں یہ
دیگر رسل کی مانند
طاعت کے ڈھنگ بتائے

ان کا پیام بچو
ان کا کلام بچو
ہے یہ پیام وہ ہی
لائے تھے جو نبی سب
لیکن ہے بات اتنی
اور یہ پیام اب تک
محفوظ ہے پیارو
اترا تھا جس طرح سے
چاہیے اگر ہو بچو
تو سن لو کان دھر کے
ان کے پیام کی تم

کوئی نیا نہیں ہے
کوئی نیا نہیں ہے
یہ ہے کلام وہ ہی
آدمؑ سے مصطفےٰ تک
سب میں ہوئی ہے گڑبڑ
اور یہ کلام اب تک
بالکل اسی طرح سے
یہ ختم مرسلیں پر
نصرت و کامیابی
دنیا و دیں میں بھی
کرنا ہمیشہ طاعت

جناب ایم حسیب صاحب دیوبندی

تارے

رات ہوئی اور نکلے تارے
چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے
جھلمل جھلمل کرتے رہتے
ہیروں کی مانند چمکتے
کھیلتے ہیں سب آنکھ مچولی
مل کر جتنے ہیں ہم جولی
کیسا اچھا رنگ ہے پایا
من کو میرے ہے یہ بھایا
بھولے کو یہ راہ دکھائیں
جنگل میں یہ وقت بتائیں
رات کو کرتے چوکیداری
جب سوتی ہے دنیا ساری
رات گئی اور ہوا سویرا
تاروں کا بھی اٹھا ڈیرا
حسیب بھی پڑھنے جانے لگا اب
رات کو ملنا مجھ سے پھر سب

جناب فضل من اللہ صاحب

انوکھا مسافر

رات کا تہائی حصہ گزرنے کے باوجود بستی کی ایک اکثریت سوئی نہیں۔ بستی کے باشندے نادم ہیں کہ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو دو چپاتیاں اور تھوڑا سالن اس دعوے کے ساتھ پیش کر سکے کہ وہ خوراک حلال کمائی کی ہے۔ اور لوگ متعجب بھی ہیں کہ یہ انوکھا مسافر کہاں سے نازل ہو گیا ہے۔

بستی کی جامع مسجد میں مغرب کی نماز کے لیے اقامت کہی جا رہی تھی، کہ مسجد کے شمالی دروازے سے ایک خشک ہونٹوں والا نحیف و زار مسافر داخل ہوا اور نماز میں شریک ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اکثر نے اسے دیکھا اور محسوس کیا۔ کہ اگرچہ بظاہر وہ پراگندہ تھا۔ لیکن اس کے چہرے کی طمانیت بہت نمایاں تھی۔

خطیب نے کل نماز کے بعد مسافروں کی خدمت کرنے کے لیے پُرزور خطبہ دیا تھا۔ اور حاضرین میں چند لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس کارِ خیر میں کوتاہی نہ کریں گے۔ چنانچہ چودھری جلال الدین نے تو کل سے ہی اس پر عمل شروع کر دیا تھا۔ آج کے مسافر پر تو وہ اس لیے بھی خوش تھا کہ اس نے سوال نہ کیا تھا۔

نماز کے فوراً ہی بعد چودھری صاحب تنور کی چند روٹیاں اور کچھ سالن لے آئے لیکن نووارد کھانا لینے میں کچھ ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا ـــــ "آپ نے کھانا لانے کی تکلیف کی، شکریہ" لیکن نووارد نے ہچکچاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا ـــــ "فرمائیے آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے"؟ چودھری نے کہا ـــــ "جی نہیں، لیکن میں پرہیزی کھانا کھاتا ہوں"! ـــ "یعنی" چودھری نے تعجب سے پوچھا ـــــ بات صرف یہ ہے کہ میں کھانا کھانے سے پہلے اُس کمائی کا جائزہ لینے کا عادی ہوں۔ اور میری دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کوئی لقمہ حرام میرے حلق سے نیچے نہ اُترے۔ میں بھوک تو برداشت کر سکتا ہوں...... لیکن!

"تو آپ یقین مانیے میرا مال حلال ہی کی کمائی ہے" ـــ "مگر ـــ معاف فرمائیے۔ آپ کونسا کاروبار کرتے ہیں"؟ ـــ "میں منڈی میں آڑھتی ہوں۔" چودھری نے خشک لہجے میں کہا ـــ "غالباً آپ اس میں سودی کاروبار تو نہیں کرتے ہوں گے"؟ ـــ "جی! بس کبھی کبھی بنک سے قرض لینا ہی پڑ جاتا ہے یا پھر بچی ہوئی رقم بنک میں جمع کرا دیتا ہوں۔ سُود تو وہ زبردستی ہر شخص کو دیتے ہی ہیں"۔ چودھری نے خفت آمیز اور معذرت کے لہجے میں کہا ـــ "تو بھائی میں آپ کی تکلیف کے لیے معذرت خواہ ہوں، آپ کی ہمدردی کا ممنون ہوں، لیکن میں خدا کے فرمان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔" اجنبی مسافر نے انتہائی استقلال آمیز معذرت سے کہا۔

چودھری کھانا لے کر گھر واپس چلا گیا۔ اُس کی بیوی نے سارا قصہ سُن کر کہا: "اگر سودی کاروبار کرتے وقت خدا سے ڈرتے تو آج یہ شرمندگی نہ اُٹھانا پڑتی۔"

تھوڑی دیر بعد محلے کے ایک مخیر وکیل صاحب آئے۔ بڑے بڑے مقدمے جیتنے والے۔ لیکن اپنا مقدمہ ہار کر واپس گئے۔ غرض محلے کے تقریباً سات مخیر حضرات مسافر کو کھانا کھلانے آئے۔ لیکن وہ مسافر کو یقین نہ دلا سکے کہ وہ اسے حلال کمائی کا کھانا کھلا رہے تھے۔ کسی آمدنی میں سُود کی آمیزش تھی، کسی میں ظلم، رشوت، غصب، اور فریب و غبن کی۔ ساری بستی میں اس انوکھے مسافر کا چرچا تھا، مگر کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ دعوے سے اپنی کمائی کو حلال کی کمائی بتا سکتا۔

تو کیا آٹھ سو کی آبادی میں سے یہ مسافر بھوکا چلا جائے گا۔ غیر محسوس طور پر ایک سوال ابھر کر ساری بستی کے اجتماعی ضمیر پر چپک گیا۔ شاید نہیں، اس لیے کہ انسان کے دل میں نیکی اور اخلاق کے لیے ابھی بہت گنجائش ہے اور سرمایہ داری انسان کو پوری طرح قتل نہیں کر سکی ہے۔ ابھی ساری بستی پر نیند کا غلبہ نہیں ہوا تھا۔

"چودھری صاحب چلے آ رہے ہیں، ان کے ہاتھوں میں وہی کھانا ہے۔ وہ پشیمان اور آئندہ سُود نہ لینے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔ اب بیرسٹر صاحب بھی چلے آ رہے ہیں، انھوں نے تہیّہ ارادہ کر لیا ہے کہ دھوکے اور فریب کی حمایت نہ کریں گے، ماسٹر صاحب نے بھی عہد کر لیا ہے کہ بِہن کا پورا پورا حق ادا کریں گے۔

یہ کیسا غیر محسوس زلزلہ ہے جس نے ساری بستی کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر جگا دیا ہے۔ ذہن اُبل گئے ہیں، دل کانپ اُٹھے ہیں، معیشت بے سہارا ہو گئی ہے اور جو کام ہزاروں وعظوں، تقریروں، نصیحتوں اور نعروں سے نہ ہو سکے وہ ایک مردِ مومن کے عمل صادق سے آناً فاناً ہوئے جا رہے ہیں۔

رات کے دُو بجے مسافر نے کھانا کھا ہی لیا۔ چند لقمے ہی سہی، مگر کئی زندگیاں بدل دیں۔

صُبح کی نماز کے بعد وہ مسافر کسی دوسری بستی کی طرف چلا گیا۔ وہ آٹھ سو کی بستیاں آج آٹھ ہزار کی بستیاں بن چکی ہیں اور یہ سارا ملک آج ایسی بستیوں سے بھرا پڑا ہے۔ جہاں ہزاروں بہنوں کے حقوق دن رات غصب ہوتے رہتے ہیں، سُود خواری اور سود خورانی کی اجازت حکومت کی سرپرستی میں دی جاتی ہے۔

ہزاروں بے گناہ آج جیلوں میں بند ہیں اور آج اس سرزمین کو کسی ایک انوکھے مسافر کی نہیں بلکہ پورے ایک کارواں کی ضرورت ہے جو زندگیوں کے پیمانے بدل دے اور افکار و خیالات کے قافلے فسق و فجور کی پگڈنڈیوں سے موڑ کر صالحیت کی شاہراہ پر لگا دے۔ (جہانِ نو)

ابو محمد حافظ امام الدین صاحب رام نگری

سب سے بڑا بہتان

منکرینِ مذہب کہتے ہیں کہ "الوہیت و رسالت کی کوئی حقیقت نہیں' سیدھے سادے عوام کو دھوکا دینے کے لیے سرمایہ داروں اور اقتدار پسندوں نے یہ باتیں گڑھ لی ہیں' تاکہ خدا و رسول کے نام سے لوگوں کو قابو میں رکھ کر ان سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے رہیں۔

موجودہ دَور میں اس خیال کا مبلغ اشتراکیت کا بانی لینن ہے' اس نے لکھا ہے:

"سرمایہ داری کی نظر نہ آنے والی قوتوں نے انسانی ذہن میں ایک ڈر کی صورت پیدا کر دی ہے۔ اس ڈر سے ایک اعلیٰ فرماں روا کے خیال کی بنیاد پڑی جس کو انسان خدا کے نام سے پکارنے لگا۔"

لینن کے اسی خیال کو اس کے مقلد مختلف لفظوں میں دُہراتے اور اپنے زعم میں روشن خیالی کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔

لیکن الوہیتِ کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے' اور اس کا انکار سب سے بڑی سچائی کا انکار ہے' رسالت پر یہ بہتان کہ وہ سرمایہ پرستی اور اقتدار پسندی کا آلہ کار ہے سب سے بڑا بہتان ہے۔ آپ نے متعدد انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوتوں کا مختصر تذکرہ پڑھا ہوگا آپ کو یہ بات معلوم ہو چکی ہوگی کہ سارے نبیوں کی نبوتوں کا سب سے اوّل نشانہ سلاطین و رؤسا اور اہلِ دولت و ثروت ہی تھے۔ اور ان سب نبوتوں کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ فائدہ درماندہ اور پست ہی طبقے کو پہنچا' امراء اور اونچے طبقے کے لوگ عموماً تباہ و برباد ہی ہوئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت کو دیکھیے' آپ کی نبوت کی زد کن لوگوں پر پڑی؟ اور آپ نے حمایت و سرپرستی کن لوگوں کی کی؟ آپ کی بعثت کی غرض تھی خدا کی اطاعت و بندگی کی دعوت' اور قوم کے امراء و رؤسا کا مطالبہ تھا کہ آپ کم حیثیت' غریب اور پست طبقے کے لوگوں کو اپنے پاس سے الگ کر دیں' لیکن آپ نے قوم کے رؤسا کا یہ مطالبہ ٹھکرا دیا' اور یہ لالچ بھی آپ کو ان کے مطالبے کے ماننے پر آمادہ نہ کر سکا کہ شاید وہ لوگ اس طرح آپ کی دعوت کو قبول کر لیں۔۔۔ اندازہ کیجیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت میں پامال اور پس ماندہ طبقے کی حمایت کا کتنا خاص درجہ تھا۔

اسی طرح حضرت ہُود، حضرت صالحؑ اور حضرت لوط علیہم السلام کا اولین خطاب قوم کے امراء و رؤسا ہی سے تھا، اور ان حضرات نے اسی طبقے کو لوگوں کو تنبیہ کی اور بدکاری اور کج عملی کے خوفناک انجام سے ڈرایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھیے، آپ نے وقت کے سب سے ترقی یافتہ اور باعظمت سلطنت کے فرماں روا نمرود کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، اور خدا کے کلمہ کی بلندی اور انسانیت کی نجات کے لیے کس طرح انجام سے بے نیاز ہو کر اس کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے؟

حضرت شعیب علیہ السلام نے سیٹھوں اور ساہوکاروں کے خلاف عوام اور سچائی کی حمایت میں آواز بلند کی، انھیں لین دین کے معاملات ٹھیک کرنے کی تاکید کی۔ ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دھمکی دی کہ تم نے ہماری مخالفت ترک نہ کی تو ہم تمھیں جلاوطن کر دیں گے یا سنگسار کر ڈالیں گے، لیکن آپ نے حق کی آواز بلند کی اور لوگوں کو برابر خدا پرستی اور راستبازی کی دعوت دیتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت بھی اُس وقت کی دُنیا کے سب سے بڑے ظالم اور سرکش فرماں روا فرعون کے خلاف تھی، جس نے بنی اسرائیل کو انتہائی ذلت و محکومی کی حالت میں مبتلا کر رکھا تھا، اور ان پر ایسے مظالم ڈھاتا تھا جس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، آپ کی نبوت کھلے طور پر ایک مطلق العنان بادشاہ کی مخالفت اور ایک مجبور قوم کی حمایت ہی تھی۔

سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ کی نبوت و رسالت کی سب سے پہلی چوٹ عرب کے جس طبقے پر پڑی وہ قریش کے امراء و روسا تھے، اور اس کا پہلا فائدہ جس طبقے کو پہنچا وہ ملک کے غلاموں اور لونڈیوں کا طبقہ تھا۔ پھر عرب کے باہر جن کو اسلام کی دعوت دی گئی وہ روم و فارس، شام و مصر اور حبشہ کے سلاطین و رؤسا تھے یہ دعوت کیا تھی: صرف خدا کی ذات قابلِ اطاعت ہے، بادشاہ اور بادشاہیت کچھ نہیں، سب کے غلام ہیں، حاکمِ وقت بس ایک عام انسانوں کی طرح انسان ہے، سب کا خادم، سارے انسان ایک مرد اور ایک عورت کی نسل ہیں، ان میں نہ کوئی بلند ہے اور نہ کوئی پست، سب میں مساوات ہے، سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، سب آزاد ہیں، سب کو ترقی کا یکساں حق حاصل ہے، خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مرتبے والا وہ ہے جو خدا سے زیادہ ڈرتا ہے، اور سچائی اور نیک عملی کی زندگی گذارتا ہے ——

دوسرے مذاہب کی طرف سے ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت ہے اور نہ ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں، لیکن اسلام کو سرمایہ پرستوں اور اقتدار پسندوں کا فریب کہنا خود سب سے بڑا فریب اور سب سے بڑا بہتان ہے۔

شوپیان کشمیر میں بزمِ الحسنات کا انعقاد۔ بزم ہفتے کے دن ہوا کرتی ہے شمولیت کرنے والوں کی تعداد دس تک ہوتی ہے۔ تلاوتِ قرآن اور چند آیات کی تشریح کے بعد ایک دو مقالات پڑھے جاتے ہیں۔ (محمد عبدالرشید از کشمیر)

नमाज़

इन्सान की ज़िन्दगी में सुधार करने के लिये नमाज़ से अच्छा कोई दूसरा तरीका नहीं। इससे अच्छा कोई दूसरा ट्रेनिंग कोर्स (Training Course) ऐसा नहीं जो इन्सान की ज़िन्दगी को अच्छाइयों से भर दे। नमाज़ ऐसे इन्सान तय्यार करती है, जो समाज का सबसे ज़ियादा क़ीमती सरमाया होते हैं।

इस किताब में नमाज़ का मतलब बताने के साथ साथ यह बताया है, कि नमाज़ का असली फ़ायदा हासिल करने के लिये किस तरह कोशिश की जा सकती है।

स्कूलों के पढ़ने वालों के लिये और कम [illegible] पढ़े लोगों के लिये यह किताब बहुत मुफ़ीद रहेगी ([illegible])।

— [illegible] (यू०पी०)

اپریل اول [illegible] سنہ ۱۹۵۱ء



جلد ۹ — نمبر

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

بچوں اور بچیوں کے لیے

رسالہ الحسنات رامپور

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح [illegible]

اپریل اول ١٩٩١ء

مدیر: ابو سلیم محمد عبد الحی

چندہ
سالبھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے [illegible]
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

[illegible] مکتبۂ الحسنات رامپور [illegible]

احساسات

اتحاد اور آپس کے صحیح میل جول کے لیے جو بنیادیں ٹھیک ثابت ہوسکتی ہیں ان کی تشریح آپ پہلے پرچوں میں پڑھ چکے ہیں۔ آخری رسالے میں اس طرف بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اسلام کی دعوت ہی اتحاد کی اُن ضروری شرطوں کو ٹھیک ٹھیک پُورا کرتی ہے۔ اب ذرا تفصیل سے آپ کو یہ بتانا ہے کہ ایک عالم گیر اور سچے اتحاد کے لیے اسلام کے اصول کس طرح مُفید ہو سکتے ہیں۔

۱۔ آپ کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اتحاد کے لیے سب سے پہلی بُنیاد یہ ہے کہ اتحاد کرنے والوں کے سامنے کوئی ایک ہی مقصد ہونا چاہیے۔ آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ یہ مقصد یا نصب العین کیسا ہونا چاہیے۔

اسلام سب سے پہلے اپنے ماننے والوں کے سامنے ایک نصب العین رکھتا ہے اور وہ ہر فرد سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس نصب العین کو اختیار کیا جائے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ جب:

(۱) اللہ کو اس جہان کا مالک اور حاکم مان لیا جائے۔

(۲) اس بات کا یقین کر لیا جائے کہ ایک دن ضرور اُس کے سامنے حاضر ہو کر اپنے کاموں کا بدلہ پانا ہے۔ اور

(۳) اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو اپنی پُوری زندگی کے کاموں میں قبول کر لیا جائے ———— تو پھر ہر شخص کی زندگی اس بات کی گواہی دے کہ واقعی اس نے اسلام کو قبول کر لیا ہے۔ اس کی پُوری زندگی میں اللہ کی تابعداری اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کے خلاف کوئی بات نہ پائی جائے اور اس کو ہر آن یہی فکر رہے کہ کس طرح وہ اللہ کے ان بندوں کو جو اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے سچے آقا کی بندگی نہیں کر رہے ہیں

اپنے مالک کو پہچاننے اور اس کا حکم ماننے پر آمادہ کرے ———
خود اللہ کی پوری پوری تابعداری کرنا اور
دوسروں کو اس مالک کی غلامی کی طرف بلانا

بس یہی اس کی زندگی کا مقصد ہو، اس کا ہر کام اسی نصب العین کے لیے ہو اور اس کی ہر کوشش کا مرکز یہی ہو۔ وہ جو کام کرے اُس میں اللہ کی مرضی کو پہلے اور اُسے ہر آن یہی فکر ہو کہ اللہ کا دین غالب اور اس کا کلمہ بلند ہو۔ اسی کوشش کا نام "اقامتِ دین" ہے۔

یہی وہ متفقہ نصب العین ہے جس کو اختیار کرنے سے اتحاد کے لیے سب سے زیادہ مضبوط بنیاد مل جاتی ہے اور اسی نصب العین میں وہ تمام خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں جن کا تذکرہ آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اقامتِ دین کا نصب العین مادّی نہیں ہے بلکہ مکمل طور پر اخلاقی اور اصولی ہے۔ یوں تو اللہ کے دین کو قایم کرنے کے سلسلے میں اسلامی حکومت بھی قایم کرنا ہوتی ہے لیکن چونکہ یہ حکومت مقصود نہیں ہوتی اس لیے جس وقت تک اسلامی اصول اور اسلامی اخلاق ہی مقصود رہتے ہیں۔ اُس وقت تک اسلامی اتحاد کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ اور نہ حکومت قایم ہوجانے کے بعد نصب العین کے ساتھ لوگوں کی دلچسپی کم ہونے لگتی ہے بلکہ اللہ کے دین کو قایم کرنے کے ساتھ جو لگاؤ ابتدا میں ہوتا ہے وہی لگاؤ حکومت مل جانے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ اقامتِ دین کا کام کوئی وقتی کام نہیں ہے اور نہ اس کا تعلق کسی خاص قوم یا ملک سے ہوتا ہے۔ جو تحریکیں کسی قوم کو سربلند کرنے کے لیے، یا کسی ملک کو آزاد کرانے اور خودمختار حکومت دلانے کے لیے اٹھتی ہیں وہ کم از کم اُس وقت ضرور مُردہ ہونے لگتی ہیں جب وہ قوم اپنا مطلوبہ مقام پالے یا وہ ملک آزاد ہوجائے لیکن اللہ کے دین کو قایم کرنے کا مقصد اس سے بالکل جدا ہے۔ اگر ساری زمین پر اللہ کا دین غالب ہوجائے تب بھی اقامتِ دین کے نصب العین میں کوئی کمزوری نہیں آسکتی۔ ہر شخص کی زندگی اور پھر ساری انسانیت کو اللہ کی مکمل اطاعت میں دے دینا ہی ایک ایسا مقصد ہے جس کی جدوجہد کا خاتمہ زندگی ختم ہونے کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے اس سے پہلے نہیں ——— پھر یہ ساری دنیا کے لیے ایک ایسا نصب العین ہے جو کسی خاص قوم اور خاص ملک کے

مخصوص نہیں ہے۔ جب یہ مان لیا جائے کہ اس سارے عالم اور پوری انسانیت کا خالق و مالک ایک ہی ہے تو اس کی تابعداری کو نصب العین بنانے سے زیادہ عالمگیر نصب العین اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ نصب العین نہ قومی ہے اور نہ ملکی۔

۲۔ کامیاب اتحاد کے لیے دوسری شرط یہ تھی کہ لوگوں میں اپنے نصب العین کے ساتھ گہرا عشق اور شدید محبت ہونا چاہیے۔ یہ بات بھی اسلام کے پیش کیے ہوئے نصب العین میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ اسلام جس مقصد کو اپنے ماننے والوں کے سامنے رکھتا ہے اسے یوں ہی محض کسی اسکیم یا نظامِ زندگی کے طور پر نہیں رکھتا کہ اگر لوگ ایسا اور ایسا کریں گے تو نتیجے میں ایسے اور ایسے فائدے پائیں گے بلکہ اسلام اپنا پورا زور اس بات پر صرف کرتا ہے کہ اس کے ماننے والے اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ گہرا دلی تعلق پیدا کریں۔ اللہ کی رضامندی اور اس کی محبت کو وہ بنیادی حیثیت دیتا ہے اور اقامتِ دین کی ساری عمارت اس بنیاد پر بناتا ہے۔ یہاں زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ہے لیکن یہ سمجھ لیجیے کہ اللہ کے ساتھ گہرے دلی لگاؤ، سچی محبت، خالص وفاداری اور پوری پوری جاں نثاری کے بغیر اسلام کے پیش کیے ہوے نصب العین کا پالینا ممکن نہیں ہے۔

۳۔ اتحاد کی تیسری شرط پر بھی غور کرلیجیے، یعنی یہ کہ سب لوگوں کی توجہ اور غرض کا مرکز ایک ہی ہو، اگر الگ الگ غرضوں کے لیے لوگ کام کریں گے تو ان کا ایک دوسرے سے الگ الگ ہوجانا لازمی ہے۔ اسلام تمام توجہات اور تمام اغراض کا مرکز آخرت کی کامیابی کو بنانا چاہتا ہے۔ اور انسان کی ہر غرض اور ہر توجہ کو وہ اسی غرض کا ماتحت کر دینا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک ہی مقصود کی خاطر لوگ جدوجہد کریں گے تو ان میں ایک رنگی پیدا ہونا لازمی ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھیے کہ آخرت کی کامیابی کو مقصود بنا لینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان دُنیا کو ترک کر دے، یا اللہ کی دی ہوئی عقل اور اس کے پیدا کیے ہوے وسائل سے کام لینا چھوڑ دے۔ اسلام کے نزدیک اس طرح دُنیا سے ہاتھ اُٹھا لینے سے آخرت ہاتھ نہیں آتی۔ اسلام انسان کو جس چیز سے روکتا ہے وہ ہے اللہ کی بغاوت اور نافرمانی اختیار کرنا اور غیر اللہ کی اطاعت کے تقاضوں پر

راضی ہو جانا۔

۴۔ اتحاد کے لیے کوئی ایسا خیال یا عقیدہ جس کے اعتبار سے مختلف انسان پیدائشی طور پر اونچے اور نیچے سمجھے جائیں سخت مُضر ہے۔ اسلام انسان ہونے کے اعتبار سے سب لوگوں کو برابر کا درجہ دیتا ہے، وہ سب انسانوں کو ایک آدم کی اولاد بتاتا ہے اور ہر قسم کی پیدائشی اونچ نیچ کو بالکل غلط بتاتا ہے۔ اسلام کے نزدیک خاندان، قوم یا ملک کی نسبت صرف آپس میں ایک دوسرے کو پہچاننے کا ذریعہ تو ہو سکتا ہے لیکن اس بُنیاد پر کسی کو شریف، کسی کو اچھوت اور کسی کو ناپاک سمجھنے کو بالکل غلط بتاتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو اللہ کو جتنا زیادہ راضی رکھنے کے کام کرتا ہے وہی اللہ کے نزدیک زیادہ اونچے درجے کا آدمی ہوتا ہے۔ سچے اتحاد کے لیے یہ یقین نہایت ضروری ہے۔

۵۔ اسلام کی ابتدا ہی اس تصوّر اور اس یقین کے ساتھ ہوتی ہے کہ اس سارے جہان کا پیدا کرنے والا، پالنے والا اور حاکم و مالک صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ ایسی ذات جس کے اقتدار کو سب مان لیں اور جس کی بادشاہت کو تسلیم کر لینے میں کسی مُلک اور کسی قوم کے آدمی کو کوئی جھجک نہ ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہو سکتی ہے۔

اتحاد کے لیے اس پانچویں شرط کو بھی اسلام ہی پُورا کر سکتا ہے۔

اسلام کا نام لینے والے اور اسلام کے نام پر جان دینے والے کروڑوں مسلمان موجود ہیں ——— اور اسلام اللہ کی وہ نعمت ہے جو اتحاد کے لیے سب سے بہتر بُنیاد بن سکتا ہے ——— یہ دو باتیں جب آپ کے سامنے آئیں گی تو یہ سوال آپ سے اُبھر کر سامنے آئے گا کہ پھر مسلمانوں میں ویسا اتحاد کیوں نہیں ہے، جیسا اتحاد اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس بات کا جواب ہمارے ذمّے ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اگلے پرچے میں آپ اس جواب کو پڑھیں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ
عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ
وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ○
وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ○

(سورۂ ہود۔ رکوع ۱۰)

پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہلِ خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟۔ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم۔ جن کو ہم نے اُن قوموں میں سے بچا لیا۔ ورنہ ظالم لوگ تو اِنھیں مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انھیں فراوانی کے ساتھ دیے گئے تھے۔ اور وہ مجرم بن کر رہے۔ تیرا رب ایسا نہیں ہے۔ کہ بستیوں کو ناحق تباہ کردے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں — (تفہیم القرآن)

تشریح

سورۂ ہود میں اب تک جن قوموں کے تاریخی واقعات بتائے گئے ہیں اب اُن کی تباہی کے ایک اور سبب کو ان آیات میں واضح کیا جا رہا ہے۔ فرمایا جاتا ہے کہ کچھ ان قوموں پر ہی نہیں ہے بلکہ ان سے پہلے انسانی تاریخ میں جو قومیں بھی گزری ہیں ان سب پر یہ بات صادق آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمتوں کی بارش کی اور وہ اُس کے فضل سے خوش حال ہوگئے تو وہ اپنی حالت اصلاح حالی

کے نشے میں مست ہو گئے۔ زمین پر فساد پھیلانے لگے۔ دولت کی ہوس اور عیش و عشرت کی طلب نے ان کی آنکھیں بند کر دیں، وہ اللہ کو بھول گئے۔ انجام سے بالکل بے پروا ہو کر زندگی گزارنے لگے۔ اور اس طرح انسانیت کے لیے ایک لعنت بن گئے ——— انتہا یہ کہ ان کو نیکی اور بھلائی سے نفرت ہو گئی وہ ہر اس شخص کے دشمن ہوگئے جو انھیں کوئی سیدھی راہ دکھاتا ———

اوّل تو دولت اور عیش و عشرت کے نشے کی وجہ سے ان قوموں کا مزاج کچھ ایسا بگڑ گیا کہ ان میں ایسے لوگ بہت ہی کم رہ گئے جو ان مدہوشوں کو کچھ ہوش کی باتیں بتاتے اور انھیں برائیوں سے روکتے اور اگر کچھ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت ہی کم تھے اور ان کی آواز اتنی کم تھی کہ ان کے روکنے سے فساد نہ رک سکا۔ یہی چیز ہے جس کی وجہ سے آخرکار یہ قومیں اللہ تعالیٰ کے غضب کی مستحق ہوئیں۔ ورنہ اللہ کو اپنے بندوں سے کوئی دشمنی تو ہے نہیں کہ وہ تو اچھے کام کریں اور اللہ ان کو خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو سامنے رکھیے تو چند باتیں آپ کے ذہن میں آئیں گی:

(۱) ایک تو یہ کہ ہر جماعت اور ہر گروہ میں کچھ ایسے نیک لوگوں کا موجود رہنا بے حد ضروری ہے جو خیر کی دعوت دیں اور شر سے روکیں۔ اللہ تعالیٰ کو خیر ہی پسند ہے، وہ شر کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ شر کو دنیا میں جو مہلت بھی عطا فرماتا ہے وہ خیر کی ہی وجہ سے عطا فرماتا ہے۔ جب تک کسی گروہ میں خیر کا کوئی امکان باقی رہتا ہے اس وقت تک وہ اپنے شر کے باوجود مہلت پاتا رہتا ہے۔ لیکن جب کوئی گروہ اہلِ خیر سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور وہاں صرف شریر ہی لوگ باقی رہ جاتے ہیں یا اہلِ خیر موجود ہوں بھی تو کوئی ان کی بات نہیں سنتا اور پوری قوم میں اخلاقی فساد تیزی سے پھیلنے لگتا ہے تو اس وقت اللہ کے عذاب کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی پکڑ کس وقت آ جائے۔

(۲) دوسرے یہ کہ جب کسی قوم میں عام اخلاقی فساد پھیل جائے اور یہ نظر آنے لگے کہ اب جلد ہی اللہ کا عذاب اس قوم کو پکڑ لے گا تو ایسے لوگوں کے لیے جو اس عذاب سے بچنا چاہتے ہوں صرف ایک ہی صورت نجات کی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ وہ خود اپنی زندگی کو شر سے پاک کر کے خیر اختیار کریں اور دوسروں کو اس خیر کی طرف بلائیں۔ جو نیک لوگ اس طرح اپنا وقت گزارتے ہیں اور دوسروں کو برابر بھلائیوں کی طرف بلاتے رہتے ہیں

ان کو یہ تکلیف تو برداشت کرنا پڑتی ہے کہ ساری قوم ان کی دشمن ہو جاتی ہے لیکن وہ اپنی ذات کی حد تک اللہ کے عذاب کے اس خطرے سے محفوظ ہو جاتے ہیں جو اس گروہ کو آنے والا ہوتا ہے۔ یہ نیک لوگ اوّل تو اس تباہی سے بچ ہی جاتے ہیں جو عام طور پر شریروں کو پہنچتی ہے۔ لیکن اگر ان کی زندگی ان شریروں کے ساتھ ہی ختم ہو جائے تو وہ ان کے حق میں عذاب نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ دوسری زندگی میں اونچے مرتبے پاتے ہیں۔ ان کی یہ موت ایسی ہی موت ہوتی ہے جیسی کہ ہر جان دار کو آنا ہی ہے۔

(۳۰) کسی قوم پر عذاب آنے یا نہ آنے کا فیصلہ اس بات پر ہوتا ہے کہ اس میں کتنے لوگ ایسے موجود ہیں جو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانے والوں کی بات سن سکیں، اگر اس قوم میں ایسے لوگ جو اللہ کے دین کی دعوت کو سن کر اُسے قبول کرلیں کافی تعداد میں نکل آتے ہیں تو وہ آگے بڑھ کر دُنیا کے حالات کی اصلاح کرتے ہیں۔ اور ایک اچھا نظام قایم کر کے دُنیا کو مصیبت سے نجات دلاتے ہیں، فساد کو دُور کرتے ہیں، اللہ کے بندوں کو اپنی پُوری زندگی میں اللہ کی اطاعت کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ اور اگر ایسے لوگ تعداد میں بہت ہی کم رہتے ہیں اور ان کو یہ طاقت حاصل نہیں ہونے پاتی کہ وہ خیر کو غالب اور شر کو مغلوب کر سکیں تو پھر اللہ تعالیٰ ان نیکوکاروں کو چھوڑ کر باقی شریروں کو دُنیا میں پنپنے کا زیادہ موقع نہیں دیتا۔

یہ باتیں آپ کو سورۂ ہود کے تمام واقعات میں صاف صاف نظر آسکتی ہیں۔ اسی لیے ان تاریخی واقعات کے بیان کے بعد اللہ تعالےٰ نے ان باتوں کو آپ کے غور کرنے اور سبق لینے کی غرض سے بیان فرمایا ہے۔

جناب اختر صاحب صدیقی۔ معصوم

درسِ اُلفت

اندھیرے کی دُنیا دُھاتا چلا جا — محبت کی شمعیں جلاتا چلا جا
جو مُردہ دلوں کو کرے دم میں زندہ — وہ اعجازِ اُلفت دکھاتا چلا جا
تعصب، کدورت، نفاق و شرارت — یہ ہیں آگ ان کو بجھاتا چلا جا
خلوص و صداقت کے دامن میں بھر کر — محبت کے موتی لٹاتا چلا جا
یہی ہے تمنّائے معصوم ہمدم — زمانے کو اُلفت سکھاتا چلا جا

نمبر

جناب [illegible]

سمجھدار کا فیصلہ

"ہیں! یہ کیا۔ رشید کو یہ کیا خبط سوجھا ہے"؟ رسالے کے ایک مضمون پر نظر ڈالتے ہوئے اسد نے کہا۔ "خیر دیکھا تو جائے کہ یہ ہمارے نوزائیدہ مولوی صاحب کیا شگوفہ کھلاتے ہیں"۔ اسد نے مضمون شروع کرتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔ مضمون کو پڑھتے پڑھتے اچانک اسد رُک گیا اور بار بار اسی جملے کو دُہرانا شروع کیا۔ "مسلمان تو وہی کہلا سکتا ہے جس کی زندگی کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ہو"۔ یہ جملہ اُس کے دل میں کھٹکنے سا لگا اور وہ اپنے خیالات میں مبہوت سا ہو کر رہ گیا۔

"ارے آج آپ ابھی تک کیا کر رہے ہیں، جائیں گے نہیں"۔ زبیدہ نے انتظار کرتے کرتے اکتا کر کہا۔ ——— "اچھا بیگم میں ابھی آیا۔ چائے تو تیار ہے نا"؟ اسد نے چونک کر جواب دیا ——— "چائے تو کبھی کی تیار ہے۔ آیئے نا"۔ زبیدہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اسد صاحب کچھ ناشتہ کر کے روانہ ہو گئے۔ یہ دن کچھ بے چینی سے گذرا۔ شام کو معلوم ہوا کہ ٹریڈ یونین کا جلسہ ہونے والا ہے۔ ناصر اور محمود نے کہا "بھئی اسد صاحب آج تو ضرور چلیں گے، سُنا ہے کہ اچھا اسپیکر آیا ہوا ہے"۔ اسد نے عذر کیا کہ آج صبح ہی سے طبیعت کچھ اچاٹ سی ہو رہی ہے اور سائیں کا جی آرام کرنے کو چاہتا ہے۔ لیکن یار لوگ کب ماننے والے تھے چاروناچار جانا ہی پڑا۔

جلسے کے ہنگامے اور مختلف نظریات کے تحت تقاریر دن نے اُن کا دل کچھ بہلا سا دیا تھا۔ لیکن ایک سترہ اٹھارہ سالہ نوجوان کی پُر زور تقریر نے اُس پر بڑا اثر کیا اور وہ تو سوچنے لگا کہ واقعی مذہب وغیرہ تو سرمایہ داروں کے ڈھکوسلے ہیں جب تک پیٹ بھر کر روٹی اور ضروریات زندگی آسانی سے بہم نہ ہوں انسان کس طرح انسان کہلایا جا سکتا ہے یہ واقعی بڑا [illegible] انسان [illegible] بات کرنے [illegible] اور [illegible] استدلال سے کہتا ہے۔

[illegible] صاحب کا [illegible] کہ وہ [illegible] کیسی ضرورت سے [illegible]

[illegible] اسد کو [illegible]

رشید صاحب پر چھینٹے لگا۔ لیکن یہ دو روز دماغی اُلجھن میں گزرے۔ تیسرے روز اسد روانہ ہونے والا ہی تھا کہ رشید صاحب آ موجود ہوئے۔ سلام دعا اور مزاج پُرسی کے بعد اسد نے کُرسی کو رشید صاحب کے نزدیک کرتے ہوئے کہنا شروع کیا: "کہیے مولوی صاحب معلوم ہوتا ہے کہ پہلی طرز مقبولِ عام نہیں ہوئی۔ واللہ آپ بھی بڑے اُستاد آدمی ہیں"۔

"نہیں بھائی۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے پہلے پہل مسلمان ہونے کا سرے سے احساس تھا ہی نہیں"۔ رشید نے مُسکرا کر جواب دیا ——— "کیا مطلب؟ پہلے آپ کافر تھے۔ راتوں رات کونسا نبی آ کر آپ کو مسلمان کر کے روانہ ہوگیا۔ اسد نے حیرت سے کہا۔

رشید نے جواب دیا: "ایک ہی! نبوت ابھی ختم نہیں ہوئی دوسرا کون آنے لگا"۔

اسد نے چونک کر کہنا شروع کیا: "کوئی بھی لیڈر یا رہنما اپنے وقت میں ہی اصلاح کا کام اور کامیاب پروگرام چلا سکتا ہے، لیکن ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد اُس کا پروگرام چل ہی کب سکتا ہے۔ ایسے حالات میں اپنے آپ کو زندہ عجائب خانہ بنا لینا کسی سمجھ دار آدمی کا کام نہیں۔ ارے بھائی آج کل دُنیا معاشی مُشکلات میں مبتلا ہے۔ اس وقت تو اسٹالن کی "نبوت" کو تسلیم کیا جاسکتا ہے"——— "میرے دوست آپ نے انسان کو بھی ایک گیدڑ سمجھ لیا ہے جس کا کام دن بھر غذا کی تلاش اور رات کو ہاؤ ہاؤ۔ آخر انسانیت ہے کیا چیز؟" رشید نے متانت سے جواب دیا۔

"ارے مولانا صاحب میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ مذہب سے بغاوت کردو، بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ آج انسان کی ضروریات اس پر اس قدر محیط ہوگئی ہیں کہ پیٹ بھر کر روٹی ملنا بھی دُشوار ہے۔ انسان کو جب تک پیٹ بھر کر روٹی نہ ملے، ضروریات پوری نہ ہوں، ایک سرمایہ دار ایک غریب مزدور کا خون چوس کر روپیہ لُٹائے اور پھر بھی کم نہ ہو، ایک غریب مزدور جس کی وجہ سے یہ دولت حاصل کی گئی فاقہ کشی کرے، یہ بھی کہاں کی انسانیت ہے آخر ایک سرمایہ دار کو یہ حق کہاں سے پہنچا۔ رہا مذہب تو ہم کب انکار کرتے ہیں، لیکن انسانی ہمدردی اور کم از کم خود ہماری مُشکلات تو ان کا حل بھی تو لازمی ہے"۔ اسد نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

"لیکن اسد صاحب میری سمجھ میں اب تک نہ آسکا ہے کہ وہ خدا جو ہماری مشکلات کا کوئی حل نہیں بتا سکتا، اور وہ نبوت جو ہماری دُنیوی زندگی کو کسی شدھار کے راستے پر

میں لگا سکتی آخر اُس کو ماننے کی ایک معقول انسان کے لیے کیا وجہ ہوسکتی ہے؟" رشید نے دریافت کیا۔

"بھائی مذہب تو آخری نجات کے لیے ایک راستہ بتاتا ہے جو کہ ایک ذاتی حیثیت رکھتا ہے۔" اسد نے بڑی سادگی سے کہا۔

رشید نے مُسکراکر دریافت کرنا شروع کیا: "کیا مذہبِ اسلام سے آپ نے خود ہی یہ دریافت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ بھی بس ایک ذاتی عقیدہ ہی ہے۔ اور اُس میں انسان آزاد ہے کہ صرف چند چیزوں پر عقیدہ رکھ کر جو چاہے کرتا پھرے۔"

"مجھے اس سے انکار نہیں کہ اسلام نے بہت سے معاملاتِ زندگی کے متعلق احکام دیے ہیں اور اجتماعی حکم بھی دیے ہیں، لیکن وہ اُسی وقت کے لیے تھے، آج کی دُنیا تو بالکل بدلی ہوئی ہے چل کب سکتا ہے۔ اُس وقت کی دُنیا غیر متمدن تھی، لیکن آج تو کہیں سے کہیں جا چکی ہے۔" اسد نے بڑے اطمینان سے کہا۔

رشید نے کہا تو اچھا سنو: "قرآنی مطالعے سے آپ کو صاف معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ یعنی سب سے پہلے انسان کے ساتھ اپنے ہدایت کے رشتے کو جوڑا ہے اور اُس کے بعد جب بھی انسانی زندگی مُشکلات اور اُلجھن میں ایسی گری کہ نکلنا محال ہوگیا اپنے انبیاؑ اور رُسل کو بھیجا، ان ہستیوں کی آمد کے وقت دُنیا جنگلیوں اور وحشیوں کی بستی نہیں تھی بلکہ اپنے وقت کے رہنما اور مصلحین سے بھرپور تھی۔ آرٹ، سائنس، یونیورسٹیاں، تجربہ کاہیں، فوج ہتھیار غرضکہ تمام ہی چیزوں کا دَور دَورہ تھا۔ لیکن اُن کے زمانے کے چالاک اور شرارت پسند عناصر نے متحد ہو کر اقتدار کی باگیں اپنے ہاتھوں میں لے کر مختلف دھندوں کے ساتھ اپنا قبضہ جما رکھا تھا اور غریبوں کا خون چوس چوس کر اپنی ہوائے نفس کی تکمیل کر رہے تھے۔ ان حالات میں مالکِ کائنات کی طرف سے کچھ ہستیاں اُس کا پیغام زمین پر لے کر آئیں۔ ان ہستیوں کے متعلق اُن کے بڑے سے بڑے دُشمن اور مخالف کو بھی اُن پر دروغ گوئی اور تہمت تراشنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ان سب نے اختلافِ زمان و مکان کے باوجود دُنیا کو ایک ہی پیغام دیا کہ "اے لوگو، یہ دُنیا اور اس کی ساری چیزیں مالک نے تمہارے واسطے پیدا کی ہیں اور تم کو محض اپنی بندگی کے لیے بنایا ہے۔ تم نے اگر اُس کے پیغام کو مان لیا اور اُس کو اپنی دُنیا میں قائم کرنے میں حصہ نہیں لیا تو سمجھ لو کہ ایک دن جبکہ تم اس زندگی کا خاتمہ کرکے

دوسری زندگی میں جاؤ گے تو تم سے ذرہ ذرہ کا حساب کے کر اس کے مطابق جزا و سزا دے گا۔ تم اپنے آپ کو بس اللہ کے حوالے کر دو اور اس کی بتائی ہوئی روش پر اپنے آپ کو ڈال کر دنیا کا نظم ونسق اسی کے مطابق ڈھال لو، اس سے تمھاری دنیا بھی درست ہو گی، اور آخرت کی کامیابی بھی اسی میں ہے۔" غور فرمائیے کہ انسان کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ دنیا کی ہر شے سے ہے۔ یہ اس کا پورا علم نہیں رکھتا، آئندہ ہونے والی بات اس کے ذہن و گمان میں نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں انسان کس طرح اپنا راستہ ڈھونڈھ کر نکال سکتا ہے۔ زندگی میں آزاد اور غیر ذمے دار ہونے پر کونسی صحیح روش اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف یہ یقین ہونے پر کہ ایک مخفی ہستی اس کے دل میں گذرنے والے خیالات تک سے بھی پوری آگاہ ہے، یہ جس کو بھول جاتا ہے وہ اس کے یہاں محفوظ ہے۔ اس کی خاطر حالات کو سازگار بھی بنا سکتا ہے، اس کے ہر عمل کا پورا اور صحیح بدلہ بھی دے سکتا ہے۔ کون ایسا ہے کہ دوسرں کا مال چھین کر اپنے خزانوں کے انبار کو بڑھائے گا۔ کون دوسرے کی روزی کو مار کر اپنی تجوریوں کو پُر کرے گا، کون ہے جو دوسرے کے مال کو چرا کر اپنی ہوائے نفس کی تکمیل کرے گا، کون ہے جو دوسرے سے برائی کرکے اپنی بھلائی میں لگا رہے گا، کون ہے جو دوسرے کی جیب کو خالی کرنے کی فکر میں لگا رہے گا، کون ہے جو دوسرے سے اپنے مقصد میں اشتراکِ عمل کرنے کی بجائے اپنی منفعت کی خاطر اپنا جھنڈا گاڑنے لگے گا؟

"رشید صاحب یہ تو واقعی بات ہے میں نے قرآنِ مجید کا مطالعہ بھی کیا تھا اس میں انبیاؑ و رسل کی حکایتیں بھی پڑھی ہیں، اللہ تعالےٰ کے احکام بھی دیکھے ہیں اور اب جب میں غور کر رہا ہوں تو واقعی نتیجہ بھی یہی برآمد ہوتا ہے۔ انبیاء کے وقت میں اُن کی ہدایت سے دنیا میں کچھ عجیب حالات ہو جاتے تھے۔ مگر میں نے تو آج تک قرآن کو برکت ہی کے لیے پڑھا تھا۔" اسد نے قائل ہو کر کہا۔

رشید نے کہا: "میرے دوست آپ کا اعتراض یہ تھا کہ اس وقت کی دنیا غیر متمدن تھی اور خاص طور سے آپ کا منشا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے ہے کہ جس خطے میں آپ مبعوث ہوئے اس کی سوسائٹی کا پورا نقشہ یہ ہے کہ جوا اور شراب اور زنا کی کثرت ہے، بلکہ ہر فرد اس میں ملوث ہے۔ اولادوں کو قتل کر رہے ہیں خاندانی میں قبیلے کے قبیلے کٹے جا رہے ہیں، لڑائی جھگڑے کے بغیر ان کو چین نہیں آتا

ان خصوصیات کو ہم اپنے اندر تو دیکھیں؟

اسد نے بات کاٹتے ہوئے کہا: "معاف کیجیے گا، میں یہ عرض کروں گا آج یہ تمام چیزیں ہماری سوسائٹی میں بری ہی سمجھی جاتی ہیں، وہاں پر تو ان پر فخر کیا جاتا تھا۔"

رشید نے کہنا شروع کیا: "لیکن میں یہ کہوں گا یہ چیزیں ہم میں بدرجۂ اتم موجود ہیں اور ہمیں فخر بھی ہے۔ کیا زنا اور مے نوشی ہماری اونچی سوسائٹی کا جزو لازم نہیں، کیا جوا، لاٹری اور سٹہ ہماری سوسائٹی کی ذوق پسندی کا ثبوت نہیں، کیا برتھ کنٹرول کے ذریعے قتلِ اولاد کی مہم ہماری اعلیٰ قابلیت کا قابلِ قدر نمونہ نہیں، کیا قومی مفاد کی خاطر دوسری قوم کے حقوق مار لینا اور انھیں ہر ممکن طریقے سے ایذا دینا اور کمیونل فساد برپا کرنا ہمارا قومی ہمدردی کا قابلِ تحسین و آفریں کام نہیں، دوسرے کو دھوکا دے کر بے وقوف بنا کر اس کی جیب پر ڈاکہ ڈالنا ہمارے عقل مند ہونے کا ثبوت نہیں۔ کہیے آپ ان میں سے کس چیز کا انکار کر سکتے ہیں؟

"واقعی اب تو مجھ سے انکار نہیں ہو سکتا، بس تو یہاں تک پہنچ ہی نہ سکا تھا، کچھ اور ہی وجہ سمجھتا تھا۔" اسد نے شرمندگی سے کہا۔

رشید نے پھر کہنا شروع کیا: "آج بھی وہی حالات ہیں، اور وہی حل بھی ہمارے پاس اپنی مکمل صورت میں موجود ہے جس سے انسانیت کی گتھی بارہا سلجھ چکی ہے۔ اگر ہم اپنی طاقتیں مشترکہ طور پر اس گندگی کو صاف کرنے میں لگا دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان مشکلات اور کشمکش سے عہدہ برآ نہ ہو جائیں اور بالفرضِ محال پوری طرح سے کامیاب نہ ہوں تو کم از کم اپنے مالک کے سامنے حساب کے وقت بری الذمہ تو قرار پائیں گے۔"

اسد نے کچھ سوچ کر کہا: "میری سمجھ میں اب تک یہ نہ آ سکا کہ آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد ان کے خلفاء اور عمومیت کے ساتھ عام مسلم سلاطین کے ابتدائی دور میں کسی غیر قوم کے مورخ نے بھی نہیں بتایا کہ کوئی اقلیت پس کر مری ہو، یا لوگ بھوکوں مرے ہوں بلکہ یہ لکھا جاتا ہے کہ لوگ صدقات و زکوٰۃ کی رقمیں لے کر گھومتے پھرتے ہیں کہ کوئی لینے والا ملے، واقعی اخلاقی قدریں بھی عجیب ہوتی ہیں۔"

رشید نے مسکرا کر جواب دیا: "بھئی میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ انسان کا اقتصادی اور معاملات کا سیب یہ ہیں کہ اپنی زندگی کا صحیح مقصد بنا سکے جب بھی کوشش کی گئی نتیجہ اسی طرح

برآمد ہوا ہے جیسا کہ آج۔ اور پھر اسی دقیانوسی نظریئے نے اس کا علاج بھی کہا ہے اور مریض تندرست و توانا ہوگیا ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے ماننے والے تمام زور اسی کو قایم کرنے میں صرف کردیں۔"

اسد نے کچھ رُک کر کہا؛" قرآن و احادیث کا ذخیرہ والد صاحب مرحوم کافی چھوڑ گئے تھے، لیکن ہم نے تو برکت کے لیے رکھا رہنے دیا تھا اور یہ سوچا نہیں کہ آخر اس میں انقلاب کا کونسا تخیل ہوسکتا ہے۔ پڑا رہنے دو بزرگوں کی نشانی اور برکت کی چیزیں ہیں۔"

" برکت کی تو واقعی ہیں لیکن جب تک ہم اُس برکت کی دوا کا گھونٹ حلق سے اُتاریں نہیں برکت کہاں سے آجائے گی۔ تیر بہدف نسخہ موجود ہے، وبا پھیلی ہوئی ہے۔جب تک اُس کو مشتہر نہ کروگے لوگ دوا کا کڑوا گھونٹ کیسے پییں گے اور وبا کیسے ختم ہوگی؟" رشید نے حسرت کے لہجے میں کہا۔

اسد کی نظر اچانک گھڑی پر پڑی اور گھبراکر کہا؛" بھائی رشید اب وقت زیادہ ہوگیا ہے میں کھانا لاتا ہوں، کھانا کھالیں تب کوئی دوسری بات ہوگی۔

"آپ جانتے ہیں جب میں یہاں آتا ہوں تو چچا جان اور چچی صاحبہ اُس وقت تک کھانا کھاتے ہی نہیں، جب تک میں نہ سوں۔" رشید نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

" لیکن اب وقت زیادہ ہوگیا ہے، آج یہیں رہ جاؤ۔" اسد نے پورے زور کے ساتھ کہا

"آپ کو یاد نہیں پچھلی مرتبہ جب میں سلیما سے واپسی پر آپ کے یہاں ٹھہر گیا تھا تو چچی صاحبہ اور چچا جان کس قدر پریشان ہوئے تھے اور رات کو کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔آپ سے مجھے کوئی تکلف تھوڑا ہی ہوسکتا ہے۔" رشید نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

" اچھا مختصر طور پر یہ تو معلوم ہو کہ کس وجہ سے آنا ہوا، آپ کی زندگی تو بہت مصروف ہے۔" رشید کے قریب ہوتے ہوئے اسد نے دریافت کیا۔

"میرے آنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ میں جس غلط راستے پر چل رہا تھا اُس سے آپ حضرات کو مطلع کروں اور ممکن ہوسکے تو آپ کی عملی ہمدردیوں سے اپنی سابقہ غلطی کی تلافی کروں اسی وجہ سے آپ کو اپنے آنے کی اطلاع دی تھی۔" رشید نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

" اچھا خدا حافظ۔" رشید رُخصت ہوگیا۔لیکن اسد سے نہ تو کھانا ٹھیک طور پر

کی یا گیا' نہ چین سے ہو سکا۔ عجیب ندامت و پریشانی گھیرے ہوئے تھی۔ صبح کو پریشانی کے آثار اُس کے چہرے سے نمایاں تھے۔

آج پھر زبیدہ نے کہا: "کیا ہوگیا کل سے آپ کو چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ اور آپ بیٹھے سوچ رہے ہیں۔ خیر تو ہے ———"

اسد نے کہا: "بیگم واقعی بڑی پریشانی میں مبتلا ہوں۔"

"وہ کیا؟" زبیدہ نے چونک کر دریافت کیا۔ اسد نے سارا واقعہ نقل کیا اور کہا "بیگم میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

زبیدہ نے کہا: "یہ تو پریشاں ہونے کی بات نہیں خوشی کی بات ہے کہ جس اندھیرے میں ٹھوکریں مارتے پھرتے تھے خدا نے اُس سے نکال لیا۔"

چائے کسی طرح ختم کرکے اسد نے رو رو کر کہنا شروع کیا: "اے اللہ میں نے جو وقت اب تک گذارا وہ واقعی تیری نافرمانی کا تھا' اُس کے لیے میں تجھ سے سچے دل سے معافی چاہتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں اور آج میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ تیرے احکام جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں اُن کو معلوم کر کے اُن پر عمل کروں گا اور دُنیا میں اُن کو عملاً قایم کرنے کی کوشش کروں گا اور تیرے سوا کسی کی بندگی نہیں کروں گا صرف تو ہی بندگی کے لایق ہے۔ اے اللہ میری مدد فرما۔"

شام کو اسد کی رشید سے پھر ملاقات ہوئی۔ اب یہ وہ اسد نہ تھا جو کل رشید کے آتے ہی اُس پر آوازے کسنے لگا تھا۔ اسد اب پُر خلوص اور سنجیدہ معلوم ہوتا تھا۔

گفتگو کے دوران میں اسد نے رشید سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ آخر اُس کو یہ راہِ ہدایت کیسے نصیب ہوئی۔ اُس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جبکہ یہ معلوم ہوا کہ اس خدمت کو انجام دینے کے لیے اللہ کے کچھ بندے باضابطہ کام کر رہے ہیں۔ اب اُس نے بھی قصد کر لیا کہ اپنے شہر میں وہ بھی یہی کام کرے گا۔

عنبر سلطانہ صاحبہ

آئس کریم کپ

نصرت .... ایک پندرہ سالہ لڑکی
نثار .... نصرت کا بھائی
امّی .... ان دونوں کی ماں
چراغ .... ان کا نوکر
وکیل صاحب ...... ان کے ہمسائے
نصرین ...... وکیل صاحب کی بیوی
کلو .... وکیل صاحب کا نوکر

(پہلا سین)

شام کے چار بجے کا وقت ہے۔ نثار میٹرک کے امتحان کی شان دار کامیابی پر اپنے دوستوں کو آئس کریم پارٹی دینے کی تیاری کر رہا ہے۔ باہر صحن میں نوکر آٹھ دس مشینیں لیے زور شور سے آئس کریم تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ سامنے کے کمرے میں امّی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ دروازے پر ایک چق پڑی ہوئی ہے اور نصرت جلدی جلدی آئس کریم کپ الماری سے نکال رہی ہے۔

نصرت (گھبراہٹ کے عالم میں): "امّی! آئس کریم کپ تو صرف ایک درجن کے قریب ہیں اور بھائی جان کے دوست کم از کم تیس پینتیس کے قریب تو ضرور ہی ہوں گے۔ اب کیا کیا جائے"

امّی: "بیٹی گھبراتی کیوں ہو، چراغ کو بھیج کر ابھی وکیل صاحب کے یہاں سے منگوا لیتے ہیں۔ چراغ .... ارے چراغ ....."

چراغ: "آیا جی ..... آیا ... (آ کر) فرمایئے کیا حکم ہے؟"

امّی: "جلد جا کر وکیل صاحب کے یہاں سے دو درجن آئس کریم کپ لے آؤ ..... سمجھے ... جلدی آنا پانچ بجے کے قریب تو مہمان آ جائیں گے"

چراغ: "بہت اچھا" (جاتا ہے)

دوسرا سین

(کھٹ کھٹ ..... کھٹ ..... کھٹ .....)

چراغ: "کلو .... کلو ....."

کلو (دروازہ کھول کر) کیا بات ہے

چراغ: "ارے دو درجن کپ جلد اندر سے لادو"

کلو: "اچھا، تم بھی آجاؤ نا اندر" (دونوں اندر جاتے ہیں) ایک مغربی طرز کا کمرہ ہے، قیمتی قالین بچھے ہوئے ہیں، اعلیٰ قسم کے فرنیچر سے کمرہ آراستہ ہے۔ ایک طرف ایک پلنگ پڑا ہے جہاں نصرین لیٹی ہوئی ہے اور صوفے پر وکیل صاحب لیٹے ہوئے اخبار کے مطالعے میں مصروف ہیں۔

(چراغ کپ مانگتا ہے)

نصرین: "افسوس! اپنی مالکہ کو جاکر کہہ دینا کہ ہمارے یہاں تو کپ ہیں ہی نہیں، ہوتے تو میں ضرور دے دیتی"

وکیل صاحب: "ابھی تو دو ماہ بھی نہیں ہوئے ہیں لاہور سے درجنوں کپ لایا تھا۔ وہ کہاں ہیں؟"

نصرین (شرمندہ سی ہوکر): "کون سے ..... وہ ..... وہ تو میں نہیں دوں گی۔ وہ تو میرے اتنے قیمتی کپ ہیں، وہ میں کیسے دے دوں!"

وکیل صاحب: "دے دو، ایسا نہیں کیا کرتے۔ تم تو آئے دن اُن کے یہاں سے مستعار چیزیں منگواتی ہی رہتی ہو۔ اگر ایسا کروگی۔ تو وہ بھی تمھیں آئندہ کچھ نہ دیں گے"

نصرین (اُٹھتے ہوئے): "وہ تو میں کبھی نہیں دوں گی۔ ہاں یہ لے جاؤ" (الماری سے نہایت گھٹیا قسم کی چھ پرچیں نکال کر چراغ کو دے دیتی ہے)

تیسرا سین

امی: "ارے چراغ! میں نے تو تمھیں کپ لانے کے لیے کہا تھا، پرچیں تو نہیں کہی تھیں"

(چراغ انھیں ساری بات سناتا ہے امی خاموش ہو جاتی ہیں)

نصرت: "بڑا افسوس ہے خالہ نصرین پر۔ ہمارے یہاں سے تو آئے دن کچھ نہ کچھ منگواتی ہی رہتی ہیں خیر، آئندہ۔ ہم بھی انھیں کبھی کچھ نہیں دیں گے۔ نہیں تو نہیں سہی۔ امی! ہماری یہ چھوٹی چھوٹی پیالیاں کپ کا کام دیں گی"

نثار کے دوست آتے ہیں۔ آئس کریم کھاتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ نوکروں اور چھوٹے چھوٹے غریب بچوں کو آئس کریم بانٹی جاتی ہے۔

چوتھا سین

چند روز بعد دوپہر کا وقت ہے، شدید گرمی پڑ رہی ہے، نثار اور نصرت کمرے میں سوئے ہوئے ہیں امی آ کر انھیں جگاتی ہیں)

امی: "ارے اُٹھو ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا اور تم ابھی سو رہے ہو۔"

(دونوں بہن بھائی جلدی سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں نثار مسجد میں نماز پڑھنے چلا جاتا ہے اور نصرت وضو کرنے لگتی ہے۔ اتنے میں دروازہ کھٹکھٹانے جانے کی آواز سُنائی دیتی ہے چراغ دوڑ کر باہر جاتا ہے)

چراغ (واپس آکر) بی بی جی! کلو آیا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے یہاں آج بہت سے معزز مہمان آنے والے ہیں، لہٰذا ہمیں آج کے دن کے لیے اپنا ڈنر سیٹ دے دیں۔"

امی: "ڈنر سیٹ — اچھا وہ، الماری میں سے نکال کر ....

نصرت (غصے سے) "امی! آپ انھیں ڈنر سیٹ کیوں دینے لگیں، کیا آپ کپوں والا معاملہ بھول گئیں۔"

امی: "جانے دو بیٹی اس بات کو۔ پھر کیا ہوا؟"

نصرت: "کیوں جانے دوں — اُن کے کپ قیمتی تھے، ہمارا سیٹ معمولی ہے — ہم کیوں دیں۔ امی میں کہتی ہوں انھیں ہرگز ہرگز سیٹ نہ دیں۔"

امی (ہلکے تبسم کے ساتھ): "اتنے جوش میں مت آؤ نصرت! کیا تم بھول گئیں، کہ ہم مسلمان ہیں اور اسلام ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔"

نصرت (ماتھے پر تیوری چڑھا کر): "تو کیا وہ مسلمان نہیں؟"

امی: "مسلمان کیوں نہیں، لیکن میری بیٹی! یاد رکھو، اُن کے عمل اُن کے ساتھ ہمارے عمل ہمارے ساتھ اگر مسلمان ہو کر وہ خلافِ اسلام باتیں کرتی ہیں تو ہمیں اس سے کیا۔ ہمیں تو ہر حال میں اللہ میاں کی مرضی ڈھونڈھنی چاہیے۔ نصرت! کیا تم اپنے خدا کو خوش کرنا نہیں چاہتیں — بولو — کیا تمھیں یہ منظور نہیں کہ وہ تمھارے اچھے کاموں کی وجہ سے خوش ہو کر قیامت کے روز تمھیں ایسی جنت دے جس کے نیچے نہریں رواں ہیں، دلکش باغ اور عظیم الشان محل، جس میں ایسی ایسی نعمتیں ہوں گی جو نہ آنکھوں نے آج تک دیکھیں اور نہ کانوں نے سنیں۔"

نصرت (آبدیدہ ہو کر) "کیوں نہیں میری اچھی امی، میں تو بس یہی چاہتی ہوں کہ اللہ میاں مجھ سے ہمیشہ خوش رہیں اور کبھی ایک لمحے کے لیے بھی مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ لائیے چابیاں میں خود ڈنر سیٹ نکال کر دوں۔"

(امی مسکرا کر چابیاں دیتی ہیں نصرت سیٹ نکال کر چراغ کے ہاتھ باہر بھیج دیتی ہے)

پانچواں سین

وکیل صاحب (گھر میں داخل ہوکر): "نصرین! مہمان تقریباً پندرہ کے قریب ہوں گے" اور (ڈنر سیٹ کی طرف دیکھ کر) یہ سیٹ کہاں سے منگوایا، کس قدر خوب صورت ہے؟"

نصرین: "ڈاکٹر صاحب کے یہاں سے۔"

وکیل صاحب: "تمھارے لیے اس وقت چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ تم نے اُس روز انھیں کپ نہ دیے اور آج تمھیں یہ سیٹ منگاتے ہوئے شرم نہ آئی۔"

نصرین: "کیا کرتی، مجبوری تھی۔"

وکیل صاحب: "کیا اُس روز انھوں نے بھی ضرورت سے مجبور ہوکر کپ نہیں مانگے تھے۔ پھر اُن کی شرافت دیکھو تمھارے اس طرح جواب دینے کے باوجود انھوں نے تمھیں یہ اتنا قیمتی سیٹ بھیج دیا۔ تم ہو تو "گریجویٹ" لیکن درحقیقت پوری جاہل ہو۔"

نصرین (جل کر): "وہ کیسے؟"

وکیل صاحب: "وہ ایسے کہ تم مسلمان ہوکر اسلام کی تعلیم سے ناواقف ہو۔ تم اللہ کو اپنا مالک تو مانتی ہو لیکن تمھیں یہ نہیں پتہ کہ اُس کے احکام کیا ہیں، تم اُسے اپنا معبود تسلیم کرتی ہو۔ لیکن یہ نہیں جانتیں کہ اُس کی بندگی کرنے کے طریقے کیا ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کیا مشن لے کر آئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد کیا تھا، قرآن مجید کس لیے نازل ہوا۔ بتاؤ کیا تم یہ جانتی ہو۔ اگر تم سب کچھ جانتی ہوتیں تو "کپوں" کے معاملے میں کبھی وہ نہ کرتیں جو تم نے کیا۔ بتاؤ اب تمھارے جاہل ہونے میں کیا شک ہے کہ تم اپنی زندگی کے مقصد تک سے ناآشنا ہو، اور یہ کہ ...."

نصرین (بات کاٹ کر شرمندگی کے لہجے میں): "بس..... بس..... اب مجھے زیادہ شرمندہ نہ کیجیے، مجھے پہلے ہی سے اپنے اس فعل پر سخت ندامت محسوس ہورہی ہے۔ اگر میں دین سے ناواقف ہوں تو یہ میرا قصور نہیں بلکہ میرے والدین کا قصور ہے، یا پھر آپ کا۔"

وکیل صاحب (مسکرا کر): "تم اب بھی یہ تعلیم حاصل کرکے اس پر عمل کرسکتی ہو، بشرطیکہ تم دل سے یہ چاہو، صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اُسے بھولا نہیں کہتے۔" (نصرین گہری سوچ میں ڈوب جاتی ہے، تھوڑی دیر بعد سر اُٹھا کر کہتی ہے):

نصرین: "واقعی آپ نے ٹھیک کہا، میں ان شاء اللہ ہر روز کم از کم دو گھنٹے علم دین سیکھنے پر صرف کروں گی تاکہ میرا وجود ہر ایک کے لیے خیر بن جائے اور اس حقیقی جہالت کو اپنے سے دُور کرسکوں۔"

وکیل صاحب: "اللہ تعالیٰ کا لاکھ بار شکر ہے جس نے تمھیں ہدایت دی۔ اور تم نے اس حقیقت کو سمجھ لیا کہ وہی اصل میں جاہل ہے جو اپنے پیدا کرنے والے کے احکام سے ناواقف ہو، خواہ دُنیاوی نقطۂ نظر سے وہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ اچھا اب جلد جلد کام ختم کراؤ، مہمان آنے ہی والے ہیں۔"

(پردہ گرتا ہے)

پٹرولیم کی کہانی

(۲)

کیا پٹرولیم زمین میں ہر جگہ پایا جا سکتا ہے؟ یہ ایک سوال ہے۔ ممکن ہے کہ اب تک پٹرولیم کے بارے میں جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اس کو پڑھ کر یہ سوال آپ کے ذہن میں پیدا ہوا ہو۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ پٹرولیم ہر جگہ نہیں پایا جا سکتا۔ اس کے لیے چند باتوں کا ہونا ضروری ہے:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اُس جگہ مسام دار چٹانیں موجود ہوں جن میں تیل جمع رہے۔ دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ کہ اس مسام دار چٹان کے اوپر ایک غیر مسام دار چٹان موجود رہے جو اس تیل کو محفوظ رکھ سکے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مسام دار چٹانوں کے نیچے سے پانی اوپر اُٹھنا شروع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ تیل بھی اوپر اُٹھتا ہے۔ اب اگر اوپر کوئی سخت پرت موجود نہ ہو جس میں سے ہو کر پانی یا تیل نہ گذر سکے تو تیل زمین کی سطح پر آجائے گا' اور ضائع ہو جائے گا۔ تیسری ضروری بات یہ ہے کہ اس جگہ زمین کی بناوٹ ایسی ہو کہ تیل دُور دُور سے سمٹ کر کسی ایک جگہ جمع رہ سکے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو سیکڑوں میل میں پھیلے ہوئے تیل کا حاصل کرنا دُشوار ہو جائے گا۔

یہ اور اسی طرح اور بھی چند باتیں ہیں جب تک وہ سب نہ پائی جائیں تیل کا پایا جانا ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے زمین کے بہت کم حصّوں میں ہی اب تک تیل پایا جا سکا ہے۔ زمین کے طبقات کا علم رکھنے والے لوگ اب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سے اس بات کا پتہ چلا لیتے ہیں کہ کہاں تیل پایا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ پہلے اوپری سطح کا معائنہ کرتے ہیں پھر اگر کچھ علامات پائی جاتی ہیں تو اُس جگہ بڑے بڑے برموں سے سوراخ کرتے ہیں اور جو مٹی باہر نکلتی جاتی ہے اس کی جانچ کرتے ہیں۔ زمین کی اندرونی حالت کا اندازہ کرنے کے لیے آلات کو بھی کام میں لایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سیسمو گراف (زلزلے کا پتہ لگانے والا آلہ) بڑا کام دیتا ہے۔ یوں تو اس آلے کے ذریعے زلزلوں کے جھٹکوں کا پتہ ہی لگایا جاتا ہے۔ لیکن زمین کی اندرونی حالت کا پتہ

چلانے کے لیے کسی زبردست مصنوعی دھماکے سے ایک خفیف سا زلزلہ پیدا کیا جاتا ہے اور پھر جب اس زلزلے کی لہروں کو سیسموگراف کے ذریعے محسوس کیا جاتا ہے تو اس سے بعض خاص قسم کی چٹانوں کے وجود کا اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ بھی پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ چٹانیں کتنی گہرائی پر ہیں گی۔ اسی طرح ماہرین کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ آیا اس خطے میں تیل کے پائے جانے کا امکان ہے یا نہیں۔ لیکن یقینی طور پر نہیں بتایا جا سکتا کہ تیل ضرور ہی نکل آئے گا۔

جس مالک نے زمین کی تہوں میں اس بیش قیمت نعمت کو پیدا فرمایا اُس نے انسان کی راہ نمائی کے لیے بہت سے مقامات پر اس تیل کو سطح زمین کے اوپر بھی آشکارا کر دیا۔ آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ اب سے ہزاروں سال پہلے لوگ اس تیل کے ایسے چشموں کو جانتے تھے جن سے تیل سطح زمین کے اوپر ہی رِس جاتا تھا۔ پھر اس نعمت کے خزانوں تک انسان کی پہنچ کے لیے راہ نمائی کرنے کے بعض ایسے ایسے عجیب واقعات سامنے آتے ہیں کہ جنھیں دیکھ کر بے اختیار یہی کہنے کو جی چاہتا ہے کہ اگر وہ مالک خود انسان کی راہ نمائی نہ کرتا تو وہ اللہ کی ان نعمتوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکتا۔ اس سلسلے میں خود ہمارے ملک کا واقعہ بہت ہی عجیب و غریب ہے۔

آپ نے دریائے اٹک کا نام سُنا ہوگا۔ یہ دریا ہندوستان کے شمال مغربی علاقے کا بڑا مشہور دریا ہے جو اب پاکستان میں واقع ہے۔ ایک مرتبہ کچھ بچے اس دریا کے کنارے کھیل رہے تھے۔ ایک بچہ بادشاہ بنا ہوا تھا، چند وزیر تھے، اور باقی مصاحبین، ایک وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ: "جہاں پناہ آپ کچھ حکم صادر فرمائیں تاکہ ہم جاں نثار اُس کی تعمیل کی سعادت حاصل کریں۔" "بادشاہ سلامت" اپنے وزیروں اور مصاحبوں کو جو جی میں آتا حکم دیتے اور وہ دوڑ دوڑ کر اُس کی تعمیل کرتے۔ ایک بار "بادشاہ سلامت" کو کیا سوجھی کہ اپنے وزیروں کو حکم دیا کہ "اچھا دریا سے کہو کہ وہ رُک جائے اور اگر وہ حکم کی تعمیل نہ کرے تو تم اُسے زبردستی روک دو۔" یہ عجیب و غریب حکم تھا۔ سب وزیروں نے اور سب مصاحبوں نے دریا کو "بادشاہ سلامت" کا حکم بار بار سنایا لیکن نتیجہ ظاہر تھا۔ دریا بہتا ہی رہا۔ وزیروں نے آکر بادشاہ سلامت سے شکایت کی کہ "جہاں پناہ دریا بہت گستاخ ہے اور وہ کسی طرح حکم کی تعمیل پر آمادہ نہیں معلوم ہوتا۔" بادشاہ سلامت نے بگڑ کر کہا کہ: "اچھا ایک بار اُسے ہمارا حکم اور سُناؤ اور اگر وہ پھر بھی تعمیل نہ کرے تو اُسے آگ لگا دو۔" بادشاہ کے "جاں نثاروں" نے دریا کو حکم سُنایا مگر وہ کیوں رُکنے لگا۔ وہ تو کسی اور کے ہی حکم کا بندہ تھا۔ کسی بڑے سے بڑے سچ مچ کے بادشاہ کی بھی کیا مجال تھی

کہ اس سے کوئی اپنا حکم منوا لیتا؛ اس بیچارے جھوٹ موٹ کے بادشاہ کا تو کہنا ہی کیا تھا ——— دریا بہتا رہا۔ بہتا رہا۔ آخرِ کار یہی فیصلہ ہوا کہ اسے زندہ جلادیا جائے۔ آپ جانیے بچّے بھی اپنے وقت کے بادشاہ ہی ہوتے ہیں اور جب وہ کسی بات کو طے کرلیں تو کرہی ڈالتے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے ایک" وفادار وزیر" نے غصّے میں آکر ایک دیا سلائی کھینچ کر جلائی اور پانی میں ڈال دی ——— یہاں تک تو کھیل ہی تھا۔ لیکن بچّوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب اُنھوں نے دیکھا کہ دیا سلائی کے پانی میں گرتے ہی پانی زور کے ساتھ بھڑک اُٹھا اور ایک بڑا شعلہ نکلا جو فوڑا ہی بُجھ گیا۔ بچّوں نے دوسری دیا سلائی جلاکر پھینکی۔ پھر وہی شُعلہ اُٹھا اور بجھ گیا۔ اب تو بچّوں کو ایک نیا کھیل ہاتھ آگیا۔ وہ بڑی دیر تک اسی طرح دریا میں آگ لگاتے رہے۔ ان بچّوں نے اس عجیب واقعے کو گھر جاکر بیان کیا۔ اور یہ خبر عام طور پر پھیل گئی۔ اب جو غور سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ پانی کے اوپر تیل بہہ رہا ہے۔ اب تو تیل کی تلاش شروع ہوگئی۔ کچھ دُور جاکر تیل کے چشمے کا پتہ چل گیا۔ اور کراچی کے سرجمال برادرس نے تیل نکالنے اور صاف کرنے کا ایک کارخانہ قایم کرلیا۔ تیل کامیابی کے ساتھ نکلنے اور بکنے لگا۔ اس زمانے میں ہندوستان میں تیل یورپ اور دوسرے ملکوں سے آتا تھا۔ ان کارخانے داروں نے جو یہ دیکھا کہ ہندوستان میں ان کے تیل کی کھپت اس طرح کم ہو رہی ہے اور انھیں نقصان ہو رہا ہے تو انھوں نے ایک شرارت کی اور سب نے سمجھوتہ کرکے تیل اتنا سستا بیچنا شروع کیا کہ سرجمال برادرس کو نقصان ہونے لگا اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کا دیوالہ نکل گیا۔ کارخانہ بند ہوگیا۔ حکومت بھی غیروں کی تھی اُس نے بھی اس ہندوستانی کا ساتھ نہ دیا۔ آخرِ کار کارخانے کو برما انڈو پٹرولیم کمپنی کے مینجنگ ایجنٹ اسٹیل برادرس نے خرید لیا۔ اب اٹک کے تیل کا چشمہ ان لوگوں کے ہاتھ آگیا تو پھر سب کمپنیوں نے اپنے تیل کا پُرانا نرخ قایم کردیا۔ یہ کمپنی اب تک نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے۔ لیکن یہاں تیل بہت تھوڑا ہے اور ہندوستان کی ضروریات کے لیے بالکل کافی نہیں ہے +

(باقی)

جناب وحیدالدین خاں صاحب

آپ کی کیا رائے ہے؟

(حق کا پیغام پہنچانے کی ایک نئی راہ)

کسی چیز کی اشاعت کے لیے بالعموم دو طریقے رائج ہیں۔ ایک یہ کہ تقریر، لٹریچر اور ملاقاتوں کے ذریعے سے باقاعدہ اس کی طرف دعوت دی جائے اور ہر شخص تک اسے پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ دوسرا یہ کہ براہِ راست لوگوں کو خطاب کرنے کے بجائے اپنی بات کو خود گرد و پیش کے ماحول میں اس طرح پھیلا دیا جائے کہ کوئی شخص اس سے واقف ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اس دوسرے طریقے کو جدید تہذیب نے بے حد ترقی دی ہے اور مکمل طور پر اس کو اپنے دینِ باطل کی تبلیغ کے لیے استعمال کیا ہے۔ آج کل کے کسی ترقی یافتہ شہر میں چلے جائیے۔ سڑکوں پر نیم برہنہ اور بے پردہ بنی سنوری عورتیں، ہوٹلوں اور سینما گھروں کے لاؤڈ اسپیکر پر گانے، دیواروں اور دکانوں کے بورڈوں پر ہر طرف تصویروں کا ہجوم۔ غرض بدتمیزی کا ایک طوفان ہے جس نے ہر طرف سے آدمی کو گھیر لیا ہے۔ یہاں تک کہ اب کوئی دیکھنے والی آنکھ اور کوئی سننے والا کان اس کی برائیوں کو دیکھے اور سنے بغیر دنیا کے بازار سے نہیں گزر سکتا۔

جہاں تک طریقۂ اول کا تعلق ہے، اس طرز پر اسلام کی دعوت دینے کا کام اس وقت بہت کافی ہو رہا ہے۔ اور خدا کے فضل سے بہت کامیاب ہے۔ مگر دوسرا طریقہ جو دراصل طریقۂ اول ہی کا ایک مددگار ذریعہ ہے۔ اس کی طرف کچھ توجہ نہیں کی گئی اس لیے اب ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اسے بھی اسلام کی حدود میں رہتے ہوئے ممکن حد تک اختیار کیا جائے ـــــ تاکہ شہادتِ باطل کے اس طوفانی دور میں حق کی شہادت ادا کرنے کا کام واضح طور پر انجام پا سکے۔

چنانچہ اسی غرض کے پیشِ نظر ہم چند ساتھیوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسلامی انداز کی چیزیں تیار کرنے کے لیے ایک فرم قائم کیا جائے اس سلسلے میں فی الحال ہمارے سامنے یہ پروگرام ہے کہ عام استعمال کی چیزوں مثلاً قلم، رائٹنگ پیڈ، کارڈ، لفافے، کیلنڈر، کاپی کے سرورق، جھولا اور عید کارڈ وغیرہ پر چھوٹے چھوٹے فقروں اور عبارتوں میں اسلام کی دعوت پیش کریں۔ آج کل کا طریقہ ہے کہ ان چیزوں پر مختلف قسم کے اشتہار دیے جاتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسی کو دعوتِ حق کی خاطر بھی استعمال کریں۔ اس کے علاوہ ہمارے پیشِ نظر یہ بھی ہے کہ تبلیغ و اشاعت کے بعض جائز طریقے جو آج کل عام طور پر استعمال ہوتے ہیں اور نہایت مؤثر ہیں۔ انھیں بھی اس ضمن میں اختیار کریں۔ مثلاً بجلی کے شیشے یا پلاسٹک کے تختے پر اسلام سے متعلق چیزیں لکھنا وغیرہ۔

اس طریق کار سے جو خاص فائدے ہمارے پیشِ نظر ہیں وہ مختصراً حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس طریقے کا پہلا فائدہ تو وہی ہے، جو اس تحریر کی ابتدا میں ظاہر کیا جا چکا ہے یعنی یہ کہ اس کے ذریعے سے اسلام کی دعوت ایک ایسی متحرک چیز کی حیثیت سے موجودہ ماحول میں ہر طرف پھیل جائے گی، جو کسی خارجی مدد کے بغیر بذاتِ خود اپنے آپ کو ہر وقت ظاہر کرنے والی ہوگی۔ اس طرح اگرچہ پوری دعوت تو نہیں پہنچائی جا سکتی مگر اس کی طرف متوجہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔ دراصل عام استعمال کی چیزوں میں دعوتِ حق کو مرتسم کر کے ہم زندگی کے ہر موڑ پر ایک سنگِ میل نصب کر دیں گے جو انسان کو ہر جگہ اس کے مقصدِ زندگی کی طرف اشارہ کرتا رہے گا۔

۲۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اسلام پسند اصحاب کے لیے اپنے گرد و پیش دعوت کا ایک ماحول تیار کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ان کی سیر، ان کے کمرے کی دیواریں، ان کی ڈاک، ان کا چلنا پھرنا غرض ہر جگہ جب وہ ان چیزوں کو استعمال کریں گے تو بغیر کسی ظاہری کوشش کے از خود یہی چیز ان کی نمایاں حیثیت بن جائے گی۔ اسی بنیاد پر ان سے خطاب کیا جائے گا اور دُنیا ان کو اس حیثیت سے دیکھنے لگے گی جس حیثیت سے کہ دراصل وہ اس کے سامنے آنا چاہتے ہیں۔

۳۔ اس کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ مسلم اور غیر مسلم حضرات سے دعوت کی بنیاد پر تعلقات قایم کرنے کا بہت اچھا ذریعہ ہاتھ آئے گا۔ مثلاً تہوار کے موقع پر انھیں مبارک باد کا ایک کارڈ بھیجا جائے، یا کیلنڈر وغیرہ بطورِ تحفہ دیا جائے اس طرح باہمی ربط بھی قایم ہوگا اور ان چیزوں کے اوپر جو باتیں درج ہوں گی ان کے دیکھنے سے وہ اصل موضوع بھی خود بخود اُبھر کر سامنے آجائے گا۔ جس کے لیے دراصل تعلق قایم کرنا مقصود ہے۔

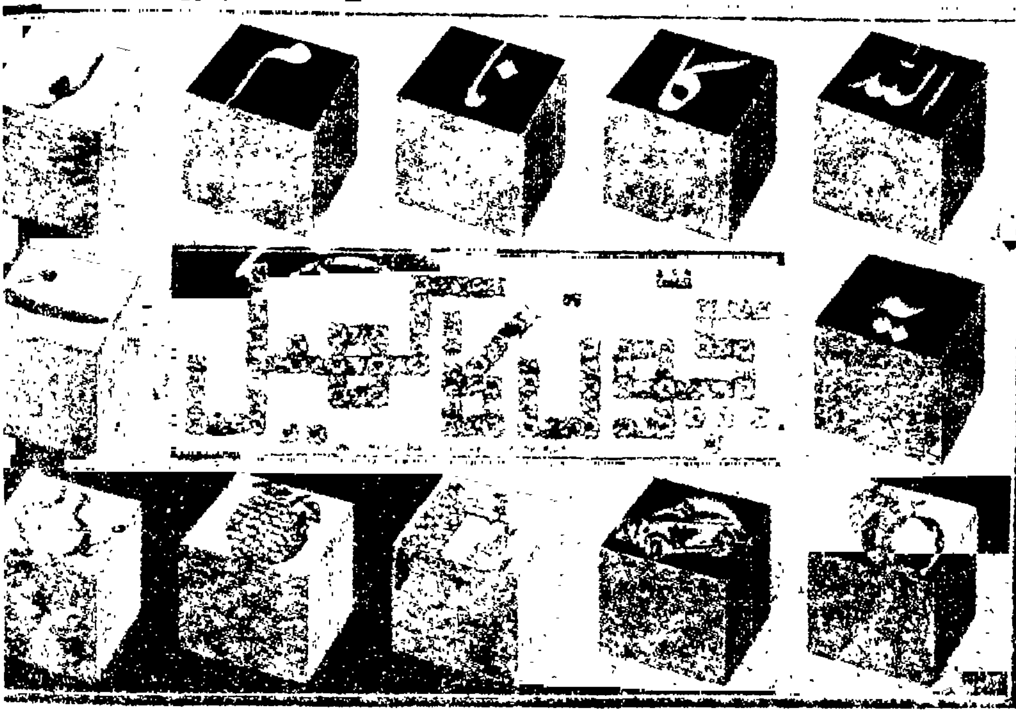
۴۔ اس کا چوتھا فائدہ جو مذکورہ فوائد کے ذہن نشین ہونے کے بعد خود بخود سامنے آتا ہے، وہ یہ کہ خدا کے بہت سے بندے جو اپنے رب سے عہدِ بندگی قایم کرنے کے بعد اس بات کی تڑپ رکھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ دین کا کام کریں۔ مگر معاشی مصروفیتیں اس کا موقع نہیں دیتیں اور جس کی وجہ سے انھیں مجبوراً اپنی زندگی کو دو الگ الگ خانوں میں بانٹ دینا پڑتا ہے۔ ایک دین کے کام کے لیے، دوسرا دُنیوی ضروریات کے لیے اس تقسیم سے نجات حاصل کرنے کا انھیں ایک راستہ مل جائے گا۔ کیوں کہ وہ ان چیزوں کی تجارت کر کے اپنی پوری زندگی کو شہادتِ حق میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس طرح وہ بیک وقت کاروبار بھی کریں گے اور خدا کے بندوں تک خدا کا پیغام پہنچانے کا فریضہ بھی انجام دیں گے۔

یہ ہماری تجویز کا ایک نہایت مختصر خاکہ ہے، جو اس غرض سے پیش کیا رہا ہے کہ اسلام پسند اصحاب اس پر غور کریں، اور ہمیں اپنی رائے اور مشوروں سے مطلع فرمائیں، تاکہ اس کی روشنی میں زیادہ صحیح خطوط پر کام کی ابتدا کی جا سکے۔

ہمارا خط و کتابت کا پتہ حسب ذیل ہے:

وحید الدین خاں — باقی منزل۔ محلہ بیٹھک — شہر اعظم گڑھ — یو پی —

Regd No. A - 506 ALHASANAT RAMPUR U. P.



آپ کے بچوں کے لئے بہترین تعلیمی تحفہ

علاوہ محصول ڈاک

... ایک وقت طلب کرنے پر محصول ڈاک ہمارے ذمہ

... زائد منگانے پر ۲۵ فیصدی کمیشن محصول ڈاک بذمہ خریدار

مکتبہ الحسنات رام پور۔ یو۔پی



جلد ۹ نمبر ۸

الحسنات

رسالہ ... بچوں کے لیے ... رامپور

... مسلمان گھرانوں کی اصلاح ...

جون ۱۹۵۷ء

مدیر: ابوسلیم محمد عبدالحی

چندہ: سال بھر کے ۲۴ رسالے ... [illegible]
چھ ماہ کے ۱۲ رسالے ——— تین روپے
فی کاپی ——— چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس، رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رام پور (یو۔ پی) سے شائع کیا

احساسات

اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں مرض کی دوا کیا ہے۔ تو کیا اس طرح یقینی اور شرطیہ علاج کے جان لینے سے مرض جاتا رہے گا؟ —— ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ علاج جان لینے کے بعد دوا کا استعمال کرنا بھی ضروری ہے۔

اسی طرح اسلام کے اصولوں کا علم حاصل کرنے سے کام نہیں چل سکتا۔ اسلام کے اصولوں کا فائدہ اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اُن پر عمل بھی کیا جائے ——

ہمارے سامنے آج سب سے بڑی مشکل یہی ہے۔ اس سے پہلے چند رسالوں میں ہم آپ کے سامنے اتحاد کے بارے میں ضروری باتیں بتاتے رہے ہیں۔ سب سے آخر میں ہمارے سامنے یہی سوال تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جب اسلام اتحاد کے لیے سب سے بہتر بُنیادیں فراہم کرتا ہے اور اسلام کا نام لینے والے کروروں انسان دُنیا میں موجود بھی ہیں تو پھر ان میں وہ اتحاد کیوں نہیں ہے جو اسلام کے اصولوں کے مان لینے کے بعد ہونا چاہیے —— اس کی وجہ ایک ہی ہے، کہ اب تک مسلمانوں نے ان اصولوں کی بُنیاد پر کوئی کام نہیں کیا جو اسلام پیش کرتا ہے اور جس کی تفصیل تھوڑی تھوڑی کرکے آپ کے سامنے بھی آچکی ہے۔ ہوا یہی ہے کہ نام تو اسلام اور اُس کے اصولوں کا لیا گیا ہے لیکن کام کسی اور ڈھنگ پر ہوتا رہا ہے۔

مسلمانوں میں آپس کے میل جول کے ساتھ اب تک جو کام ہوئے ہیں ان کو سامنے رکھیے اور پھر ان اصولوں کو سامنے رکھیے جو آپ اس سے پہلے اسی معاملے میں تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں اور خود ہی فیصلہ کیجیے کہ:

۱۔ کیا مسلمانوں کے سامنے کوئی اخلاقی اور اصولی نصب العین تھا؟

۲۔ کیا وہ خالص اسلام کے لیے —— اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کوشش کر رہے تھے؟

۳۔ کیا ان کی ہر کوشش کا مقصود یہی تھا کہ اللہ ان سے راضی ہو جائے

اور آخرت کی زندگی میں انھیں کامیابی نصیب ہو؟

۴۔ کیا سب کام کرنے والوں کی توجہ کا مرکز، اور سب کے دلوں میں بسی ہوئی غرض ایک ہی تھی؟ ——— یعنی ان کے لیے آخرت کی کامیابی اور دُنیا کے لیے اللہ کا بھیجا ہوا زندگی کا نظام۔

۵۔ کیا انھوں نے سب انسانوں کو ایک آدم کی اولاد اور اللہ کو ان سب انسانوں کا خالق اور مالک کہہ کر کام شروع کیا تھا؟

۶۔ کیا انھوں نے اس جہان کو اللہ کی بادشاہی تسلیم کرتے ہوئے سب انسانوں کو اُسی شہنشاہ کے قانون کی پیروی کی طرف بلایا تھا ——— ؟

آپ ذرا بھی سوچیں گے تو خود فیصلہ کرلیں گے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ان کے اتحاد میں موجود نہیں تھی۔ یہ تو صحیح ہے کہ انھوں نے نہ تو خدا سے مُنھ موڑا تھا اور نہ اُس کی شہنشاہیت اور قانون کا انکار کیا تھا۔ لیکن یہ باتیں سب ماننے کی ہی تھیں۔ عملی طور پر وہ جو کام بھی کرتے تھے وہ اسی طرح قومی اور مادّی بُنیادوں پر کرتے تھے جیسے کہ دوسری قومیں کرسکتی ہیں۔

قومی فائدے، سیاسی آزادی، مال و دولت میں برتری، حقوق کا تحفظ، اگرچہ یہ باتیں بھی کسی قوم کے زندہ رہنے کے لیے ضروری ہیں اور ان کو بالکل چھوڑا نہیں جاسکتا، لیکن جو پارٹی کسی اصولوں پر ایمان رکھتی ہو اُس کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنے اصولوں کو چھوڑ کر ان فائدوں کو حاصل کرنا اپنے لیے بہتر سمجھنے لگے۔ ایسی پارٹی اگر قومی فائدوں کو حاصل کرنا چاہے گی تو پہلے وہ اپنے اصولوں سے یہ دریافت کرے گی کہ وہ کیا کام کرسکتی ہے اور کیا نہیں اسی طرح سیاسی آزادی حاصل کرنے کے لیے یا اپنے حقوق منوانے کے لیے وہ جو کچھ بھی کرے گی صرف اپنے اصولوں کے مطابق کرے گی۔

بس یہی مرض ہے جو ہمارے نزدیک سب سے پہلے علاج اور توجہ کا مستحق ہے۔ یہ مرض کچھ نیا نہیں ہے، صدیوں سے مسلمان اس مرض میں مبتلا ہیں۔ یہ بڑی لمبی اور دُکھ بھری داستان ہے۔ بہر حال اب جب کہ ہمارا ملک ایک بہت بڑے سیاسی انقلاب سے دوچار ہو چکا ہے اور مسلمانوں نے بھی ایک نہیں

بیسیوں طریقے اپنی ترقی کے لیے آزما لیے ہیں' اس بات کا بڑا اچھا موقع ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے یہ سوچیں کہ کام کس طرح کرنا چاہیے تھا اور اب تک کس طرح ہوتا رہا؟ ـــــــ ہمیں سب سے زیادہ ان نوعمروں کی فکر ہے جو اب سے سات آٹھ سال ہی بعد دُنیا کا کاروبار خود سنبھالیں گے۔ اُس وقت اس ناؤ کے کھینے والے وہ ہوں گے اور یہ کشتی اس طرف چلے گی جس طرف یہ اسے لے جانا چاہیں گے۔ دُنیا کا مستقبل ان کے ہاتھ ہوگا۔ اور دُنیا کو اگر اسلام کی روشنی مل سکے گی تو ان کے ہاتھوں۔

اللہ کا شُکر ہے کہ فروری دوہم کے رسالے سے ہم نے جس سلسلے کو شروع کیا تھا وہ آج ختم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے آپس کے اتحاد کے سلسلے میں ہم کو جو کچھ کہنا تھا وہ کہا جا چکا ہے۔ خدا کرے کہ ان سب باتوں کو آپ نے غور اور توجہ سے پڑھا ہو' اور آپ کو اپنی زندگی کے لیے ایک سوچی سمجھی راہ مقرر کرنے میں ان باتوں سے مدد ملی ہو۔

آپ کو یاد ہوگا کہ اتحاد پر ہم نے اس لیے غور کیا تھا کہ یہ مسئلہ مسلمانوں کی ہر قسم کی اصلاح سے پہلے ضروری ہے۔ اب اللہ نے چاہا تو ہم مسلمانوں کے بارے میں دوسری باتوں کو ایک ایک کرکے لیں گے اور ان کے بارے میں ضروری باتیں آپ کو بتائیں گے ـــــ آئندہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دینی تعلیم کے سلسلے میں کچھ اہم باتیں آپ کو بتائیں گے۔ یہ باتیں جہاں آپ کے لیے مفید ہوں گی وہاں آپ کے بڑوں کے لیے بھی فائدہ مند ہوں گی۔ آپ ایسی باتوں کو اپنے گھر کے بڑے لوگوں کو بھی برابر بتاتے رہا کریں +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

(سورۂ ہود۔ رکوع ۱۰)

"بے شک تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا مگر اب تو وہ مختلف طریقوں پر ہی چلتے رہیں گے اور ان بے راہ رویوں سے صرف وہی لوگ بچیں گے جن کو تیرے رب کی رحمت ہے۔ اس (آزادیٔ انتخاب و اختیار) کے لیے ہی تو اس نے انھیں پیدا کیا تھا۔ اور تیرے رب کی وہ بات پوری ہوگئی جو اس نے کہی تھی کہ میں جہنم کو جن اور انسان سب سے بھر دوں گا۔"

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) کبھی کبھی انسان کے دماغ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے تو پھر وہ ایسا کیوں نہیں کر دیتا کہ اس کے بندے سب کے سب نیک بن جائیں اور شیطان کو سر اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے اور اس طرح لوگوں پر اللہ کا وہ عذاب نہ آئے جو نافرمان قوموں پر اکثر آتا رہا ہے۔ اس سورۃ میں نافرمان قوموں کے تذکرے کے بعد اس اعتراض کا

جواب بھی دیا جا رہا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ: اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ کو بڑی قدرت ہے وہ اگر چاہتا تو سب انسانوں کو ایک ہی راہ پر لگا دیتا اور کسی کو یہ طاقت نہ ہوتی کہ اُس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر سکتا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے انسان کو حیوانات یا جمادات کی طرح مجبور نہیں بنایا ہے۔ اُس نے انسان کو اچھے برے کی تمیز عطا فرمائی ہے اور اُسے یہ اختیار بخشا ہے کہ وہ اگر چاہے تو اچھائی کو قبول کرے اور چاہے تو بُرائی میں آلودہ ہوجائے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہوتی کہ انسان اپنی خوشی سے کچھ باتوں کو اختیار اور کچھ کو رد نہ کرسکے تو پھر رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ سارے انسان جو مومن پیدا ہوتے وہ سدا مسلم ہی رہتے اور کفر، گناہ، اور اللہؐ سے بغاوت و سرکشی کرنا کسی کے لیے ممکن ہی نہ ہوتا۔ لیکن اللہؐ کی مرضی یہ نہیں ہے۔ اُس نے انسان کو اس طرح پیدا نہیں فرمایا ہے، اس کا فیصلہ یہ ہے کہ انسان اپنی عقل کو کام میں لائے، اچھے بُرے کی اس تمیز سے فائدہ اُٹھائے جو اس کے مالک نے اسے عطا فرمائی ہے۔ پھر اس کے سامنے جنّت و دوزخ دونوں کی راہیں کھول کھول کر بیان کردی جائیں اور اسے آزاد چھوڑا جائے کہ وہ ان راہوں میں سے جسے پسند کرے اُس پر چل سکے۔ تاکہ ہر ایک جو کچھ بھی پائے اپنی کوشش اور اپنی کمائی کے پھل کے طور پر پائے۔

جب اللہؐ کا فیصلہ اور اُس کی مشیت یہ ہے تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی قوم خود تو بڑھنا چاہے بدی کی راہ پر لیکن اللہؐ اُسے زبردستی اچھے راستے پر موڑ دے۔ یا کوئی قوم خود تو ایسی تعلیم جاری کرے اور بدی کے ایسے اڈے قایم کرے جن سے ایسے آدمی تیار ہوں جو ایک سے ایک بڑھ کر ظالم، بدکار اور فاسق ہوں لیکن اللہ تعالیٰ براہِ راست ان کے معاملات میں مداخلت فرما کر اس قوم میں نیک لوگوں کی کثرت کردے۔ جس قوم کے زیادہ لوگ بدی کی راہ کو پسند کریں، فسق و فجور اور گناہ کو ترقی دیں اور کسی ایسے گروہ کو اپنے اندر پنپنے بھی نہ دیں جو بھلائی کی طرف بُلانے اور نیکی کا جھنڈا اونچا کرنا چاہے۔ تو خدا کو کیا پڑی ہے کہ اس قوم کو زبردستی نیک بنا دے وہ تو ایسی قوم کو اسی انجام کی طرف ڈھکیل دے گا جو اُس نے

خود اپنے لیے پسند کی ہوگی۔

(۲) جو لوگ اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں سے ٹھیک ٹھیک کام لیتے ہیں اور خود نیکی کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی رحمت ہوتی ہے اور وہ سدا کامیابی کی طرف ہی بڑھتے ہیں ــــــ اس دُنیا میں بھی آخرِ کار سرفرازی انھیں کے لیے ہے اور آخرت کی سدا رہنے والی زندگی میں بہر حال وہی کامیاب ہوں گے۔

(۳) انسان کو انتخاب و اختیار کی جو آزادی بخشی گئی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ کچھ لوگ نیکی کی راہ اختیار کریں اور کچھ لوگ بدی کی۔ اس لیے ایک ایسے شخص کو جو لوگوں کو اللہ کی سیدھی راہ کی طرف بلا رہا ہو، یہ دیکھ کر مایوس نہ ہونا چاہیے کہ لوگ اس کی بتائی ہوئی سیدھی راہ کو چھوڑ کر ٹیڑھے راستوں میں کیوں بھٹک رہے ہیں۔ اسے اپنا کام بغیر کسی مایوسی کے کرتے رہنا چاہیے۔ بہر حال جہنم تو ایسے انسانوں اور ایسے جنوں سے بھر کر ہی رہے گا جو اس انتخاب و اختیار کی آزادی سے غلط کام لیں گے اور اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اپنے آپ کو اپنے رب کی رحمت سے دُور کرلیں گے ــــــ +

حافظ عبدالسمیع دھام پوری

حضرت لقمانؑ کی نصیحتیں اپنے بیٹے کو

اے مرے فرزند قایم کر نماز — ہے یہی حکمِ خدائے بے نیاز
پیکرِ حق و صداقت بن کے رہ — جھوٹ بات اپنی زباں سے تو نہ کہہ
ابنِ آدم کو بُری باتوں سے روک — اہلِ عالم کو بُرے کاموں پہ ٹوک
راہِ حق پر نوعِ انساں کو بُلا — صدق کا پیغام دُنیا کو سُنا
ساتھ ہرگز تو نہ دے گمراہ کا — اور مت ٹھہرا شریک اللہ کا
اور نہ کر غیبت کسی انسان کی — کر حفاظت دولتِ ایمان کی
کر مریضوں کی عیادت اے پسر — اور کمزوروں کی خدمت اے پسر
خستہ حالوں کی مدد بھی کر ضرور — تاکہ راضی تجھ سے ہو ربِ غفور
بغض و کینے سے، حسد سے دُور رہ — بیٹھ تو نیکوں میں بد سے دُور رہ

کام وہ کر جس سے راضی ہو خدا
نعمتِ عظمیٰ ہے اللہ کی رضا

تحریر نیر بانو صاحبہ

آپا گر پڑیں

کل ایک ایسی بات ہوئی کہ ہمیں بہت ہی ڈر لگا۔ ہوا یوں کہ ابا جان نے اپنے کچھ دوستوں کی چاء کی دعوت کی۔ وہ دفتر سے چھ بجے گھر آتے ہیں۔ جاتے ہوئے امی سے کہہ گئے تھے کہ چھ بجے تک سب سامان تیار رکھنا۔ سہ پہر کو امی نے ممدو کو بازار بھیجا اور کچھ چیزیں منگائیں کہ تیاری شروع کریں۔ دعوت تو ابا کے دوستوں کی تھی وہ خوش ہوتے مگر زیادہ خوشی ہمیں ہو رہی تھی۔ ہم تینوں بہن بھائی روز شام کو نہایا کرتے ہیں۔ اگر کسی روز نہ نہائیں تو خوب ڈانٹ پڑتی ہے اور شام کی چاء بھی نہیں ملتی۔ خیر ڈانٹ ڈپٹ تو روز کا کام ہے ایسی ناگوار نہیں گزرتی، مگر چاء نہ ملے تو بڑی بے عزتی محسوس ہوتی ہے۔ سچ مچ رونا آجاتا ہے۔ اگر معافی مانگ لیں اور آئندہ وقت پر نہانے کا وعدہ کرلیں تو پھر سب کے بعد میں مل جاتی ہے۔ مگر اس میں وہ مزہ نہیں جو سب کے ساتھ مل کر پینے میں آتا ہے۔ اس روز ہم تینوں جلد جلد نہا کر تیار ہو گئے۔ اور تو اور آپا بھی نہا کر آگئیں۔ حالانکہ وہ اس معاملے میں بڑی سست ہیں۔ وہ کچھ ایسی بڑی تو نہیں مگر مجھ سے بڑی ہیں۔ اس لیے میں آپا ہی کہتا ہوں۔ امی بہت دفعہ کہتی ہیں کہ اللہ میاں کو صفائی بہت پسند ہے۔ دیکھو تو اس نے ہر چیز صاف ستھری بنائی ہے۔ گندے بچے کسی کو اچھے نہیں لگتے۔ جو بچہ اپنے کپڑے اور ہاتھ منہ گندا رکھتا ہے تو یہ باہر کی گندگی آہستہ آہستہ اس کے دل کو بھی میلا کر دیتی ہے مجھے صاف ستھری امی کی اچھی باتیں (۲) کی سمجھ میں نہیں آتیں۔

امی کو کھانے پکانے کی چیزوں میں کام کرتے دیکھ کر ہمارا دل بھی یہی چاہتا ہے کہ ایسا مزیدار کام ہم بھی کریں۔ اس وقت تو کھیلنے کو بھی دل نہیں چاہتا نہ پڑھنے لکھنے کو۔ امی امرود ناشپاتیاں چھیل چھیل کر ایک بڑے سے کیک کے خوب صورت برتن میں رکھ رہی تھیں، وہ سفید سفید سے گورے چٹے گیند جیسے بڑے اچھے معلوم ہو رہے تھے۔ امرود کی قاشیں

سونگھتے سونگھتے بڑے زور کی بھوک معلوم ہونے لگی۔ دل چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ سب کچھ ابھی کھانے کو مل جائے۔ ابھی تو اس میں بڑا کام باقی تھا۔ ان کے باریک باریک قتلے تراشیں گی پھر ان پر تھوڑا سا نمک مرچ اور بہت سی شکر ڈالیں گی، لیموں کا رس نچوڑیں گی۔ کہنے کو تو اس کو کچو لو ہیں، مگر ہم تو جلدی سے چاٹ کہہ دیتے ہیں۔ یہ سب بنتے بنتے تو بہت دیر لگتی ہے۔ اور امرود کی تیز خوشبو ہمیں بے صبر بنائے دے رہی تھی۔ آخر ہم امی سے مانگ ہی بیٹھے کہ تھوڑا تھوڑا امرود اور ناشپاتی کاٹ کر ہمیں دے دیجیے۔ ہمارے چاروں طرف منڈلانے سے شاید امی پہلے ہی تنگ آ رہی تھیں۔ کہنے لگیں کہ پہلے وعدہ کرو کہ جب تک یہ پورا تیار نہ ہو جائے گا دوبارہ نہیں مانگو گے۔ ہم نے جلدی سے شرط مان کر وعدہ کرلیا۔ آدھا آدھا امرود تینوں کو مل گیا۔ امی کہنے لگیں اب جاکر دوسری طرف کھیلو، کام کرتے وقت تم لوگ بہت ستاتے ہو۔ ہم اچھلتے کودتے وہاں سے بھاگ لیے۔ امی میز کے پاس کھڑی اپنے کام میں مشغول رہیں۔

اتنے میں آپا کو جانے کیا خیال آیا کہنے لگیں چلو اوپر کھیلیں گے۔ ہماری شرارتوں کی لیڈر وہی ہیں۔ وہ کوئی نئی بات سوچ کر ہمیں بتا دیا کرتی ہیں۔ پھر سب ساتھ مل کر خوب شرارتیں کرتے ہیں۔ چھت پر گئے تو دیوار پر چلنے کے لیے کہا۔ اب وہ بڑی ہیں اور ہر کام میں آگے رہنا چاہتی ہیں۔ اس لیے دیوار پر چلنے میں پہل انھیں نے کی۔ بارش کا زمانہ تھا، اینٹیں گیلی اور کائی سے پھسلنی ہو رہی تھیں۔ نہ معلوم ان کا پیر پھسلا یا اینٹ نیچے سے کھسک گئی وہ دھم سے نیچے گر گئیں۔ ان کو گرتے کسی نے نہیں دیکھا۔ ہم دیکھ رہے تھے تو اوپر تھے۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا کروں، ایسے ہی کھڑا رہ گیا۔ گرنے کی آواز پر بُندو باورچی خانے سے باہر نکلا، آپا کو گرا دیکھ کر وہ زور سے چیخا۔ پھر تو امی بھی دوڑی آئیں، یہ عجیب بات تھی، آپا بالکل نہیں روئیں، ورنہ اُن کا قاعدہ ہے کہ ذرا بھی کوئی چیز پاس سے چھو جائے تو اتنا روتیں اور شور مچاتیں کہ سب ڈر جاتے۔ میں ان کے رونے چیخنے کا منتظر تھا لیکن ان کی تو آواز ہی نہ نکلی۔ امی نے انھیں گود میں اٹھا کر پلنگ پر لٹایا۔ آپا نے بہت آہستہ سے کہا "امی چوٹ لگی ہے"۔ پھر آہستہ آہستہ ان کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ اور چہرہ بھی عجیب سا ہوگیا۔ پہلے سے زیادہ سفید۔ امی بہت گھبرائی ہوئی تھیں۔ کبھی ان کا ہاتھ پکڑ کر دیکھتیں، کبھی سینے پر کان لگاتیں۔ انھوں نے آپا کو [illegible] کی آواز [illegible] بولا۔

اُنھوں نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔ آپا کی حالت اور امّی کی گھبراہٹ دیکھ کر میرا دل نہ معلوم کیسا ہوگیا۔ جیسے گلے میں کوئی چیز پھنس گئی ہو، اور آنکھیں بھی گرم گرم معلوم ہونے لگیں۔ رونے کو بہت دل چاہا مگر میں نے ہمت کی اور بڑی کوشش سے آنسوؤں کو روکا۔ اگر میں روتا تو شاید امّی اور بھی پریشان ہو جاتیں۔ ایک بے بسی کی مسکراہٹ میرے چہرے پر پھیل گئی۔ اگر میں کچھ اور بڑا ہوتا تو امّی کی مدد کرتا۔ یہ ایک خیال میرے دل میں نہ معلوم کہاں سے آگیا کہ کہیں آپا مر تو نہیں گئیں۔ اس بات کے سوچتے ہی میرا دل بُری طرح گھٹنے لگا۔ اس سے زیادہ برداشت کی طاقت مجھ میں نہیں تھی۔ ادھر امّی بھی آپا کو ایسے ہی چھوڑ کر کمرے کے دروازے میں دہلیز پر ہاتھوں میں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ پھر اُٹھ کر پانی لائیں اور کچھ اُن کے مُنھ میں ڈالا، کچھ چہرے پر چھڑکا۔ میں پلنگ پر بیٹھا غور سے اُن کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پانی مُنھ میں ٹپکانے سے ان کے سفید ہونٹ کچھ کچھ لال ہونے لگے۔ اب امّی کو ڈاکٹر کا خیال آیا۔ اور کوئی گھر میں تھا ہی نہیں۔ ابّا دفتر سے نہیں آئے تھے۔ مُندو ہی ڈاکٹر صاحب کو لینے گیا۔ میں نے امّی سے پوچھا آپا کو کیا ہو گیا ہے۔ کہنے لگیں چوٹ کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی ہے۔ پھر کچھ سوچ کر بولیں۔ ماں باپ کا کہنا نہ ماننے کی اللہ میاں نے سزا دی ہے۔ مجھے یہ بات سچ ہی معلوم ہوئی۔ آج تک جتنی شرارتیں کی تھیں، جتنی دفعہ ڈانٹ پڑی تھی، جتنے امّی کے کہنے نہیں مانے تھے ساری باتیں ایک ایک کرکے یاد آنے لگیں۔ میں غور کر رہا تھا کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ جس بات کو امّی منع کرتی ہیں ہم رُک کیوں نہیں جاتے۔ اس کے کرنے میں کیوں مزہ آتا ہے۔ حالانکہ ڈانٹ بھی پڑتی ہے اور سزا بھی ملتی ہے نقصان بھی ہوتا ہے چوٹ بھی لگتی ہے۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ سمجھانے سے بات سمجھ میں نہ آتی ہو، اُس وقت سب کچھ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد نہ معلوم کیا ہوتا ہے کہ وہی بُری باتیں اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ہم پھر وہی کرنے لگتے ہیں۔ اس پر ہمارے بڑے سمجھتے ہیں کہ ہم کبھی اچھے بن ہی نہیں سکتے۔ میرا خیال ہے کہ اچھا بننا بڑا مشکل کام ہے۔ دیکھو تو سہی ابھی ہم چھوٹے ہی سے تو ہیں۔ مگر شیطان بھی ایک [illegible] ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے۔ کہتے ہیں شیطان بڑا عقل مند اور چالاک ہوتا ہے [illegible] اُن کے اچھے [illegible] طریقوں سے بہکاتا ہے اور خراب بنانا چاہتا ہے کہ جیسے اُس [illegible]

پتہ نہیں چلتا اور ہم اُس کے بہکائے میں آجاتے ہیں۔ بڑے ہونے پر شاید ہم میں اس سے مقابلہ کرنے کی زیادہ طاقت آجائے گی۔ اور ہم جلدی سمجھ جایا کریں گے کہ اب شیطان ہمیں بہکانے اور بُری باتیں کرانے کی کوشش میں ہے۔ جو کچھ مَیں نے غور کر کے سمجھا ہے کیسا اچھا ہو اگر ہمارے بڑے بھی یہی سمجھ جائیں، کتنی مشکل آسان ہو جائے۔ کم سے کم ہمارے متعلق بڑی اُمیدیں قایم کرنے میں جلدی نہ کریں۔

جب آپا کو اچھی طرح ہوش آ گیا، دوا پلا دی، جہاں جہاں چوٹ آئی تھی مالش کی۔ ربر کی بوتل میں گرم پانی بھر کر ان کی گردن کے نیچے رکھ دیا۔ اُس وقت آپا نے کچھ کچھ رونا اور چلانا شروع کیا۔ تب امی کہنے لگیں اب روتی ہے۔ تمام دن بہن بھائیوں سے لڑتی ہے۔ کسی بات سے منع کرو تو مانتی نہیں۔ جب اللہ میاں نے دیکھا کہ تم پر ڈانٹ ڈپٹ کسی سزا کا اثر نہیں ہوتا، اب یہ اس کی طرف سے سزا ملی ہے۔ اگر اب بھی نہیں سمجھوگی تو اس سے زیادہ اور بڑی سزا ملے گی۔ ہم نے کتنی دفعہ پہلے تمھیں منع کیا کہ دیواروں پر مت چلا کرو، منڈیروں پر سے نیچے نہیں لٹکا کرتے۔ تم نے کبھی سُنا ہی نہیں۔ آج کے بعد دیکھیں کیا کرتی ہو۔

اُس دن کے بعد سے آج کا دن ہے ہم تو پھر اُس دیوار کی طرف گئے نہیں نہ منڈیروں اور بالکنی سے نیچے لٹکتے ہیں نہ اوپر کی کھڑکیوں کے ساتھ والی پتلی گر پر چلتے ہیں۔ سچ ہے شیطان کی چالاکیاں اور بُرائیاں جیسی بڑی ہوتی ہیں اللہ کی سزا بھی بڑی ہوتی ہے۔ اثر بھی خوب ہوتا ہے+

تجارتی سمجھوتہ

(بھارت اور پاکستان کے درمیان)

آپ کو یاد ہوگا کہ ستمبر ۱۹۴۹ء میں برطانیہ نے اپنے سکے کی قیمت گرادی تھی۔ اس کے بارے میں آپ ایک مختصر سی تشریح نومبر اوّل ۱۹۴۹ء کے الحسنات میں پڑھ بھی چکے ہیں۔ جس میں آپ کو یہ سمجھایا جاچکا ہے کہ سکے کی قیمت گرانے کا کیا مطلب ہے، اور اس سے برطانیہ کو کیا فائدہ تھا ــــــ اُسی وقت دولت مشترکہ کے ہر ملک نے اپنے سکے کی قیمت کی کمی کا اعلان کردیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان نے بھی اپنے روپے کی قیمت کم کردی تھی۔ لیکن پاکستان نے ایسا نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان کے سو روپے، ہندوستان کے ایک سو چوالیس روپے کے برابر ٹھہرتے تھے۔ ہندوستان نے اُس وقت اس شرح کو نہیں مانا تھا۔ ہندوستان کو یہ پسند نہیں تھا کہ پاکستان سے جو سو روپے کا گیہوں آئے تو اُس کے بدلے ایک سو چوالیس روپے کا کوئلہ یا لوہا پاکستان کو جائے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ملکوں کے درمیان تجارت قریب قریب ختم ہوگئی۔ اندازہ یہ تھا کہ پاکستان اور ہندوستان کی تجارت بند ہو جانے سے پاکستان کو ایسی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے گا کہ وہ کچھ دن بعد مجبور ہو کر اپنے سکے کی قیمت کم کردے گا اور دونوں ملکوں کے روپے کا تبادلہ برابر پر ہونے لگے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت ہی محدود علم بخشا ہے۔ اور کل کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں تو انسان کو کچھ بھی علم نہیں ہے ــ کسے معلوم تھا کہ کوریا کی لڑائی چھڑ جائے گی۔ اس لڑائی چھڑ جانے سے پاکستان کی روئی اور غلّے کے بہت سے خریدار ہوگئے اور اُس کے پاس جو مال اُس کی ضرورت سے زیادہ تھا اس کی کھپت دُنیا کی منڈیوں میں خوب ہونے لگی۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ پاکستان کو اپنا غلہ ہندوستان بھیجنے کی مجبوری باقی نہیں رہی تھی۔

ادھر ہندوستان میں غلّے کی بہت کمی ہو گئی اور اس کے لیے یہ بڑا مشکل ہو گیا کہ وہ غلہ امریکہ اور اسٹریلیا سے تو منگائے، لیکن اپنے پڑوسی ملک پاکستان سے نہ خریدے۔ اب ایک طرف تو سخت ضرورت تھی، دوسری طرف بات ہیٹی ہوتی تھی کچھ دن معاملہ یوں ہی ٹلتا رہا۔ آخر کار ہندوستان کے سمجھدار نیتاؤں نے یہی فیصلہ کیا کہ خواہ مخواہ بات کے پیچھے اڑنے اور ہٹ کرنے سے ملک کا نقصان کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے — ادھر پاکستان کو بھی کوئلے اور لوہے کی سخت ضرورت تھی۔ ڈر تھا کہ کہیں پاکستان کے کارخانے اور ریلیں اس کمی کی وجہ سے بند نہ ہو جائیں۔ کیونکہ دُور دراز ملکوں سے کوئلہ اور لوہا ڈھو کر لانا تو بڑا مہنگا سودا تھا۔ چنانچہ فروری ۱۹۵۱ء کے آخر میں ہندوستان نے پاکستان کے روپے کی قیمت کو مان لیا اور پاکستان سے گندم اور روئی وغیرہ خریدنے اور اس کے ہاتھ کوئلہ، لوہا، کپڑا اور دوسری چیزیں فروخت کرنے کا ایک سمجھوتہ کر لیا۔

دیکھنے میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح بات مان لینے سے ہندوستان کی بات کچھ ہیٹی ہو گئی۔ چنانچہ پاکستان کے لیڈروں نے خوب بغلیں بجا بجا کر اس کارنامے کو قوم کے سامنے پیش بھی کیا لیکن یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اس میں سراسر پاکستان کا ہی فائدہ ہو اور ہندوستان بالکل ٹوٹے میں ہی رہے۔ اگر کوئی ملک دوسرے ملک سے کچی اجناس خریدتا ہے اور اُن کو اپنے ملک کے کارخانوں میں استعمال کر کے ایسی مصنوعات تیار کرتا ہے جو دوسرے ملکوں میں کھپ سکیں، تو یہ بات تو اس ملک کے لیے بڑے فائدے کی بات ہے۔ اب سے پہلے برطانیہ کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ یہاں سے تمام خام اشیا برطانیہ کو جاتی تھیں، اور پھر وہاں سے ان کا مال تیار ہو ہو کر آتا تھا اور ہندوستان کے بازاروں میں بکتا تھا۔ یہی بات تھی جس نے ہندوستان کی دولت کو سمیٹ سمیٹ کر برطانیہ پہنچا دیا تھا۔ روئی ہم پیدا کرتے تھے۔ لیکن اس کا کپڑا برطانیہ میں تیار ہو کر ہمارے ہی ہاتھ بیچا جاتا تھا۔ چمڑا یہاں سے جاتا تھا لیکن اس کا جوتا برطانیہ میں بن کر ہمارے سر منڈھا جاتا تھا۔ اسی طرح سیکڑوں چیزیں جب یہاں سے جاتی تھیں تو ملک کو بہت معمولی قیمت ہاتھ آتی تھی اور جب ان ہی چیزوں کا مال تیار ہو کر آتا تھا تو [illegible] کی قیمت

دے کر ہم اُسے خریدنے پر مجبور تھے۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ ہم سدا کنگال رہے، اور برطانیہ کے خزانے بھرتے چلے گئے۔

آج اگر ہندوستان اپنے کارخانوں کے لیے جوٹ اور روئی کسی ملک سے منگاتا ہے اور ان کے بدلے میں اس کے تیار کیے ہوئے بوروں اور اس کے بُنے ہوئے کپڑوں کی مانگ دوسرے ملکوں میں موجود ہے تو یہ بات کون سے ڈرنے کی ہے؟ رہ گئی یہ بات کہ پاکستان کے سو روپے ہندوستان کے ایک سو چوالیس روپے کے برابر ہیں تو یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں۔ آخر ہندوستان کو اپنی تیار کی ہوئی چیزوں کی قیمت مقرر کرنے کا تو حق حاصل ہے کیا اس طرح اس ۴۴ فی صدی کے نقصان کو کم نہیں کیا جاسکتا۔ پھر پاکستان کے لیڈروں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ خام اشیا دے کر تیار کیا ہوا مال لے رہے ہیں۔ اگر انھوں نے حالات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہ کیا تو کون جانتا ہے کہ وہی ہندوستان جس کی مونچھیں نیچی دیکھ کر آج وہ بغلیں بجا رہے ہیں کل وہ ویسی ہی پوزیشن اختیار کرلے جو اب سے پہلے برطانیہ اور ہندوستان کی تھی — کسی ملک کا محض زراعتی ملک ہونا اُس کے لیے کچھ بہت زیادہ اچھا نہیں ہے جب تک کہ اس کے پاس اپنی زراعتی پیداوار کو اپنی ضرورت کے مطابق مصنوعات میں تبدیل کرنے کے لیے بھی کارخانے موجود نہ ہوں۔

آپ کو یہ تو اندازہ ہی ہوگا، ملکوں کی تقسیم اور قوموں کے آپس کے کھنچاؤ کی وجہ سے آج دُنیا کے انسانوں میں یہ صلاحیت تو باقی ہی نہیں رہی ہے کہ وہ دوسروں کے فائدے کے لیے کوئی ایسا کام کردیں جس کے کرنے سے چاہے ان کا اپنا کوئی نقصان بھی نہ ہوتا ہو، نہ کہ ان سے یہ اُمید رکھی جائے کہ وہ اپنا نقصان کرکے دوسروں کے فائدے کے لیے کوئی کام کردیں گے۔ پاکستان اگر ہندوستان کی کوئی بات مانتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اس سے وہ اپنے ایک پڑوسی ملک کو کوئی نفع پہنچانا چاہتا ہے اور اسی طرح اگر ہندوستان پاکستان کی کوئی شرط قبول کرلیتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اس سے پاکستان کو کوئی فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ بلکہ آج دُنیا کے ہر ملک [illegible] کے سامنے صرف اپنا فائدہ ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو اُس کی کوشش [illegible] کہ وہ دوسرے کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ حاصل کرلے۔

لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو پھر وہ مجبوراً کسی ایسے کام پر بھی راضی ہو جاتا ہے جس میں اس کے اپنے فائدے کے ساتھ اگر کسی دوسرے کا کوئی فائدہ ہو جائے تو ہو جائے —— خود غرضی کا یہی بھوت ہے جو ہر شخص، ہر قوم، اور ہر ملک پر بری طرح سوار ہے۔ یہی بھوت لڑائی کا سامان کرتا ہے، فساد کراتا ہے اور آج یہی دنیا کے امن کو غارت کر کے دنیا کو جہنم بنا رہا ہے —— بہت کم لوگ ہیں جن کی نظر خود غرضی کے اس بھوت پر جاتی ہو اور اگر کچھ لوگوں کو اس کی ہلاکتوں کا اندازہ ہو بھی جاتا ہے تو وہ بیچارے یہ نہیں جانتے کہ اس بھوت کو بھگانے کا علاج کیا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں انسان کے سر سے خود غرضی اور مفاد پرستی کے اس بھوت کو کس طرح اتارا جا سکتا ہے ——؟ اس کا ایک ہی علاج ہے —— بس ایک ہی علاج اور وہ ہے:

اللہ پر ایمان، اور
آخرت کا پختہ یقین۔

لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

"اللہ میاں"

جلاتے ہنساتے ہیں اللہ میاں ہی
کھلاتے پلاتے ہیں اللہ میاں ہی

اٹھاتے بٹھاتے ہیں اللہ میاں ہی
سلاتے جگاتے ہیں اللہ میاں ہی

یہ صبح و مسا اور اجالا اندھیرا
بناتے مٹاتے ہیں اللہ میاں ہی

یہ شام و سحر کی موافق ہوائیں
چلاتے تھماتے ہیں اللہ میاں ہی

یہ بادل یہ رنگِ سیاہی و سرخی
بھگاتے رکاتے ہیں اللہ میاں ہی

یہ "آتش کدہ" جس سے دنیا ہے روشن
دکھاتے چھپاتے ہیں اللہ میاں ہی

یہ نیلے سمندر میں چاندی کی کشتی
تراتے ڈوباتے ہیں اللہ میاں ہی

یہ جھرنے، یہ سوتیں، یہ جھیلیں، یہ دریا
بہاتے سکھاتے ہیں اللہ میاں ہی

یہ رنگین پتے ہرے، زرد، آبی
ہلاتے گراتے ہیں اللہ میاں ہی

یہ رنگت گلوں کی گلابی، عنابی
اڑاتے مٹاتے ہیں اللہ میاں ہی

زمیں سے شجر، شاخ، پھل، پھول، بیلیں
اگاتے بڑھاتے ہیں اللہ میاں ہی

چمن، بوستاں، باغ میں فرش دھانی
بچھاتے اٹھاتے ہیں اللہ میاں ہی

درندوں، چرندوں، پرندوں کو بولی
سکھاتے بتاتے ہیں اللہ میاں ہی

جناب این۔ اے۔ بھوپالی صاحب

حضرت عمرؓ اور ایک بڑھیا

حضرتِ عباسؓ ایک روز رات کو حضرت عمرؓ سے ملنے چلے۔ راستے میں ایک بدو نظر آیا۔ اُس نے بڑھ کر حضرتِ عباسؓ کا دامن پکڑ لیا اور کہا عباسؓ کہاں جاتے ہو، میرے ساتھ چلو۔ اندھیری رات تھی، آپ نے غور سے دیکھا تو امیرالمومنین حضرت عمرؓ ایک بدو کے بھیس میں تھے۔ حضرتِ عباسؓ نے مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیا اور پوچھا امیرالمومنین اس تاریک رات میں کہاں کا ارادہ ہے۔ امیرالمومنین نے فرمایا: "شہر کے محلوں میں گشت لگانے اور شہر کے حالات معلوم کرنے جا رہا ہوں۔" حضرتِ عباسؓ بھی ساتھ ہو لیے۔ آگے آگے حضرتِ عمرؓ تھے اور پیچھے پیچھے حضرت عباسؓ۔ ایک سرے سے تمام عرب گھروں جھونپڑیوں اور خیموں کا چکر لگا لیا، واپس ہونے کو تھے کہ ایک جھونپڑے پر نظر پڑی دیکھا کہ ایک بڑھیا چولھے کے پاس بیٹھی ہوئی ہے اور چند بچیاں اُس کے پاس بیٹھی بلک رہی ہیں، ہانڈی چولھے پر ہے، اور چولھے میں آگ جل رہی ہے۔ بڑھیا بچیوں سے کہہ رہی ہے "ٹھہرو، صبر کرو روؤ نہیں، کھانا تیار ہوا جاتا ہے" لیکن بچیاں خاموش نہیں ہوتیں۔ یہ رونا بلکنا دیکھ کر دل ہل گیا۔ دونوں ٹھہر گئے کہ دیکھیں کیا ماجرا ہے۔ حضرتِ عمرؓ کبھی غور سے بڑھیا کو دیکھتے تھے، اور کبھی لڑکیوں کو۔ بڑی دیر ہوگئی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ بات کیا ہے۔ حضرتِ عباسؓ نے کہا امیرالمومنین چلیے بہت دیر ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "خدا کی قسم جب تک یہ بچیاں کھانا نہ کھالیں میں نہ جاؤں گا۔" غرض بہت دیر ہوگئی، حیرت تھی کہ نہ چولھے سے ہانڈی اُترتی ہے نہ سامنے کھانا آتا ہے۔ معصوم لڑکیاں برابر رو رہی ہیں اور بڑھیا یہی کہے جاتی ہے "گھبراؤ نہیں ابھی پکا جاتا ہے روؤ نہیں چُپ ہو جاؤ۔ ابھی کھانا دیتی ہوں"۔ آخر حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ فرمایا: "چلو عباسؓ پاس چل کر معلوم کریں کہ بات کیا ہے۔" دونوں خیمے میں گئے۔ حضرت عمرؓ نے بڑھیا کو سلام کیا۔ بڑھیا نے نہایت تہذیب سے جواب دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: خالہ کیا

بات ہے کہ بچیاں دیر سے رو رہی ہیں؟ بڑھیا نے کہا: بھیا بھوک کے مارے رو رہی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "آخر کھانا کیوں نہیں دیتیں"؟ بڑھیا نے کہا: "ہانڈی میں کچھ بھی نہیں، یوں ہی بہلا رہی ہوں اور چاہتی ہوں کسی طرح نیند آجائے اور یہ لڑکیاں سو جائیں"۔ حضرتِ عمرؓ نے ہانڈی کھول کر دیکھا تو کچھ نہ تھا، پانی میں کنکریاں کھول رہی تھیں —— آپ نے حیرت سے پوچھا: "آخر اس سے کیا فائدہ ہے"؟ بڑھیا نے کہا: "بچیاں یہ سمجھیں کہ کچھ پک رہا ہے۔ ذرا ان کو تسلی رہے گی"۔ حضرتِ عمرؓ نے فرمایا: "ایسا کیوں کرتی ہو"؟ بڑھیا نے کہا: "میرا کوئی عزیز وارث نہیں، نہ بھائی ہے نہ باپ، نہ ان بچیوں کا باپ، نہ کوئی اور رشتے دار، غریبی اور محتاجی سے یہ حالت ہو رہی ہے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "پھر امیرالمومنین سے جاکر کیوں نہیں کہتیں وہ تمہارا کچھ وظیفہ مقرر کردیں گے"؟ بڑھیا نے کہا: "خدا عمرؓ کو موت دے اس کے بادشاہی جھنڈے کو غارت و سرنگوں کرے اس نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے"۔ حضرت عمرؓ نے کانپ کر کہا: "عمرؓ اور تم پر ظلم"؟ بڑھیا نے کہا: "ہاں ہاں خدا کی قسم بڑا ظلم کیا ہے، حاکم کا کام ہے کہ رعایا کی خبرگیری کرے اور مجھ ایسی غریب محتاج بچوں والی بیوہ کی مدد کرے اور قومی خزانے سے کچھ مقرر کردے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "خالہ بہتر تو یہ تھا کہ تم خود جاکر عمرؓ کو اپنی حاجت بتاتیں وہ ضرور خیال کرتے"۔ بڑھیا نے کہا: "نہیں خدا کی قسم یہ مجھے ہرگز نہیں چاہیے تھا ایک شریف اور اپنا فرض پہچاننے والا سردار خود اپنی رعایا کی حاجتیں معلوم کرتا ہے اور کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کوئی شریف حاجت مند عورت خود شرم کے مارے جانا پسند نہ کرے اور نہ جاسکے۔ اور یہ بھی کوئی طریقہ ہے، رعایا جا جا کر اپنی حالت بتائے اپنا دکھڑا روئے، خدا نے حاکم کس لیے بنایا ہے اسے خود رعایا کی خبر لینی چاہیے اگر بادشاہ بے پرواہی سے کام لے اور ایسا نہ کرے تو یہ اُس کا ظلم ہے"۔ حضرتِ عمرؓ نے فرمایا: "خالہ سچ کہتی ہو، اچھا گھڑی بھر بچوں کو بہلاؤ میں ابھی آتا ہوں"۔ یہ کہہ کر جھٹ سے باہر آئے، آدھی سے زیادہ رات گذر چکی تھی گتے بھونکنے اور کاٹنے کو دوڑتے تھے، بہ مشکل اُن سے بچ بچا کر حضرت عمرؓ، حضرت عباسؓ سیدھے غلے کے گودام میں پہنچے آپ نے قفل کھولا اور اندر گئے۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو آٹے کی ایک بوری نظر آئی جس میں سوا من آٹا تھا۔ فرمایا عباسؓ اسے میرے کاندھے پر لاد دو، اور یہ گھی کا ...

اُٹھا کر میرے ہاتھ میں دے دو۔ حضرتِ عباسؓ نے ایسا ہی کیا۔ قفل بند کر کے دونوں بڑھیا کے یہاں چلے۔ آدھے راستے میں حضرتِ عباسؓ نے کہا: "اے امیرالمومنین اب مجھ پر لاد دیجیے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "نہیں ہرگز نہیں کیا میرے گناہوں کا بوجھ تم اُٹھا سکو گے۔ پھر فرمایا ظلم زیادہ ہو یا کم مگر اس کا بوجھ لوہے کے پہاڑوں کے بوجھ سے زیادہ ہے۔ کیا یہ کوئی بھول سکتا ہے کہ ایک محتاج بڑھیا کنکریاں پکاتی ہے اور ہمیں خبر نہیں کہ کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ یہ خدا کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ تم میرے ساتھ جلد چلے آؤ تاکہ ہم جلد پہنچ جائیں اور بچیاں رو رو کر سونے نہ پائیں حضرتِ عمرؓ ایسے دوڑے جا رہے تھے کہ بیل کی طرح ہانپنے لگے۔ خدا خدا کر کے بڑھیا کے خیمے میں پہنچے۔ آٹے کی بوری اور گھی اُتارا اور خود ہانڈی سے کنکریاں نکال کر پھینکیں۔ پانی، آٹا، گھی ڈال کر چولھے پر رکھا۔ لکڑیاں گیلی تھیں آگ مشکل سے سُلگی۔ آپ مُنھ سے آگ پھونکتے جاتے تھے اور یہ حال تھا کہ دُھواں آنکھوں میں گھس رہا تھا، داڑھی اور سر کے بالوں سے چھن چھن کر نکل رہا تھا۔ جب تک آگ نہ جلی برابر پھونکتے اور ہانڈی ہاتھ سے چلاتے رہے۔ کھانا تیار ہو گیا اُتار کر نکالا ٹھنڈا کیا اور خود اپنے مبارک ہاتھوں سے بچوں کو کھلایا پلایا۔ بچوں کا جب پیٹ بھرا تو ہنسنے اور کودنے اُچھلنے لگیں۔ اب حضرت عمرؓ نے ضعیفہ سے فرمایا: "خوالہ کل امیرالمومنین کے پاس جانا وہ تمہیں گھر پر ملیں گے اور ضرور تمہارا خیال کریں گے۔ اب آپ کے دل کو چین آیا اور رُخصت ہوئے۔ راستے میں حضرت عباسؓ سے فرمایا: عباسؓ جس وقت مَیں نے بڑھیا کو کنکریاں پکاتے اور جھوٹ موٹ بچوں کو بہلاتے دیکھا ہے تو یہ معلوم ہوا کہ میرے سر پر پہاڑ ٹوٹ کر آ پڑا ہے، اور جب مَیں بچوں کو کھانا کھلا چکا اور خوش دیکھ لیا تب یہ بوجھ میرے سر سے اُترا۔ صبح بڑھیا خلیفۂ رسول اللہؐ حضرتِ عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اُن سے معافی مانگی۔ معذرت کی اور مناسب ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

ہارون منزل، پھلواری شریف
۱۵ر جنوری ۱۹۵۱ء

بزمِ حسنات

کرمی و محترمی جناب مدیر صاحب رسالہ الحسنات۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ
میں نے چھ سات ماہ سے بزمِ حسنات قایم کی ہے اور ہفتے وار اجتماع کرتی ہوں اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ میری ہمشیر صاحب کے دو بچے جو قرآن شریف حفظ کر رہے ہیں، قرآن شریف کا ایک ایک رکوع قرأت سے پڑھتے ہیں، پھر ہمشیر صاحبہ ایک رکوع اور اُس کے معنی تشریح کے ساتھ پڑھتی ہیں۔ یا کبھی بھائی جان اور کبھی والدِ بزرگوار بھی پڑھتے ہیں۔ پھر ہمشیر صاحبہ حدیث شریف پڑھ کر سناتی ہیں۔ اور کبھی موقع ملتا ہے تو خطبات (ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے) پڑھے جاتے ہیں۔ پھر میں رسالۂ الحسنات کی کوئی اصلاحی نظم پڑھتی ہوں، اس کے بعد جلسہ برخاست کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ پھلواری شریف میں ہر سال ربیع الاول کی ۹۔ تاریخ سے ۱۲۔ تاریخ تک میلہ لگتا ہے جس میں دُور دُور سے عورتیں کثرت سے آتی ہیں۔ میں نے غور کیا کہ بزمِ حسنات کا سالانہ جلسہ ہر سال اسی مہینے میں کر دیا جائے تاکہ عورتیں زیادہ تعداد میں شریک ہو سکیں۔ لہذا بزمِ حسنات کا سالانہ جلسہ ربیع الاول کی ۱۲۔ تاریخ منعقد ہوا تھا، اور اللہ کے فضل و کرم سے کامیاب رہا۔ اس جلسے میں میں نے اس کے اغراض و مقاصد بھی بیان کیے تھے، جو حسبِ ذیل ہیں ـــــ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو اسے شائع کر دیں۔ اس کی اشاعت سے دوسری بہنوں کو بھی اطلاع ہو جائے گی۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ غلطیوں کی اصلاح ضرور فرما دیں گے۔

اغراض و مقاصد محترم ماؤں اور بہنوں، بزمِ حسنات قایم کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں اپنی بہنوں کو وہ بھولا ہوا سبق (جس کو میں خود بھولی ہوئی تھی) یاد دلاؤں۔ اور جسے چھوڑ کر آج وہ تباہی کی طرف تیزی سے جا رہی ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ بہنیں خدا کو اور اس کے احکام کو

مطلقاً بھول بیٹھی ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بالکل ہی فراموش کر چکی ہیں۔ لہذا اب تک جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ آپ کو بھی بتاؤں اور وہ یہ ہے کہ وہ خدا کو پہچانیں اس کو سچے دل سے مانیں اور اس کے حکموں پر چلنے کی پوری کوشش کریں۔ بہنیں کہیں یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ تمھیں کیا پڑی ہے کوئی تباہ ہو یا برباد جہنم میں جائے یا دوزخ میں، تم کو تو اپنے عمل سے کام ہے۔ لیکن آپ لوگ یہ بھی سُن لیں کہ قرآن شریف کے اٹھائیسویں پارے سورۂ تحریم کے پہلے رکوع میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَ اَهْلِیْکُمْ نَارًا۔ مسلمانو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اور اس آیۃ کی تشریح رسول اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ، بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَ لَوْ آیَۃ۔ یعنی آپ نے اپنی ہر ایک اُمت کو خطاب کرکے فرمایا ہے کہ تم لوگوں کو ایک آیۃ بھی ہم سے پہنچ جائے یا معلوم ہو جائے تو اس آیۃ اور حکم کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ لہذا ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ جس آدمی کو بھی دین کی کوئی بات معلوم ہو اس کو دوسروں تک پہنچائیں۔ بس یہی مقصد قیام بزمِ حسنات کا ہے میں ایک عرصے سے بزمِ حسنات قایم کرنے کا شوق دل میں رکھتی تھی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اُسے عملی جامہ پہنانے کا موقع آج مل رہا ہے۔

(ناجرہ زرین)

جناب مدیر الحسنات السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آج بزمِ حسنات (نیلور) کی شش ماہی رپورٹ پیش خدمت ہے۔ لیکن میں ابتداءً پہلے اپنی کارروائی کا مختصر سا خاکہ پیش کردینا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ بزم جب اپنے ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی تو بلحاظ شرکاء اور کام بہت ہی حقیر تھی۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ہم برابر آگے بڑھ رہے تھے، کام بفضلِ خدا برابر ہوتا رہا۔ ہفتے وار اجتماعات پابندیٔ وقت کے ساتھ ہر اتوار کے دس بجے سے بارہ بجے تک ہوتے رہے اور شرکاء کی تعداد ۲۰ سے ۲۵ تک رہتی رہی اور حسبِ معمول ہر اجتماع کا افتتاح رسالہ دینیات سے ہوتا، پھر الحسنات، زندگی، فردوس، کوثر، اور منشور سے منتخب کیے ہوئے مضامین پڑھے جاتے تھے۔

شش ماہی اجتماع

[illegible] دسمبر کو میلاد النبی کا جلسہ تھا اور ہمارا شش ماہی اجتماع ۲۴ دسمبر کو ہونے والا تھا۔ اس لیے ہم نے ششماہی اجتماع کو بصورتِ میلاد النبی پیش کیا۔ ایک دو دن پہلے سے اشتہارات لگائے گئے کافی پرچار کیا گیا۔

۲۴ دسمبر کو ۱۰ سے ۱۲ بجے تک خاص اجتماع رہا جس میں شرکاء کی تعداد ۴۰ تک رہی —— ۱۰ دسمبر کو بزم کی طرف سے ایک امتحان رکھا گیا تھا (تاکہ جماعتِ اسلامی کا لٹریچر بغور پڑھا جائے) جس میں کل ۱۵ لڑکوں نے حصّہ لیا۔ صدر الدین صاحب اوّل رہے، قادر شریف صاحب دوئم اور عنایت اسد صاحب تیسرے درجے پر آئے۔ ان کو بطورِ انعام الحسنات کے رسالے پیش کیے گئے۔

خاص اجتماع کے بعد عصر سے مغرب تک عام اجتماع ہوا حاضرین کی تعداد ۶۵، ۷۵ کے قریب تھی۔

صدر محترم نے خطاب عام میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا سبب اور اس بے پایاں رحمت سے مسلمانوں کے محروم ہونے کا سبب اپنے خاص انداز میں بیان فرمایا۔ اس کے بعد معتمدِ بزم نے بزم کی رپوٹ سُنائی۔ پھر جناب دستگیر صاحب نے حاضرین سے خطاب فرما کر ہمارے کام کی ہمّت افزائی فرمائی۔ اور چونکہ اب مغرب کا وقت قریب ہو چلا تھا اس لیے جلسہ برخاست کر دینے سے پیشتر پمفلٹ "سرورِ عالم" حاضرین میں تقسیم کیے گئے اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

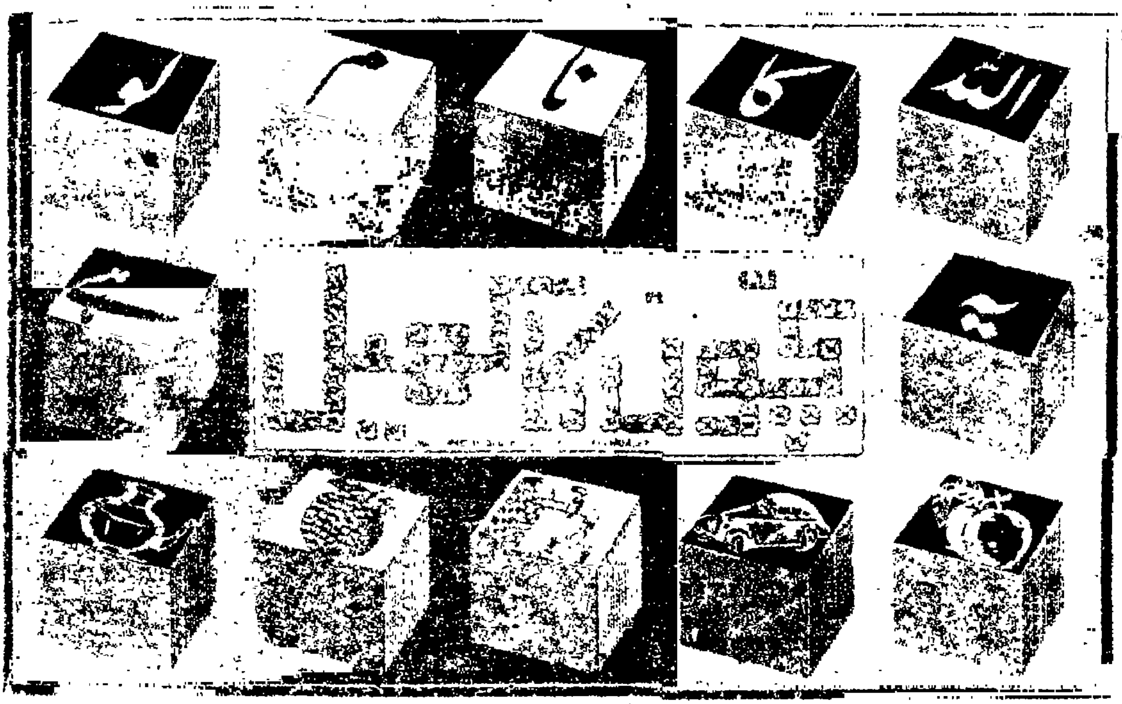
دوسرے حسناتی بھائیوں کی خدمت میں نیلور کے کل حسناتی بھائی سلام عرض کرتے ہیں۔

(خواجہ محی الدین معتمد بزمِ حسنات)

محترمی جناب مدیر صاحب الحسنات زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ —— قبل ازیں خاکسار شنشنیان میں مدرس تھا لیکن آج کل کتب گدھیا شیخ دام پور گونڈہ میں مدرس ہوں کسی قابل تو نہیں ہے لیکن کہہ سکتے ہیں کہ "فکر ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست" دار العلوم کے قیام کے زمانے میں رسالہ "الحسنات" سے آشنا ہوا تھا اُسی وقت سے برابر الحسنات کا مطالعہ ہوتا رہا خدا کے فضل سے روز بروز الحسنات سے دلچسپی بڑھتی گئی۔ بچوں کے پرچے [illegible] کے مطالعہ کے دوران میں [illegible] گئے [illegible] نظام تعلیم کا حق سمجھا گیا۔ دار العلوم کی ملازمت ترک کرکے [illegible] تعلیم کے لیے [illegible] والی ایک تعلیم یافتہ غیر تعلیم یافتہ لڑکوں کی

دوسری لڑکیوں کی۔ ۱۸ر دسمبر ۱۹۵۰ء کو کام شروع کر دیا گیا۔ لڑکوں کی انجمن کا ناظم خاکسار کو بنایا گیا اور لڑکیوں کی انجمن کا ناظم زلیخا خاتون کو ۔۔۔ خدا کا شکر ہے کہ دونوں انجمنوں کے ذریعے نہایت نتیجہ خیز اور دُور رس اثرات رُونما ہو رہے ہیں۔
افتتاح سے اب تک کی رپورٹ حسب ذیل ہے: چونکہ ہفتے میں دو اجتماع لڑکوں اور دو لڑکیوں کے برابر ہوتے ہیں اور تاریخ وار رپورٹ کی فہرست ذرا طویل ہوگی۔ اس لیے مجمل طور سے لکھا جاتا ہے یہ کہ ۱۸۔ ۲۱۔ ۲۵۔ اور ۲۸ر دسمبر کے اجتماعات میں لڑکوں اور مردوں کی مجموعی تعداد ۱۳۸ تھی، اور ۱۹، ۲۲۔ ۲۶۔ ۲۹ر دسمبر کے اجتماعات میں لڑکیوں اور عورتوں کی تعداد مجموعی ۱۰۵ تھی گویا دونوں اجتماعات کی مجموعی تعداد ۲۴۳ ہوئی۔ یعنی ۲۴۳ مسلم افراد نے الحسنات کے مختلف مضامین کو سُنا۔ تعداد میں معتدبہ اضافہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ جنوری کی رپورٹ ۱۔۴۔۷۔۱۱۔۱۴۔۱۸۔۲۱۔ ۲۵۔ ۲۸۔ اور ۳۱ر جنوری ۱۹۵۱ء کے مجموعی اجتماعات میں لڑکوں اور مردوں کی تعداد ۳۲۹ تھی، اور ۲۔۵۔۸۔۱۲۔۱۵۔۱۹۔۲۲۔۲۶۔ ۲۹ر جنوری ۱۹۵۱ء کے اجتماعات میں لڑکیوں اور عورتوں کی تعداد مجموعی ۲۶۰ تھی۔ اجتماع میں مضامین کے سُنانے کا طریقہ یہ رکھا گیا ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے دو خاص منادی کو بھیج کر اطلاع دی جاتی ہے، بعد نمازِ مغرب لوگ ذوق و شوق سے خود بخود حاضر ہو جاتے ہیں۔ صدرِ اجتماع اوّل تفہیم القرآن رسالہ الحسنات سے سُناتے ہیں۔ حاضرین نہایت خاموشی سے سُنتے ہیں۔ اس کے بعد موقع محل دیکھ کر کوئی نہ کوئی مضمون سُناتے ہیں۔ موقع ہوا تو محترم مولانا مودودی صاحب کے خطبات اور تفہیمات سے مختصر اور مفید مضمون منتخب کر کے سُناتے ہیں۔ آخر میں کوئی نتیجہ خیز کہانی یا افسانہ پیش کرتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں دونوں کے اجتماعات کا یہی نقشہ ہے اس کے بعد عشا کی اذان سے پہلے ہی اجتماع دعا پر ختم کر دیا جاتا ہے۔ دونوں انجمنوں کے لیے دو رسالے جاری کیے جا چکے ہیں سب نے خوشی سے نمازوں میں شرکت شروع کر دی ہے۔ عورتوں کے اجتماع کی ذمے دار زلیخا خاتون فہمی ہیں ۱۰ جنوری میں انھوں نے ۲۶۰ عورتوں کو الحسنات سنایا ہے دوسری جماعت کا ذمے دار خاکسار ہے، خاکسار نے ۳۲۹ افراد کو ماہِ مذکور میں الحسنات سنایا ہے گدڑھیا میں بھی کوشش کر کے رسالہ الحسنات جاری کیا گیا ہے۔ دیگر ضروری ہدایات بزم کا منتظر ہوں مکتبہ الحسنات کی کتابیں منگانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر کسی پر دباؤ نہیں بلکہ زیادہ تر ترغیب لگی ہیں۔
خاکسار سے خط و کتابت کا پتہ: دور صدیقی سعیدی صدر بزمِ حسنات۔ مدرس مکتب گدڑھیا اثنی رام پور ضلع گونڈہ۔ یو۔ پی



آپ کے بچوں کے لیے بہترین تعلیمی تحفہ

کتابچے کے بغیر بچوں کو کھیل کھیل میں ان مکعب ٹکڑوں کی مدد سے حروف شناس کرائیے۔ حواس کی تربیت، توجہ کی مشق اور محسوسات میں ترتیب کی عادت پیدا کرنے کے لیے یہ کھیل بہت کامیاب ہے۔

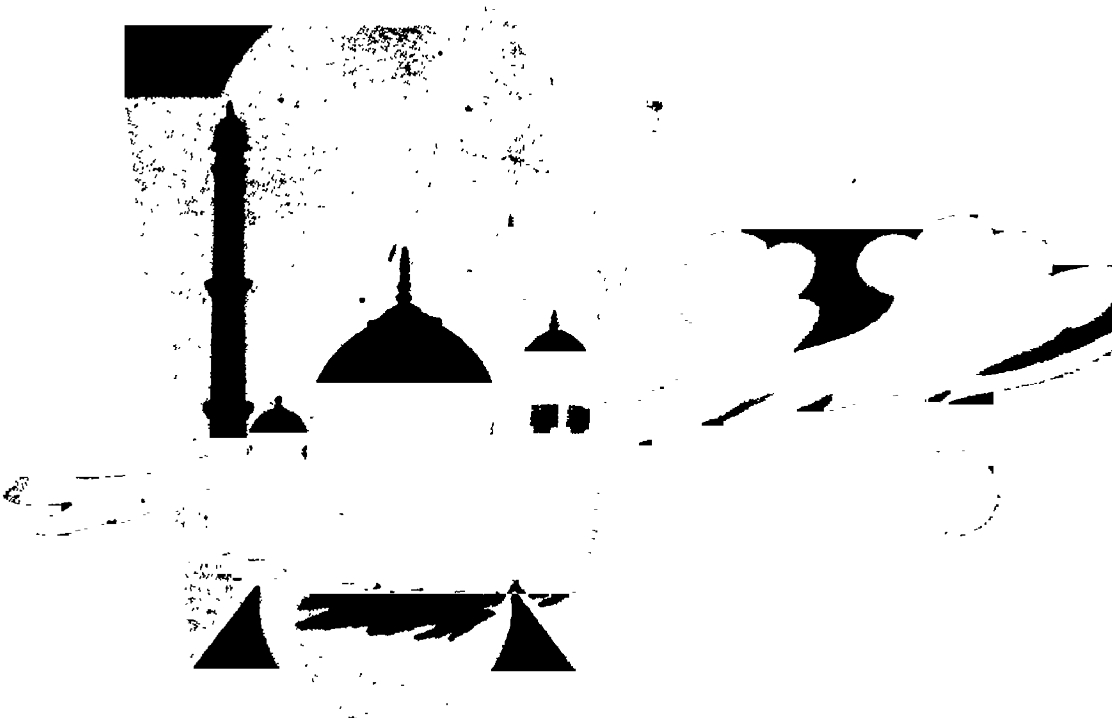
۴۳ حروف ہجا۔ ۲۵ تصاویر۔ ۱۹ اعداد، اور ۲۰ مرکبات پر مشتمل۔ ۱۵ مکعب ٹکڑوں کا یہ ایک دیدہ زیب بکس ہے جس میں ہر ٹکڑا رنگین طباعت کی وجہ سے انتہائی جاذب نظر ہے۔ بچہ اس کھیل کی مدد سے سیکڑوں مرکب الفاظ اور مضمون سادہ جملے بنا سکتا ہے۔ طریقہ استعمال کی تفصیل کے لیے کتابچہ ہمراہ ہے۔

قیمت مکمل سٹ ۔ دو روپیہ علاوہ محصول ڈاک

تین سٹ بیک وقت طلب کرنے پر محصول ڈاک ہمارے ذمے

۵ سٹ یا زیادہ لینے پر ۲۵ فیصدی کمیشن (محصول ڈاک بذمہ خریدار)

الحسنات رام پور







جلد ۹ — نمبر ۹-۱۰

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

الحسنات

رام پور

بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے رسالہ

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لئے

مئی اول و دوم ۱۹۵۱ء

مدیر ابو سلیم محمد عبدالحی

چندہ

سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے آٹھ آنے

چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے

فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رامپور (یو۔پی) سے شائع کیا۔

احساسات

مسلمانوں کی اندرونی اصلاح کے لیے آپ کو کچھ باتیں آپس کے میل جول کو مضبوط کرنے کے سلسلے میں بتائی جا چکی ہیں وہ سلسلہ پچھلے پرچے میں ختم ہو چکا ہے۔ اب ہم اس سلسلے کی دوسری اہم بات آپ کو بتائیں گے۔ یہ ہے مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کو اسلام پر قایم رکھنے کی بات۔

یوں تو ہر قوم کی دلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کی آنے والی نسلیں تہذیب، تمدن، معاشرت اور مذہب وغیرہ کے لحاظ سے صحیح معنیٰ میں اس کی وارث اور جانشین ہوں۔ لیکن ہم جب یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کو اسلام کا صحیح علم بردار دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم یہ بات محض اس خواہش سے مجبور ہو کر ہی نہیں کہتے ہیں بلکہ اس کی اصل وجہ اور ہے۔

ہم نے جہاں تک اپنی عقل کو کام میں لا کر غور کیا ہے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس دُنیا میں انسان کی سچی کامیابی کے لیے زندگی بسر کرنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے اور وہ طریقہ وہ ہے جو اس دُنیا کے مالک نے ہر زمانے میں ہر قوم اور ہر ملک کی بھلائی کے لیے اپنے رسولوں کے ذریعے انسانوں کو بتایا ہے۔ یہ انسان کی بڑی بدنصیبی ہے کہ اس نے ہمیشہ اپنی خواہشات کے چکر میں پھنس کر اس طریقۂ زندگی کو چھوڑا ہے اور اپنی من مانی راہوں پر چل کر اپنی زندگی کو اجیرن بنایا ہے ــــــ لیکن انسان کا وہ مالک جس نے ان کی زندگی کے سامان مہیا کرنے کے لیے سُورج، چاند، ہوا، بادل، بارش، زمین، دریا، پہاڑ غرض یہ کہ ساری کائنات کو کام پر لگا رکھا ہے، نہیں چاہتا کہ انسان زندگی کا سچا راستہ جاننے کے لیے یوں ہی بھٹکتا پھرے، یا اپنی اور اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کی ناقص عقلوں سے کام لے کر اپنے لیے مستقل مصیبت کا سامان تیار کرے ــ اس مالک نے انسان کی اس کمزوری کا ہمیشہ لحاظ رکھا ہے، اور اس نے بار بار اپنے رسول بھیج کر اس بھولے ہوئے سبق کو یاد دلایا ہے۔

سب سے آخر میں دُنیا کے انسانوں کو زندگی کا یہ پیام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دیا گیا۔ دُنیا کے انسانوں کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے

یہ پیام آج بھی اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔ اور اس کی روشنی میں انسانی زندگی کی ساری گتھیاں سُلجھ سکتی ہیں۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ اللہ کے پیام کی یہ روشنی آج صرف مسلمانوں کے پاس ہے۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ آج دُنیا جن مصیبتوں میں پھنسی ہوئی ہے ان سب کا علاج صرف اسلام کے پاس ہے۔ کسی وقت اگر دُنیا میں اللہ کی صحیح ہدایت کو پیش کرنے والے لوگ موجود نہ رہیں تو یہ یقیناً دُنیا کی بڑی بدقسمتی ہوگی۔ خدا نہ کرے کہ ہمارے بعد آنے والے لوگوں کو اس بدقسمتی کا سامنا کرنا پڑے ———— یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے بعد آنے والی نسلوں کو اسلام کا صحیح علم بردار بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک قوم کی، وطن کی بلکہ سارے عالم کی سچی دوستی کا تقاضا یہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہی ٹمٹماتے ہوئے چراغ کسی وقت دُنیا کی راہ نمائی کے لیے روشنی کے منارے ثابت ہوں گے۔ چنانچہ ہم اپنی اور سارے عالم کی بھلائی کی خاطر ان کو ہر قسم کے طوفان اور آندھیوں سے بچانے کی پُوری کوشش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی لیے آئندہ نسلوں کو مسلمان باقی رکھنا ہمارے نزدیک نہ کوئی قومی مسئلہ ہے اور نہ کوئی فرقے داری مسئلہ ہے بلکہ ہم اس کو سارے عالم کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں نے ایک عرصے سے خود اس ہیرے کی قدر پہچاننا چھوڑ دی ہے جو اللہ کے فضل سے ان کے پاس موجود ہے۔ انھوں نے چراغ ہاتھ میں رکھنے کے باوجود دوسروں کے پیچھے اندھیرے راستوں میں ٹھوکریں کھانا شروع کر دی ہیں اور وہ یہ بھول گئے ہیں کہ ان کا کام راہ دکھانا تھا، آنکھیں بند کر کے دوسروں کے پیچھے چلنا نہیں تھا۔ یہ غفلت اور یہ لاپرواہی بہت دنوں سے ان پر سوار ہے۔ اور اس کے نتیجے میں آج ہمارا کام آسان نہیں ہے۔ ہمارے وہ نوعمر جو اب دُنیا میں آنکھیں کھولتے جا رہے ہیں اور جو کچھ دنوں بعد دُنیا کے کاروبار کو خود اپنے ہاتھوں میں سنبھالیں گے یقیناً اسلام کی راہ کو بہت کٹھن راہ پائیں گے۔ ان کے بزرگوں نے اور ان بزرگوں کے بزرگوں نے لاپرواہی سے کام لیا اور کام کو زیادہ سے زیادہ بگاڑا۔ یوں تو ہر زمانے میں اللہ کے نیک بندے پیدا ہوتے رہے ہیں اور ان ہی کا طفیل ہے کہ آج ہم دین کی صحیح راہ پا سکتے ہیں۔ لیکن عام طور پر عام لوگوں نے اسلام کے خلاف راہ اختیار کی

اور نتیجے میں ہم سب اس مقام پر پہنچ گئے جو اب ہمارے اور آپ کے سامنے ہے ــــــ اس بگاڑ کو ٹھیک کرنے کی امید ان نوعمروں سے ہی ہو سکتی ہے جن کے دلوں میں ابتدا سے ہی اللہ کے دین کو سربلند کرنے کی تڑپ پیدا ہو جائے۔ اسی لیے دین کا صحیح علم حاصل کرنا اور اللہ اور اُس کے رسول کی سچی محبت دلوں میں پیدا کرنا ہی ہمارے نوعمروں کے اصل ہتھیار ہیں، جن سے مسلح ہوکر وہ دُنیا کی بڑھتی ہوئی گمراہی کو دُور کرنے کے لیے میدان میں اُتر سکتے ہیں۔

نوعمروں کو اسلام کی راہ پر لگانا اور انھیں دین کا صحیح علم بردار بنانا آج ایک کافی مشکل کام ہے لیکن خود ہماری غلطیوں کی وجہ سے یہ کام آج اتنا کٹھن ہوگیا ہے۔ مثلاً ایک عرصے سے ہم نے اپنے دیہاتی مسلمانوں کو بالکل بھلا دیا ہے۔ ان تک دین کی باتیں پہنچانے کا کوئی مستقل انتظام نہیں ہے۔ نہ ان کی تعلیم کا انتظام ہے کہ وہ خود پڑھ کر دین کو جان لیں اور نہ کوئی ایسا بندوبست ہی موجود ہے جس سے انھیں زبانی تعلیم کی بنیاد پر دین کی باتیں بتائی جاسکیں۔ اگر کچھ لوگ کبھی کبھار اس کام کی ہمت کرتے بھی ہیں تو وہ بیچارے یہ نہیں جانتے کہ اس کام کو کیسے کرنا چاہیے۔ کوئی ایسا اجتماعی انتظام موجود نہیں جو مناسب لوگوں کو مناسب طریقے پر تیار کرکے دیہاتی مسلمانوں کی تعلیم اور اصلاح کے لیے بھیجے۔ اسی غفلت کا نتیجہ ہے کہ آج دیہات میں بسنے والے کروڑوں مسلمان بس نام کے مسلمان ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کی زندگی میں دو ایک باتوں کو چھوڑ کر سب کی سب غیر اسلامی باتیں گھس آئی ہیں۔ خدا نہ کرے اگر اب ان مسلمانوں کی اولادیں اسلام سے بالکل بے بہرہ ہوجائیں تو اس میں کیا تعجب کی بات ہوگی۔؟

ہماری دوسری غلطی یہ ہے کہ ہم نے انگریزوں کی حکومت کے زمانے میں ان خیالات کو اور ان باتوں کو جو یورپ والے اپنے ساتھ لائے تھے بلا سوچے سمجھے قبول کیا۔ ہمارے لکھے پڑھے لوگ ان باتوں پر بھی آنکھیں بند کر کے ایمان لائے جو اسلامی تعلیم کے بالکل خلاف تھیں۔ اسلام ایک فطری دین ہے اور وہ خود ہر اُس بات کو جاننے اور سیکھنے کی تاکید کرتا ہے جس سے انسان فطرت کے چھپے ہوئے بھیدوں کا پتہ چلا سکے۔ نہ اسلام

اس سے روکتا ہے کہ اس کے ماننے والے دوسروں کے علم سے فائدہ نہ اُٹھائیں۔ سائنس کی وہ تمام معلومات، اور علم کے وہ سارے خزانے جو دُنیا نے اس وقت تک حاصل کیے ہیں، یا آئندہ حاصل کرسکتی ہے۔ ان سب کی گنجائش اسلام کے دامن میں موجود ہے۔ اس اعتبار سے مسلمان یورپ والوں سے یا دُنیا کے دوسرے ملکوں کے رہنے والوں سے جو کچھ بھی علم حاصل کرتے وہ ہرگز اسلام کی تعلیم کے خلاف نہ ہوتا۔ خرابی جس بات سے شروع ہوئی وہ کچھ اَور ہے۔

یورپ والوں کے پاس مذہب اور خدا کا جو تصور تھا وہ بہت ناقص تھا۔ انھوں نے اپنے نبیوں کی تعلیمات کو بڑی حد تک گڑ بڑ کردیا تھا۔ ان کے مذہب میں سائنس کی ترقی کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔ ان کے عقیدوں کے اعتبار سے سائنس کی تعلیم بالکل شیطانی کام تھا۔ چنانچہ جب یورپ میں علمی ترقی شروع ہوئی تو مذہبی لوگوں نے اُس کی مخالفت شروع کردی۔ اور بات بات پر مذہب اور خدا کا نام لے کر لوگوں کو سائنس کی ترقی سے روکنا چاہا۔ یہ صورت بڑی مضر تھی۔ اب دو ہی صورتیں ممکن تھیں کہ یا تو لوگ مذہب اور خدا کا لحاظ کرکے سائنس کی تحقیقات اور معلومات سے ہاتھ اُٹھالیں۔ یا پھر مذہب اور خدا سے بغاوت کریں ——— کچھ دنوں تک دونوں گروہوں میں کھینچا تانی ہوتی رہی۔ کچھ لوگ مذہب کے ساتھ چمٹے رہے اور کچھ نے سائنس اور دوسرے نئے علوم کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔

ابتدا میں مذہبی گروہ طاقتور تھا۔ اس نے اُس وقت کے سائنس کے طالب علموں پر اور نئے علوم کی تحقیقات کرنے والوں پر ایسے مظالم توڑے کہ جن کی یاد آج بھی تاریخ میں موجود ہے۔ ان مظالم کا اثر یہ ہوا کہ عام طور پر لوگوں کے دلوں میں مذہب اور خدا کے نام سے نفرت بیٹھ گئی۔ رفتہ رفتہ یہ دوسرا گروہ طاقت پکڑتا گیا اور تقریباً ساٹھ ستر سال کے اندر ہی ایسے لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے جنھوں نے کُھلم کُھلا مذہب اور خدا سے بغاوت شروع کردی اور اپنے سارے علوم کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ جس میں خدا کے تصور اور مذہبی خیالات کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہنے دی۔

ہندوستان میں جب یورپ سے علوم آنا شروع ہوئے تو اُس وقت یورپ والوں نے خدا سے اپنا رشتہ بالکل توڑ لیا تھا اور زیادہ سے زیادہ مذہب اور

خدا کے لیے جو گنجائش انھوں نے رکھی تھی وہ یہ تھی کہ اگر کوئی شخص چاہے تو اپنے ذاتی اور نجی معاملات میں خدا کو مان لے۔لیکن دُنیا کے کاروبار اور انتظام میں خدا کے نام یا مذہب کے تصوّر کو کوئی دخل نہ ہونا چاہیے۔

یورپ والوں کی سیاسی غلامی کے بعد ہندوستانیوں کے دل اور دماغ بھی ان کے غلام ہوچکے تھے۔اور ہمیں افسوس کے ساتھ آپ کو یہ بتانا پڑتا ہے کہ یہ دماغی اور ذہنی غلامی تو آج تک بھی دُور نہیں ہوئی ہے۔اسی ذہنی غلامی کا نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے لکھے پڑھے لوگوں نے یہ سوچنے کی تکلیف ہی نہ اُٹھائی کہ یُورپ نے جس مذہب اور خدا کے جس تصوّر سے بغاوت کی ہے وہ کتنا ناقص تھا۔اور یہ کہ اسلام جو تصوّر پیش کرتا ہے وہ کتنا فطری اور کتنا سچّا ہے۔جو لوگ دین کے علوم کے ماہر تھے وہ یورپ کے نئے خیالات اور نئے علوم سے بالکل بے خبر تھے وہ اگر ان خیالات کی مخالفت بھی کرتے تھے تو ان کی باتیں ان لوگوں کو مطمئن نہ کرسکتی تھیں۔جو یورپ سے آئے ہوئے علوم کو خود جانتے تھے۔نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ایسے لوگوں کے خیالات مذہب کی طرف سے کچھ اَور خراب ہو جاتے تھے۔اور ایسے لوگ جو سائنس اور جدید علوم کے ماہر ہوتے تھے وہ دین کی اصل تعلیمات سے بے خبر ہوتے تھے۔نتیجہ یہ ہوتا تھا۔کہ اگر وہ کسی بات کو مذہب کی روشنی میں سمجھانا بھی چاہتے تھے تو وہ خود بہک جاتے تھے۔اور مذہب کے نام سے ایسی باتیں پیش کردیتے تھے جو مذہب کے خلاف ہوتی تھیں۔

اس کشمکش نے اسلامی تعلیمات کو بہت نقصان پہنچایا اور اس کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ہمارے شہری اور پڑھے لکھے مسلمانوں میں دین کی اصل روح ناپید ہے۔اگرکہیں کچھ رسمی قسم کی دین داری موجود بھی ہے تو وہ دَم توڑ رہی ہے اور لوگ عام طور پر اسلام سے مایوس نظر آتے ہیں چاہے وہ لوگوں کے پاس اور لحاظ سے اس کا اظہار کریں یا نہ کریں۔

جن گھرانوں میں دین اس حال میں پہنچ چکا ہو اُن میں پرورش پانے والے نوعمروں سے یہ اُمید کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ اسلام کا صحیح تصور لے کر اُٹھیں گے اور آئندہ سچّے اور پکے مسلمان ثابت ہوں گے۔پچھلی چار پانچ نسلوں کا تجربہ ہمارے سامنے ہے کہ جو نسل آتی ہے وہ اپنے بڑوں کے مقابلے میں دین کے علم اور اللہ سے

تعلق میں کچھ زیادہ کمزور ہوتی ہے ـــــ ان حالات میں محض اس آرزو سے کام نہیں چل سکتا کہ "کاش ہماری آنے والی نسلیں اسلام کا بول بالا کریں!" آثار تو کچھ ایسے نظر آ رہے ہیں کہ اگر اللہ کے کچھ بندوں نے پوری توجہ سے اس ڈوبتی ہوئی ناؤ کو نہ سنبھالا تو اس ملک میں چاہے مسلمانوں کا نام رہ جائے تو رہ جائے اسلام کا وجود باقی نہ رہے گا۔

اب تیسری غلطی کا حال سنیے۔ پچھلے دنوں میں مسلمانوں نے بہت سی ایسی تحریکیں چلائیں جو اگرچہ اسلام سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھیں بلکہ ان کے پیچھے محض قومی اور سیاسی فائدے ہی تھے لیکن ان سب میں نام اسلام کا ہی لیا گیا۔ ان تحریکوں کے چلانے میں بہت سے طریقے غیر اسلامی اختیار کیے گئے۔ بہت سی باتیں غیر اسلامی کی گئیں۔ غرض کہ اس سیاسی جنگ میں قریب قریب سارے کام اسی طرح کیے گئے جس طرح کوئی دوسری قوم انھیں کرتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چونکہ ان تحریکوں میں نام اسلام کا ہی لیا گیا تھا لہذا وہ سارے کام جو اگرچہ اسلام کی نظر میں غلط تھے، لیکن جن کو ان تحریکوں کے چلانے والوں نے کیا تھا سب کے سب "اسلام" سمجھے گئے۔ اور اس طرح اس قومی اور سیاسی جنگ کے نتیجے میں جو نفرت دوسرے لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں سے پیدا ہوئی تھی وہ نفرت اسلام سے ہوگئی۔

اس قسم کی غلطیاں بہت سی ہیں اور بہت دنوں سے ہوتی چلی آرہی ہیں۔ جس زمانے میں خود مسلمان بادشاہ اس ملک میں سلطنت کرتے تھے اور مسلمان امیروں، جاگیرداروں اور زمینداروں کا اثر سارے ملک پر پھیلا ہوا تھا اس وقت بھی ان میں سے بہت سے لوگوں نے ایسے کام کیے جو اسلام کی تعلیمات کے بالکل خلاف تھے۔ انھوں نے اس ملک کے رہنے والوں کے ساتھ ناانصافی کے برتاؤ کیے۔ ان پر مظالم توڑے اور بہتوں نے اپنی بڑی گھناؤنی سیرت لوگوں کے سامنے پیش کی۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ لوگوں کے دلوں میں جو نفرت ایسے لوگوں کے خلاف ابھری وہ محض ان کی ذات تک محدود نہ رہی بلکہ خود اسلام کے خلاف بھی دلوں میں حقارت اور نفرت پیدا ہوتی چلی گئی۔

وہ تو اللہ جزائے خیر دے ان بزرگ ہستیوں کو جنہوں نے اپنی زندگی سے اس ملک میں اسلام کا صحیح نمونہ پیش کیا اور اللہ کے دین کی اس شمع کو شہنشاہیت، نوابی اور جاگیرداری کے اس طوفان میں بجھنے نہ دیا جو ہمارے بادشاہوں، نوابوں اور امیروں کے دم سے اس ملک میں برابر اٹھا کرتے تھے۔

اب ہمارے سامنے ایک بہت بڑا کام یہی ہے کہ سب سے پہلے اسی ملک کے دوسرے باشندوں کے دلوں سے اس نفرت کو دور کرنا ہے جو غلط کار مسلمانوں کی بجائے خود اسلام سے پیدا ہوگئی ہے۔ جب تک اس طرف سے اطمینان نہ ہو آئندہ نسلوں کے لیے کسی ایسے دین پر قایم رہنا بڑا مشکل کام ہے۔ جس کے خلاف چاروں طرف انھیں نفرت اور حقارت ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔

ان کے علاوہ ہماری اور بھی بہت سی کوتاہیاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ہماری آئندہ نسلوں کو اسلام پر قایم رہنا دشوار ہے ——— لیکن ہماری غلطیوں کے علاوہ بہت سے بیرونی طوفان بھی ایسے موجود ہیں جنھوں نے ہمارے راستے کو اور بھی زیادہ دشوار کر دیا ہے۔

آپ کو پوری تفصیل کے ساتھ الحسنات کے صفحات میں یہ سمجھایا جا چکا ہے کہ اس وقت دنیا میں مال و دولت کی غلط تقسیم کی وجہ سے کیسے کیسے فتنے اٹھ رہے ہیں۔ کچھ لوگ ہیں جو زیادہ دولت مند ہوگئے ہیں۔ اور ان کے اس طرح مال دار ہوجانے کا بڑا سبب کمائی کے وہ غلط طریقے ہیں جو ان لوگوں نے اختیار کرلیے ہیں اور ملک کا بگڑا ہوا نظام ایسا ہے جو ان غلط طریقوں کو روکنے کے بدلے الٹی ان کی پرورش کرتا ہے۔ کیونکہ جن ہاتھوں میں یہ نظام ہے وہ یا تو خود دولت اور سرمائے کے پجاری ہیں یا پھر ان لوگوں کے زیر اثر ہیں جن کے قبضے میں سرمایہ ہے۔

دولت کی اس طرح تقسیم کے نتیجے میں اشتراکی انقلاب زور شور سے اٹھ رہا ہے۔ اشتراکیت کیا ہے یہ آپ کو پہلے بتایا جا چکا ہے۔ یہاں آپ کو یہ بتانا ہے کہ اس انقلاب کے نتیجے میں اسلام کو کیا خطرہ درپیش ہے۔ جیسا کہ آپ کو یاد ہوگا اشتراکی تحریک کی بنیاد ہی خدا سے انکار پر ہے۔ اشتراکیت کے نام لیوا غلطی سے مذہب کو سرمایہ داروں کا

مانی جاتی ہیں اور اس لیے وہ مذہب کو اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ جان کر سب سے پہلے اس کی بنیادوں کو اکھاڑ کر پھینکنا چاہتے ہیں۔

یہاں بھی ہمیں اپنی ایک اور غلطی کو ماننا پڑے گا۔ اگر ہم نے اسلام کا صحیح نقشہ کہیں پیش کیا ہوتا تو دُنیا دیکھ لیتی کہ چاہے دوسرے مذہب اس قسم کی غلط سرمایہ داری کے حامی ہوں یا نہ ہوں جو آج انسانیت کے لیے مصیبت بنی ہوئی ہے لیکن کم سے کم اسلام کے نظام میں آج کل کی سرمایہ داری کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

بہر حال جو صورت بھی ہو، آج خدا سے انکار اور مذہب سے بغاوت کا طوفان اشتراکیت یا کمیونزم کی شکل میں پوری تیزی سے اُٹھ رہا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ آنے والے چند برسوں میں ہمیں کس قسم کے انقلاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اس طوفان کے ہوتے ہوئے ہماری آئندہ نسلیں اسلام کی نام لیوا ہی نہیں بلکہ دین کی علم بردار بن جائیں، یہ کوئی آسان حوصلہ نہیں ہے۔ اس کے لیے ہر قسم کی بازی لگا دینے کے بعد ہم ہی اللہ کے فضل سے یہ اُمید کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے کامیابی کی کوئی راہ محض اپنے کرم سے پیدا فرمائے گا۔ بہر حال نتیجہ اللہ کو سپرد کرتے ہوئے ہمیں جو کچھ کرنا ہے پوری کوشش سے کرنا پڑے گا۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اسلامی تعلیمات کا بہت بڑا ذخیرہ اس وقت اُردو زبان میں موجود ہے۔ پچھلے ساٹھ ستر سال میں اسی زبان میں بہت بڑا کام ہوا ہے دوسرے علوم کے علاوہ دینی علوم اور مذہبی معلومات کے بارے میں ہر قسم کی مکمل کتابیں اسی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آنے والی نسلوں کو اپنے بزرگوں کی تہذیب [illegible] تہذیب و خیالات کا بہت بڑا سرمایہ اُن کتابوں کی مدد سے ہی ملتا ہے [illegible] آنے والوں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔

اب [illegible] زبان ہندی بنادی گئی ہے۔ اسکولوں میں تعلیم کی زبان ہندی ہوگی۔ [illegible] اس فیصلے کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ ہماری آنے والی نسلوں کا تعلق [illegible] ٹوٹتا چلا جائے گا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ مذہبی خیالات، دین کے علم [illegible] جو سرمایہ ہم چھوڑ کر جائیں گے اس سے آنے والی

نسلیں بہت ہی کم فائدہ اُٹھا سکیں گی۔

تعلیم کی زبان ہندی ہوجانا یقیناً ہمارے لیے ذہنی اعتبار سے کافی نقصان کا باعث ہے۔ لیکن اس میں بھی ایک طرح ہماری کوتاہی کو ہی دخل ہے۔ اگر ہم نے مُلک کے آنے والے انقلابات کا اندازہ کرلیا ہوتا یا پھر ہمیں اس کی فکر ہوتی ہوتی کہ اللہ کا دین صرف اُردو جاننے والوں کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ سب کو اس سے خبردار کرنا ہمارا دینی فرض ہے تو ہم نے جہاں اُردو میں اپنا تعلیمات کو عام کیا تھا اسی طرح اس ملک کی دوسری زبانوں میں بھی دین کے سرمائے کو منتقل کردیا ہوتا۔ اور آج ہمیں یہ افسوس نہ ہوتا کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لیے کیا چھوڑے جا رہے ہیں۔

آئندہ نسلوں کو دین کا علم بردار بنانے کے لیے اور اس مُلک میں اللہ کے کلمے کو باقی رکھنے اور بلند کرنے کے لیے مُلک کی تمام دوسری زبانوں میں اور خصوصیت کے ساتھ ہندی میں اسلامی لٹریچر کو منتقل کرنا بہت ہی اہم کام ہے۔

جن مشکلات کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان کے مقابلے میں ہمارے سامنے سب سے بڑی مشکل ایک اور بھی ہے۔ آج کل اسکولوں کی تعلیم صرف یہی نہیں کہ دین سے بے تعلق ہے اور اس میں ہمارے مذہب کی تعلیمات کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ بلکہ اس میں سیکڑوں باتیں ایسی پڑھائی جا رہی ہیں جو دین کے بنیادی تصورات کے خلاف ہیں۔ مسلمان بچوں کے سامنے ان کے بزرگوں کی زندگی کے ایسے غلط واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن سے ان کی نظر میں ان بزرگوں کی عظمت کم ہوجائے ایسے عقائد بار بار سامنے لائے جاتے ہیں جو اسلام میں کفر اور شرک کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی محبت ان کے دلوں میں بٹھائی جاتی ہے جو اللہ کے باغی اور اُس کی ہدایت سے بے نیاز تھے۔

یہ ہیں وہ حالات جو آج ہمارے ملک میں ہمارے سامنے موجود ہیں اور پوری شدت کے ساتھ ہم کو مجبور کر رہے ہیں کہ ہم زندگی کے مختلف میدانوں میں عمل کا

ئی نہ کوئی حل سوچ نکالیں۔

مسلمانوں میں بہت سے سوچنے والے اس بات کو سوچ رہے ہیں اور اپنی سمجھ کے اعتبار سے اس کے لیے حل بھی پیش کر رہے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ اب بھی اس گئی گزری حالت میں بہت سے مسلمانوں کے سوچنے کا ڈھنگ ٹھیک نہیں ہے۔ اور کم ہی لوگ ایسے ہیں جو اس بات کو ٹھیک ٹھیک طریقے پر سوچ رہے ہیں اور اس کا کوئی صحیح حل پیش کر رہے ہوں۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس مسئلے کو فرقہ پرستی کی آنکھ سے دیکھتے اور سوچتے ہیں کچھ لوگوں پر ابھی تک قومیت کا بھوت سوار ہے اور وہ اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں اور کچھ بیچارے حالات سے ایسے سہمے ہوئے ہیں کہ وہ خطرے سے بچنے کے لیے کانوں کو جانے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

آئندہ نمبر میں ہم انشاء اللہ سب سے پہلے دوسرے لوگوں کے پیش کیے ہوئے حلوں کو آپ کے سامنے رکھیں گے اور اُن پر غور کرنے کے بعد پھر انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ وہ حل آپ کو سمجھائیں گے جو ہماری نظر میں مُفید ہے۔

خدا کرے آپ پوری توجہ اور پورے دھیان کے ساتھ ان باتوں کو سمجھتے رہیں اور کوشش کرتے رہیں کہ اگر خود کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اپنے بڑوں سے حل کرلیں ______ کیا بتائیں آج ہم سب کے سب ایسے حال میں پھنس چکے ہیں کہ ہمارے لیے ہلکی پھلکی کھیل کود کی باتوں کے لیے بہت ہی کم وقت رہ گیا ہے۔ جنگ کے زمانے میں آپ نے سُنا ہوگا کہ "بچہ پلٹن" کے نام سے نوعمروں کو بھی بھرتی کرلیا جاتا ہے۔ آج ہم جانتے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ نازک وقت میں ہم اور آپ پھنس چکے ہیں اور ہمیں اللہ کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ "ختاق جزادری کی بچہ پلٹن" اپنے وقت پر صحیح معنوں میں اپنے ذہن اور اپنے ایمان کے اعتبار سے اللہ کے سپاہیوں کی پلٹن ثابت ہوگی اس کے دم سے دُنیا کو وہ روشنی ملے گی جو اللہ کی محبت سے پھوٹتی ہے۔

اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ سورۂ ہود کی تفصیل اور تشریح جو ہم نے نمبر اول [illegible] کے الحسنات میں شروع کی تھی تھوڑی تھوڑی کرکے اس رسالے میں ختم ہوئی ہے۔ ہم نے اپنے مقدور بھر پوری کوشش کی ہے کہ جہاں تک ہمارے علم کا تعلق ہے ہم اس کے مفہوم اور مطالب کو آسان سے آسان طریقے سے اس طرح بیان کردیں کہ معمولی لکھے پڑھے لوگ خواتین اور نوعمر اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اللہ کے کلام سے جو جو نعمتیں ملتی ہیں اور انسان کو اپنی زندگی کے لیے اس سے جو جو روشنی حاصل ہوسکتی ہے اس سب کا پورا پورا بیان کردینا نہ تو ہمارے بس کی بات تھی اور نہ اس کا ارادہ ہی تھا۔ بلکہ خدائی ہدایت کے اس چمن سے ہم اپنی حد تک جو پھول چن سکے ہم نے کوشش کی کہ ان کی خوشبو کو ہم جہاں تک ممکن ہو دوسروں کو بھی پہنچا دیں ـــــــ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے زندگی کی اس مہلت میں اس کام کے کرنے کا موقعہ عنایت فرمایا۔ ہماری پرخلوص دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔ اور ہماری کوتاہیوں اور غلطیوں سے درگذر فرماتے ہوئے اسے ہمارے لیے خیر کا سبب بنائے۔

اللہ نے چاہا تو اگلے رسالے سے کسی دوسری سورت کی تشریح اسی طرح مسلسل شائع کی جائے گی۔

ڈاک خانے کا انتظام آج کل جس قدر بگڑ چکا ہے اس کو دیکھ کر پتہ چل سکتا ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد ہم نے اپنے انتظام کی کس قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ موجودہ نظم کی کونسی چول ڈھیلی ہے۔ اور جب تک وہی ٹھیک نہ ہوجائے اس بدنظمی کا رونا رونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہم اس کے قائل نہیں ہیں کہ کوڑھی کے اصل مرض کا علاج کرنے کے بدلے اس کے کسی ایک زخم کی مرہم پٹی کرنے لگیں۔ لیکن کیا کریں کہ ہم اپنے ان حسناتی بھائیوں اور بہنوں کی خاطر اس روگ کا تذکرہ کرنے پر مجبور ہیں جو رسالہ نہ ملنے کے سبب، آرڈروں کی بروقت تعمیل نہ ہونے کے باعث اور ان کے خطوط کا جواب نہ ملنے کی وجہ سے ہم سے بے حد ناراض اور ہمارے بے اعتنائی کا گلہ کرتے ہیں۔ جہاں تک ہماری کوشش کا تعلق ہے ہم پوری توجہ کے ساتھ تمام خریداران کو بروقت رسالہ روانہ کرتے ہیں اور اس پر بھی جو لوگ رسالہ نہ ملنے کی شکایت

کرتے ہیں ان کو دوبارہ رسالہ بھیج کر ان کی شکایت دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جب اس کے بعد بھی ہم کسی کو مطمئن نہیں کر پاتے تو سوائے اس کے کہ اپنی معذوری اور اپنے افسوس کو اپنے مالک کے حضور رکھ کر اس سے اصلاحِ حال کی دعا کریں اور کیا کرسکتے ہیں۔

ایک صاحب بڑی ناراضی اور سخت برہمی کے ساتھ ہمیں خطاب کرتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے ان کے آرڈر کے بموجب اب تک کتابیں کیوں نہ بھیجیں۔ اب بھلا سوچیے کہ جب ہم کتابوں کو چھاپنے کے بعد اسی تمنا میں ہر ڈاک کو دیکھتے ہوں کہ ہمیں کتنے آرڈر ملتے ہیں تو ہم یہ کیسے کرسکتے ہیں کہ کسی کا آرڈر آئے اور ہم اُسے یوں ہی اِدھر اُدھر کردیں۔ ہم مجبور ہوکر ان سے دوبارہ آرڈر بھیجنے کی درخواست کرتے ہیں اور اسی طرح صرف ڈاک خانے کی معمولی غفلت سے، انھیں شکایت ہمیں تکلیف، اور دونوں کو ڈاک کے بے جا مصارف برداشت کرنا پڑتے ہیں۔

ایک صاحب کتابیں نہ ملنے کی بڑی زوردار شکایت لکھ کر بھیجتے ہیں، اور جب ہم اپنے رجسٹر کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کتابوں کا وی پی انکاری واپس آیا ہوا رکھا ہے۔ اب بتائیے کہ اگر ڈاک خانے والے اپنے فرض کو نہ پہچانیں اور مکتوب الیہ تک پارسل پہنچانے کی پریشانی سے بچنے کے لیے صرف ایک جملہ "انکاری ہے واپس ہو" لکھنے کی ہی زحمت گوارا کرنے پر راضی ہوجائیں تو ہم کس طرح اپنے خریداروں کو خوش رکھیں۔

گنگاپور ضلع اورنگ آباد سے ہمارے ایک نادیدہ مہربان نے بڑی توقعات کے ساتھ ہمیں ایک خط لکھا، خط مل گیا۔ جواب دے دیا گیا، وہ بھی مل گیا۔ یہاں تک تو خیریت رہی۔ اب اس جواب کے جواب میں اُنھوں نے جو کچھ لکھا وہ اسی غفلت کا شکار ہوگیا۔ جس کی کہانی آج مجبوراً ہم آپ کو سُنا رہے ہیں۔ اس خط کا مضمون کچھ ایسا تھا کہ ہمارے ان دوست کو یہ بدگمانی کرنے کی گنجائش نکل آئی کہ شاید ہم نے جان بوجھ کر جواب نہیں دیا ہے۔ ان کا ناراض ہونا یقینی تھا، چنانچہ وہ خوب بگڑے۔ ہم نے پھر اس کا جواب لکھا اور خدا کا شکر ہے کہ وہ انھیں مل گیا اور انھوں نے پہلے خط کی نقل رجسٹری کرکے بھیجی۔ اور ہمارے اوپر اعتبار نہ کرتے ہوئے بھیجا ہوا رسید طلب رجسٹری کا خط مل گیا۔ جواب دیدیا گیا۔ لیکن اب کی مرتبہ یہ جواب غائب ہوگیا۔

اس کے بعد ہمارے دوست کو جو غصہ آنا چاہیے تھا وہ ظاہر ہے، خوب خوب بگڑے ہیں کھری کھری سُنائیں۔ لیکن ہم کیا کرتے مجبوراً اب تک خاموش ہیں۔ معلوم نہیں وہ بھی خاموش ہوگئے ہیں، یا اُن کے غصّے کو ہم تک نہ پہنچانے میں ڈاک خانے والے ہمارے اوپر مہربانی کر رہے ہیں۔

یہ روز کا غم ہے کہاں تک آپ کو سُنائیں۔ بہت ہی مجبوری کی حالت میں ہم نے الحسنات کی ان سطروں کو اس غرض کے لیے صرف کیا ہے کہ براہِ کرم جہاں تک گنجائش ہو حسنِ ظن سے کام لیں۔ ہم بہرحال اپنے معذور سمجھ کر آپ کی شکایتوں کو دُور کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

ڈاک خانے کی شکایات سُننے کے بعد یہ بھی سُن لیجیے کہ ہمیں کچھ شکایات آپ سے بھی ہیں، خط وکتابت کرتے وقت کچھ صاحبان اپنا خریداری نمبر اب تک نہیں لکھتے۔ یاد رکھیے کہ اگر آپ اپنا خریداری نمبر نہیں لکھیں گے تو ہم تعمیل سے بالکل معذور رہیں گے، اور اس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ کو غلط پتے پر رسالہ جاتا رہے اور آپ برابر شکایت لکھتے رہیں۔ پتہ تبدیل کراتے وقت، روپیہ بھیجتے وقت، پرچہ نہ ملنے کی شکایت لکھتے وقت۔ غرض یہ کہ ہر موقعہ پر آپ اپنا نمبر خریداری مع مکمل پتہ ضرور لکھیں۔ الحسنات کے اور آپ کے درمیان یہ بڑا بُنیادی تعلق ہے اگر آپ اس کا لحاظ نہ رکھیں گے تو تعلقات کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

آپ کو مختلف اخبارات کے اعلانات سے تو معلوم ہو ہی چکا ہوگا کہ اس مرتبہ رام پور میں جماعت اسلامی ہند کا ایک کل ہند اجتماع ۲۰ - ۲۱ - اور ۲۲ اپریل سنہ کو ہو رہا ہے۔ مئی اول اور مئی دوم کے رسائل کی تیاری ہمیں جس زمانے میں کرنا پڑتی وہ زمانہ اجتماع کی انتہائی مصروفیات کا زمانہ تھا۔ اس لیے ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ مئی اوّل اور مئی دوم کا رسالہ یکجائی شائع کردیں تاکہ آپ کو ایک رسالہ وقت سے پہلے ہی مل جائے اور الحسنات کے سلسلے میں کام کرنے والے لوگ اجتماع میں کسی قدر یک سوئی کے ساتھ شامل ہوسکیں۔ اسی لیے یہ نمبر دو نمبروں کا قایم مقام شائع کیا جا رہا ہے۔ اب اس کے بعد جون اوّل کا رسالہ آپ کی خدمت میں انشاء اللہ تعالیٰ وقت پر پہنچے گا +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ
وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○
وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ
وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ
وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

(سورۂ ہود۔ رکوع ۱۰)

اور اے محمدؐ! یہ پیغمبروں کے قصے جو ہم تمھیں سناتے ہیں، یہ وہ خبریں ہیں جن کے ذریعے سے ہم تمھارے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔ ان کے اندر تم کو حقیقت کا علم ملا اور ایمان لانے والوں کو نصیحت اور بیداری نصیب ہوئی۔ رہے وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے تو اُن سے کہہ دو کہ تم اپنے طریقے پر کام کرتے رہو اور ہم اپنے طریقے پر کیے جاتے ہیں، انجام کار کا تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ چھپا ہوا ہے سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور سارا معاملہ اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ پس اے نبیؐ، تو اس کی بندگی کر اور اُسی پر بھروسہ رکھ، جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو تیرا رب اُس سے بے خبر نہیں ہے۔

(تفہیم القرآن)

تشریح

ا۔ سورۂ ہود میں آپ مختلف انبیا علیہم السلام کے قصّے پڑھ چکے ہیں۔ اب سورۃ ختم ہو رہی ہے اور اب ایک بار پھر یہ بتایا جا رہا ہے کہ پچھلے واقعات اور حالات کو کس لیے بیان کیا گیا ہے۔ جب تک قرآنِ پاک کے بیان کیے ہوئے قصّوں کے پڑھتے وقت یہ باتیں سامنے نہ رہیں اُس وقت تک ان سے پورا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ اہم باتیں یہ ہیں:

ا۔ ہم سے پہلے جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرنے والے اور اسلام کی راہ پر چلنے والے ہو گزرے ہیں ان کے بارے میں اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ انھوں نے سخت حالات میں کس طرح صبر اور ضبط سے کام لیا، اللہ کی راہ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے میں کیسے کیسے خطرات مول لیے، اور کس طرح اپنا سب کچھ قربان کر کے اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تو ان حالات کے جاننے کے بعد ہماری بھی ہمت بڑھتی ہے اور مشکل حالات میں یہ واقعات ہماری تسکین کا باعث ہوتے ہیں۔ ان حالات کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے اور ان قصّوں کو پڑھتے وقت ان سے اپنی راہ کے لیے مناسب روشنی حاصل کرنا چاہیے۔

ب۔ ان حالات کو پڑھنے سے ہی ہمیں حق اور باطل کے پہچاننے میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ پچھلے لوگوں کی زندگی کے حالات ہمیں یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کون سے کام تھے جن کو کرنے سے انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔ اور وہ کام کیا تھے جن کے نتیجے میں انھیں بربادی اور ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا۔ نتیجوں کی تفصیل اور تشریح سامنے آنے کے بعد ہر عقل مند آدمی کے لیے حق اور باطل میں تمیز کرنا آسان ہے۔

ج۔ ان حالات میں ہمارے لیے عبرت اور نصیحت کا بھی بڑا سامان موجود ہے۔ جو کوئی آنکھ کھول کر ان حالات پر نظر ڈالے گا اسے [illegible]

کے لیے سیکڑوں نصیحتیں مل جائیں گی اور غرور، سرکشی اور نادانی کے نتائج کھل کر اس کے سامنے آجائیں گے۔ ان نتائج کو دیکھ کر کوئی اگر چاہے تو اپنی زندگی کی راہ کے لیے بہترین عبرت اور سبق حاصل کرسکتا ہے۔

۷۔ جو لوگ اپنے رب کو پہچانتے ہیں اور جنھیں اُس کے بھیجے ہوئے رسولوں اور اُن کی لائی ہوئی کتابوں پر ایمان ہے اُن کے لیے ان قصّوں میں بڑی یاد دہانی ہے وہ جب ان واقعات کو پڑھتے ہیں تو ان کی غفلت دُور ہوجاتی ہے اور اگر وہ کسی بات کو بھولنے لگے تھے تو وہ انھیں یاد آجاتی ہے اور وہ پھر چوکنے ہوجاتے ہیں۔

۲۔ اللہ کے کلمے کو بلند کرنے والے اور اُس کے بندوں کو اُس کی راہ کی طرف بلانے والے لوگوں کا حال اور دوسرے لوگوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ اس راہ پر جمے رہتے ہیں جس کے بارے میں انھیں ظاہری کامیابی کے امکان نظر آرہے ہوں اور اگر کسی موقعے پر انھیں ناکامی نظر آنے لگے تو ان کے پاؤں اُکھڑنے لگتے ہیں ــــــ مومنین کا حال اس سے بالکل علٰحدہ ہوتا ہے۔ کامیابی اور ناکامیابی کے بارے میں انھیں پورا ایمان ہوتا ہے کہ در اصل کامیابی ان کا ہی حصّہ ہے۔ وہ حق کو قبول کرلینا ہی سب سے بڑی کامیابی جانتے ہیں۔ اگر حق دُنیا میں غالب ہوتا نظر آنے تب بھی اور اگر باطل کے فوری ہٹ جانے کے آثار سامنے نہ ہوں تب بھی وہ ہرحال کم از کم اپنی کامیابی کی طرف سے بالکل مطمئن ہوتے ہیں۔

اگر بہت سے لوگ حق کو قبول کرکے اہل حق کی جماعت کو بڑھادیں تو وہ اسے جماعت یا حق کی کامیابی سمجھنے کی بجائے خود ان لوگوں کی کامیابی سمجھتے ہیں جنھوں نے حق کو قبول کیا۔ اور اگر لوگ کثرت کے ساتھ باطل کا ساتھ دینے لگیں اور حق کی مخالفت ہی کرتے رہیں تو وہ اُسے حق کی شکست نہیں سمجھتے بلکہ وہ جانتے ہیں کہ اس طرح حق کو ٹھکرا دینے والوں نے خود اپنی ترقی کا راستہ بند کیا ہے اور وہ خود سب سے بڑا ناکام ہیں۔

یہی وہ یقین ہے جو انھیں نرم اور گرم ہر حال میں حق کی راہ پر قائم اور مطمئن رکھتا ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کی کثرت سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے اور ان ہمت بھی اس طرح جواب نہیں دیتی جس طرح مخالفین کی کثرت سے دوسرے کام کرنے والا

حال ہوتا ہے۔ وہ ہر حال میں یہی سمجھتے اور یہی کہتے ہیں کہ نتیجے کے اعتبار سے کامیابی حق کو ہی مل کر رہے گی۔ صرف وقت آنے کی دیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے مطابق جب تک مناسب ہوگا اُس وقت تک باطل کے علم برداروں کو مہلت تو مل سکتی ہے۔ لیکن کامیابی اور سرفرازی سرے سے ان کا حق ہی نہیں ہے۔ جب ان کے مخالفین اپنی وقتی کثرت اور وقتی طاقت کے بَل پر بغلیں بجایا کرتے ہیں تو وہ صرف یہی کہتے ہیں کہ "ابھی انتظار کرو، اور جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو۔ ہم بھی انتظار کر رہے ہیں، بہت جلد دیکھ لوگے کہ نتیجے کے اعتبار سے کون کامیاب ہوتا ہے"۔

پچھلے انبیا علیہم السلام کے واقعات سے بار بار یہی حقیقت سامنے آتی رہی ہے۔ انتہائی نامناسب حالات میں گھِر جانے کے باوجود بھی مومنین کے عام رویے میں حسب ذیل باتیں بالکل واضح طور پر صاف نظر آتی ہیں:

ا۔ اپنے ایمان اور یقین کا بار بار اظہار اور اپنے فیصلے کا اعلان،

ب۔ نتائج کی طرف سے پورا اطمینان اور بلا کسی شک اور شبہ کے اپنی کامیابی کا پختہ یقین،

ج۔ اپنے مخالفوں کو بلا جھجک ان نتیجوں سے باخبر کرتے رہنا، جن سے دوچار ہونا ان کے لیے یقینی تھا۔

۳۔ کل کیا ہوگا، اس کا حال سوائے اللہ کے نہ کسی کو معلوم ہے، اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس یقین کے بعد مومن کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ کل کے اندیشوں سے اپنی جان گھُلاتا رہے، اور خواہ مخواہ یہ سمجھ لے کہ حق کو بلند کرنے کی خاطر وہ جو کام اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اُس کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے کرے گا وہ اس کے لیے مصیبت اور تکلیف کا ہی باعث ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہی کرسکتا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی عقل سے کام لے اور وقت کے تقاضے کے اعتبار سے جو کرنے کا کام ہو وہ کرتا رہے۔ بلا وجہ اندیشوں میں جان کھپانا اس کا کام نہیں ہے۔

۴۔ مومن کا یہ یقین کہ آخرکار ہر کام اللہ کی طرف ہی رجوع ہوگا اس کی قوّت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے اسے پورا پورا اطمینان ہوتا ہے کہ اگر

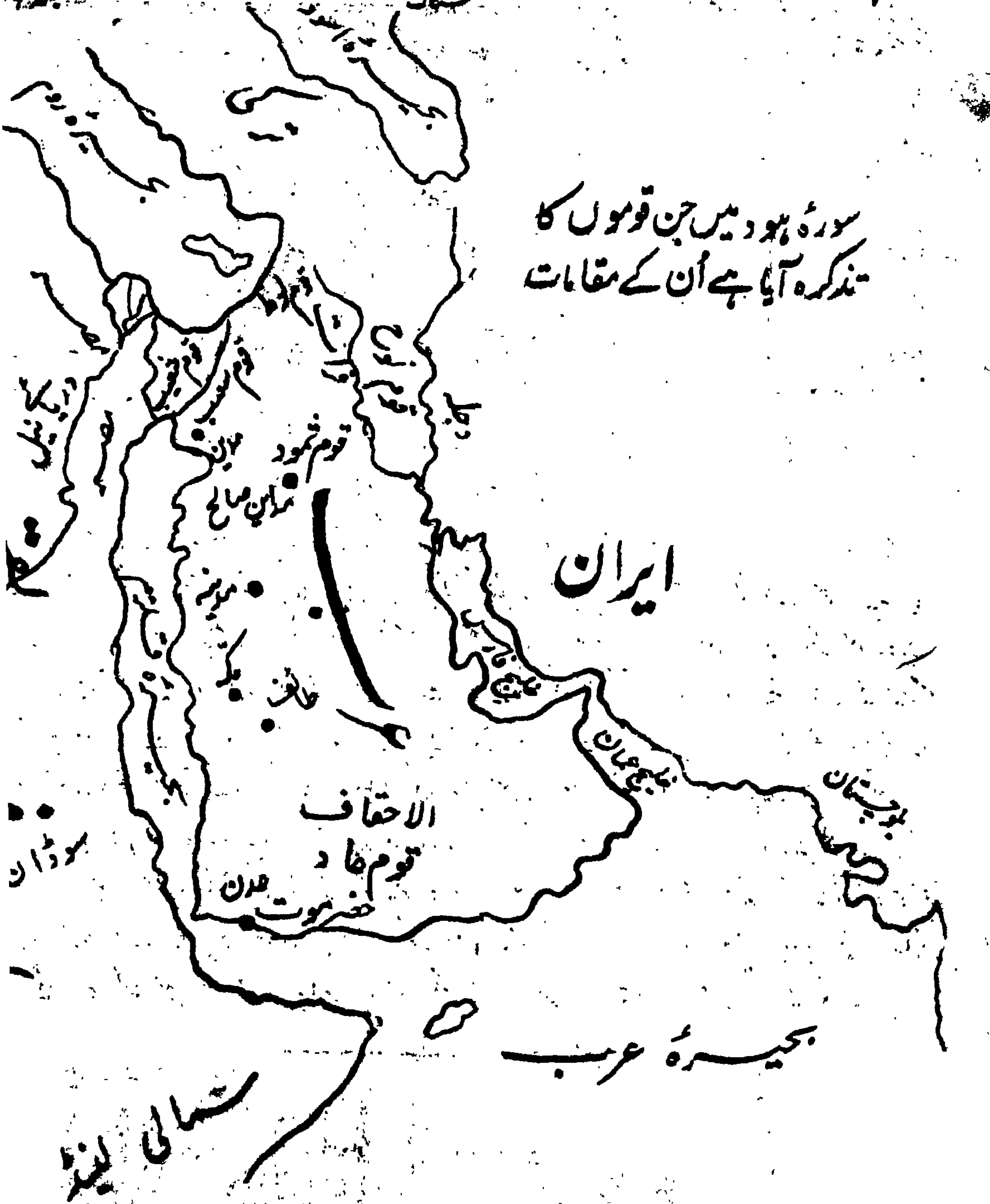
اللہ کی مشیت کے بموجب اس کی کوششوں کے بعد بھی اس کی زندگی میں وہ نتائج نہ نکل سکے جو نکلنا چاہیے تھے تو اسے کیا غم۔ حالات کو بدل دینے کی ذمے داری تو اللہ کے رسولوں پر بھی نہیں رہی ہے۔ مومن کا کام تو بس خود اللہ کی مرضی پر چلنا اور اپنے مقدور بھر دوسروں کو اس راہ کی طرف بلانا ہے۔

۵۔ مومن اگر اپنی زندگی میں اللہ کے احکام کی تابعداری کرے اور اس کی بندگی میں پورا اتر جائے تو یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اسے اپنے مالک پر پورا بھروسہ کرنا چاہیے اور اپنے کو سچ مچ مکمل طور پر اس کے حوالے کر دینا چاہیے۔

اللہ کی بندگی مکمل اطاعت کے ساتھ' اور اس پر بھروسہ پورے اطمینان کے ساتھ' بس یہی مومن کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

۶۔ کسی اندھے بہرے اقتدار کی چاکری میں تو یہ غم ہو سکتا ہے کہ معلوم نہیں غلام کی جاں فروشی اور وفاداری کا ٹھیک ٹھیک پتہ اس اقتدار کو چلتا بھی ہے یا نہیں۔ اور اس بیچارے کی محنت ٹھکانے بھی لگتی ہے یا نہیں۔ لیکن اس مالک کائنات کی غلامی کرنے والوں کو تو اس بات کا کوئی کھٹکا نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کا آقا تو سب سے زیادہ دانا اور بینا ہے' وہ سب کچھ جانتا ہے' سب کچھ دیکھتا ہے' اور سب کچھ سنتا ہے۔ اپنے بندوں کی ہر کوشش اس کے علم میں ہے۔ وہ ان کی سب باتوں کو جانتا ہے۔ انتہا یہ کہ وہ ان کے دلوں کے ارادوں سے بھی باخبر ہے۔

پھر ایسے آقا کی غلامی کرنے والوں کو کس بات کا غم ہو سکتا ہے۔ وہ جو کچھ کریں گے اس کا بدلہ ضرور پائیں گے۔ اُن کے یہاں نہ کسی کی ذرہ برابر نیکی ضائع ہوگی اور نہ کسی کی ذرہ برابر بدی اس کی نظروں سے اوجھل رہے گی ✦


سورۂ ہود میں جن قوموں کا
تذکرہ آیا ہے اُن کے مقامات
ایران
قوم ثمود
مدائن صالح
مدین
مدینہ
مکہ
طائف
الاحقاف
قوم عاد
عدن
حضرموت
خلیج عمان
بلوچستان
بحیرۂ عرب
سومالی لینڈ
سوڈان

قولِ فصل

آسمان کو دیکھو![1]

—— وہ آسماں —— جہاں سے

بارش برستی ہے۔

زمین کو دیکھو!!

—— وہ زمین جو بارش

برسنے کے بعد کھلتی ہے،

جس کے پھٹنے سے سبزہ اُگ آتا ہے

جس کے کھانے سے تم زندہ

رہتے ہو،

اور تمھارے جانور بھی۔

تم بس جانور تو نہیں ہو!

—— کہ کھاؤ پیو زندہ رہو اور

مرجاؤ۔

تم جسم کے ساتھ رُوح بھی رکھتے ہو

—— وہ رُوح جو ہدایت چاہتی ہے

—— وہ رُوح جو محض حیوانوں جیسی

زندگی سے مطمئن نہیں

اس رُوح کے لیے بھی ایک

سبزہ چاہیے۔

[1] ہمارے سروں کے اوپر جو کائنات ہے وہ سب کچھ "آسمان" ہی ہے۔

ایسا سبزہ جو اس روح کی غذا بن سکے !

ایسا سبزہ جو اس روح کو زندگی بخش سکے !!

یہ قرآن !

یہ قرآن فیصلہ کر دینے والا کلام ہے،

یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں،

کوئی بیہودہ اور بے کار بات نہیں،

یہی تو تمہاری روح کی زندگی کا سامان ہے،

یہی ہے وہ بارش جو آسمان ہدایت سے نازل ہوئی ہے،

جو تمہارے دلوں کی پتھریلی زمین کو پھاڑ سکتی ہے،

—— جو تمہاری روح کے لیے

سبزہ اُگا سکتی ہے،

—— وہی سبزہ جو تمہاری روح

کے لیے غذا بن سکے ۔

کیا "جو" تمہارے زندہ رہنے کا سامان کرے،

بارش برسائے !

سبزہ اُگائے !!

وہ تمہاری ہدایت کے لیے کچھ نہ کرے گا ؟ ؟

یہ کیسی بات ہے !

یہ قرآن

یہ حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا قول،

کیا یہ تمہاری ہدایت کے لیے بہترین سامان نہیں ؟

کیا یہ یوں ہی کوئی بے کار سی بات ہے ؟

ایسا نہیں ہے —— سوچو !

روزہ

روزہ ایسی عبادت ہے جس کا حال خدا اور بندے کے سوا کسی دوسرے پر نہیں کھل سکتا اگر کوئی چاہے تو بناوٹی منھ بنا کر دوسروں کو دھوکا دے سکتا ہے اور چھپ کر کھا پی سکتا ہے لیکن جو شخص اللہ کی خوشی کے لیے روزہ رکھتا ہے وہ خاص اُسی کے لیے ہوتا ہے اور اس کا بڑا اجر ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ۔

آدمی کا ہر عمل خدا کے یہاں کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے ایک نیکی دس گنی سے سات سو گنی تک پھلتی پھولتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے وہ خاص میرے لیے ہے اور میں اُس کا جتنا چاہتا ہوں بدلہ دیتا ہوں۔

روزے کی حالت میں آپ صبح سے شام تک عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر عین عبادت کی حالت میں:

آپ جھوٹ کیسے بول سکتے ہیں؟
غیبت کس طرح کر سکتے ہیں؟
بات بات پر لڑائی کیسے کر سکتے ہیں؟
آپ کی زبان سے گالیاں کیسے نکل سکتی ہیں
آپ لوگوں کا حق کیسے مار سکتے ہیں؟
حرام کھانے اور حرام کھلانے کا کام کیسے کر سکتے ہیں؟
یا اللہ کی کوئی بھی نافرمانی آپ سے کس طرح ہو سکتی ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ۔

جب کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اللہ کو اُس کا کھانا اور پینا چھڑا دینے کی کوئی حاجت نہیں۔

جس کے روزے جتنے اچھے ہوں گے، آپ رمضان کے بعد اُسے اُتنا ہی اچھا پائیں گے۔

اچھی طرح روزے رکھیے، اچھے بنیے۔ یہی سب سے بڑی دولت ہے جو آپ رمضان میں کما سکتے ہیں +

منڈل نے اس عجیب وغریب بات کا تذکرہ اپنے دوستوں سے کیا، سب نے تعجب کے ساتھ سُنا، لیکن اس واقعے پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔

دو برس بعد ایک دوسرے امریکن کو جس کا نام فبرس تھا اس بات کی اہمیت کا اندازہ ہوا اور اُس نے یہ سمجھا کہ ہو نہ ہو اس علاقے میں زمین کے نیچے پٹرولیم کے چشمے ہیں۔ ۱۸۵۴ء میں اس تیل کو صاف کرنے اور پٹرولیم کے چشمے کھودنے کے لیے ایک کمپنی قایم ہوئی۔

تیل کے چشمے کھودنے میں کامیابی کرنل ڈریک کو حاصل ہوئی۔ اس نے ایک خاص قسم کا برما بنایا اور سب سے پہلے ۱۸۵۹ء میں 'پنسلوانیا' میں پٹرولیم کا پہلا کنواں کھودا گیا کنویں کا لفظ سُن کر آپ کو خیال ہوا ہوگا کہ یہ کوئی بہت چوڑے مُنھ کا سوراخ ہوگا لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس کا قُطر عام کنووں کے قُطر کے مقابلے میں بہت ہی کم ہوتا ہے۔ بس کوئی ڈیڑھ دو فٹ سمجھیے۔ لیکن یہ ہوتا بہت گہرا ہے۔

کرنل ڈریک کو تقریباً ۷۰ فٹ کی گہرائی میں تیل ملا۔ جو چشمہ کھولتے ہی اندرونی دباؤ کے اثر سے اوپر اُٹھ آیا۔ اور کوئی دس فٹ گہرائی تک آگیا۔ اس کے بعد اسے پمپ سے نکال لیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس چشمے سے روزانہ ۴۰۰ گیلن تیل نکالا جاتا تھا۔ کوئی سال بھر تک اس چشمے سے تیل نکلتا رہا پھر یکایک تیل نکلنا بند ہوگیا۔ ڈریک کا چشمہ تو سوکھ گیا۔ لیکن اب اس کے کام نے دُنیا میں اک آگ سی لگا دی۔ لوگوں کو قدرت کے اس چھپے ہوئے خزانے کی تلاش نے پاگل سا بنا دیا۔ سُنتے ہیں کہ پہلے زمانے میں جب سونے کی کانوں کا پتہ چلا تھا تو لوگ سونے کی تلاش میں دیوانوں کی طرح پہاڑوں اور بیابانوں میں دوڑ پڑے تھے اور ہر ایک کو یہی فکر تھی کہ وہ سب سے پہلے سونے کی کان کا پتہ چلا لے۔ لیکن تیل کی تلاش میں جو بھاگ دوڑ مچی وہ اُس سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہزاروں کنویں کھودے جاچکے ہیں اور کروڑوں ٹن تیل نکالا جاچکا ہے اور نکالا جا رہا ہے۔ لیکن تیل کی مانگ کم ہونے میں نہیں آتی۔ تیل کی ضرورت روزانہ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اور اب تو اس کا شمار درجۂ اوّل کی ضروریاتِ زندگی میں ہونے لگا ہے۔

زبردست گہرائیوں تک زمین میں سوراخ بنانا اب ایک مستقل فن ہوگیا ہے۔

اس کام کے لیے بڑے طاقت ور اور بہت عجیب و غریب برمے بنائے گئے ہیں۔ زمین میں اس طرح سوراخ بنانے میں بڑی بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ آپ صرف ایک وقت سے کرسکتے ہیں وہ یہ ہے کہ زمین کی گہرائی میں اندر کا درجۂ حرارت سو درجہ سنٹی گریڈ سے زائد ہو جاتا ہے یعنی اُبلتے ہوئے پانی کے درجۂ حرارت سے بھی زیادہ پھر خود برمے کی گردش سے بھی بڑی گرمی پیدا ہوتی ہے۔ اگر برما ۲۰۰ گردش فی منٹ کی رفتار سے بھی کسی سخت چٹان پر گھومے تو اس سے اتنی گرمی پیدا ہوتی ہے کہ معمولی فولاد اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔ فولاد نرم ہو کر بالکل بے کار ہو جاتا ہے۔ اس کام کے لیے بہت سخت اور خاص قسم کا فولاد تیار کیا جاتا ہے اور صرف اس کے برمے اتنی گہرائی پر کام دے سکتے ہیں۔

زمین کے اوپر سوراخ کا قطر بس کوئی پندرہ بیس انچ کے قریب رہتا ہے۔ اس سوراخ میں لوہے کے نل ڈالے جاتے ہیں۔ اور جتنی گہرائی تک جاتے ہیں سوراخ کا قطر چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ تیل کی سطح آجاتی ہے۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ آخر یہ کنویں کتنے گہرے کھودے جاسکتے ہیں۔ اس گہرائی کی بھی ایک حد ہے۔ انسان کی قوتیں اور طاقتیں محدود ہیں وہ اسی حد تک آگے بڑھ سکتا ہے جہاں تک اس کے خالق نے اسے اختیار دیا ہے۔ اس کا علم اور اس کے علم کی پہنچ دونوں محدود ہیں ——— زمین کے اندر دباؤ بے انتہا ہے جتنی گہرائی پر جانا پڑتا ہے اتنے ہی زیادہ دباؤ کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے بہت خاص قسم کے مضبوط فولاد کے نلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ معمولی نل جو آپ نے دیکھے ہوں گے وہ تو اس دباؤ میں جاکر بالکل ایک چپٹے پترے کی شکل اختیار کرلیں گے۔ یہ نل بہت مضبوط اور بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ زمین کے اندر زیادہ گہرائی پر ان کو ایک لاکھ پاؤنڈ تک دباؤ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ان کی قیمت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ دو میل گہرے کنویں کے لیے جتنے نلوں کی ضرورت ہوتی ہے اُس کی قیمت تقریباً ساڑھے تیرہ لاکھ روپے ہوتی ہے۔ جتنا اندر جائیے قیمت بڑھتی جاتی ہے۔ اور پھر وہ حد آجاتی ہے کہ اس سے زائد گہرائی تک جانے میں تجارتی اعتبار سے کنواں بے کار ہوجاتا ہے اگر کسی چشمے سے اتنا تیل ہی نہ نکلے جو اتنی زیادہ قیمت کو برداشت کرسکے تو پھر اس کے بنانے سے فائدہ ہی کیا ہوگا۔

تیل کبھی تو سو دو سو فٹ پر ہی مل جاتا ہے اور کبھی ہزاروں فٹ گہرائی تک جانا پڑتا ہے۔ سب سے گہرا کنواں جنوبی کیلیفورنیا (امریکہ) میں ہے اس کی گہرائی دو میل سے کچھ زیادہ ہے۔

تیل کی سطح تک پہنچنے کے بعد بھی کام آسان نہیں ہو جاتا۔ اس کے بعد دوسری دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی تیل اوپر نہیں آتا اس کے اوپر لانے کے لیے پمپ سے کام لینا ہوتا ہے۔ کبھی تیل اس زور کے ساتھ اوپر آتا ہے کہ اس کا سنبھالنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ کبھی تیل کے ساتھ ریت ملا ہوا آتا ہے اور اسے صاف کرنا پڑتا ہے۔

کبھی سوراخ کرتے وقت برما جب تیل کی سطح کے قریب پہنچتا ہے تو اندر سے گڑگڑاہٹ کی آواز آتی ہے یہ وقت بڑے خطرے کا ہوتا ہے۔ سب کام کرنے والے کام چھوڑ چھاڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ چند لمحوں میں ایک زبردست دھماکہ ہوتا ہے اور بڑے زبردست شور کے ساتھ تیل سوراخ سے ایک فوارے کی صورت میں نکلنے لگتا ہے۔ اور بھاری بھاری فولادی مشینوں اور نلوں کو اس طرح اٹھا کر اوپر ہوا میں اچھال دیتا ہے جیسے کہ وہ کسی ہلکے کاگ کے بنے ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ بحر کیسپین کے کنارے ایک تاتاری شخص تگیت نامی تیل کا ایک کنواں کھود رہا تھا کہ اچانک تیل بڑی زبردست قوت کے ساتھ باہر نکلا۔ بہاؤ اتنا تیز تھا کہ ہر روز گیارہ ہزار ٹن تیل باہر آ رہا تھا۔ اس مقدار کو قابو میں رکھنا کس کے بس کی بات تھی۔ یہ مقام شہر باکو سے چند میل کے فاصلے پر تھا وہاں سے یہ فوارہ دھوئیں کا ایک زبردست ستون معلوم ہوتا تھا۔ یہاں سے اتنا تیل باہر نکلا کہ آٹھ میل تک کل علاقہ تیل ہی تیل سے بھر گیا۔ لوگ اپنی اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے۔

اس سوراخ پر ٹوپی چڑھانے کی کوشش کی گئی اور فولاد کی ایک موٹی چادر اس پر ڈالنے میں کامیابی بھی ہو گئی۔ لیکن تیل کے زور اور ریت کی رگڑ سے بہت جلد اس میں بھی چھید ہو گیا۔ اس کے بعد ایک کھمبا لایا گیا۔ جس کا وزن ستر ٹن تھا۔ اس کو اس سوراخ میں ڈاٹ کی طرح پھنسا دیا گیا۔ دو تین ہی دن بعد تیل نے اتنا زور مارا کہ یہ کھمبا چھلانگ اس زور سے اڑا جیسے بندوق کی نال سے چھرا نکلتا ہے۔ اور تیل تین سو فٹ بلند فوارے کی صورت میں باہر نکلنے لگا۔ آخر کار بڑی بڑی ترکیبوں سے اس چشمے پر قابو پا لیا گیا۔ لیکن اس وقت تک اندازاً ایک کروڑ ساڑھے تیرہ لاکھ روپے کا تیل ضائع ہو چکا تھا۔

کہیں کہیں تیل کے ساتھ ایک گیس بھی باہر نکلتی ہے۔ یہ گیس زہریلی ہوتی ہے۔ کام کرنے والوں کو اپنے آپ کو اس سے بھی بچانا پڑتا ہے۔ یہ گیس بھی اللہ تعالیٰ نے بڑے کام کی چیز بنائی ہے۔ اس سے پیٹرول بھی نکالا جاتا ہے، اور یہ جلانے کے کام بھی آتی ہے نلوں کے ذریعے یہ گیس شہروں میں بھیجی جاتی ہے (باقی)

جناب اکبر علی صاحب اقبال

شبِ برات کا حلوہ

"امی جان آپ تو فرما رہی تھیں کہ آپ کے پاس کوڑی نہیں، یہ سامان کہاں سے منگا رہی ہیں آپ؟ اور یہ سب کتنے میں آئے گا" محمود نے اپنی والدہ سے ایک سانس میں سب کچھ پوچھ ڈالا۔

"بیس روپے سے کیا کم خرچ ہوگا" ماں نے جواب دیا۔

محمود: "تو آپ نے روپیوں کا کیا انتظام کیا؟

ماں: "بیٹا! کچھ روپے بنیے سے منگا لیے ہیں۔ اور بس۔"

محمود: "کیا کیا سامان منگانا ہے کا ہے میں اتنا خرچ ہوگا؟

ماں: "گھی، دو سیر سوجی، اتنی ہی شکر، گھر میں ایندھن نہیں چھنّن کی ٹال سے لکڑیاں آئیں گی۔ نوکروں کو دینا دلانا ہے، بچوں کے لیے آتش بازی بھی ۵-۶ روپے کی ضرور ہی آئے گی۔"

محمود: "مگر امی یہ چیزیں فرض تو نہیں۔ ہم نے کہیں نہیں سُنا کہ کسی پیمبر یا کسی ولی اللہ نے نعوذ باللہ آتش بازی ضرور ہی چھوڑی ہے حلوہ ضرور پکوایا ہے۔ ہمارے مذہب میں تو ان چیزوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

ماں: "یہ تو فاتحہ ہے۔"

محمود: "فاتحہ تو ہے لیکن فاتحہ کے لیے یہ ضروری تو نہیں کہ خواہ جیب میں پیسے ہوں یا نہ ہوں مگر فاتحہ ضرور دلائی جائے۔ اور اب بیسویں صدی ہے لوگ ویسے نیک دل کہاں، اب تو صرف چاٹ کے لیے فاتحہ دی جاتی ہے۔ اب بھی جو نیک تھوڑے بہت ہیں وہ ان فضول رسموں کو اپنے یہاں نہیں ہونے دیتے اور اپنے بیوی بچوں سے صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے اللہ کی راہ میں خرچ کے لیے بیس کی جگہ پچاس لو، مگر ان خرافات کے لیے تو ہم دینے سے رہے۔ اور امی یہ رات تو عبادت کی رات ہے ان لغویات کے نہیں۔ پھر آپ بنیے سے روپے منگائے ہیں تو وہ سود بھی ضرور لے گا اور ایک دین دار کے لیے سود لینا اور دینا دونوں گناہ ہیں ایسے پیسے کا فاتحہ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتی۔"

ماں: "یہ تو سب درست مگر دُنیا کیا کہے گی، سال بھر میں ایک فاتحہ کا موقع آیا۔

نہ کی جا سکے، اور بچے تو آتش بازی کے مارے روتے روتے آنکھیں سجالیں گے۔

محمود: "لوگ کچھ کہیں ہم خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے بچوں کا جو کہنا ہو تو انھیں میں سمجھالوں گا۔ آپ کہیں گی کہ اور سب لوگ جو کرتے آئے ہیں اور ہمارے بڑے بوڑھوں سے یہی ہوتا چلا آیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی کنویں میں گرے تو ہم کیوں گریں، اور بڑے بوڑھوں کی اندھی تقلید کیوں کریں۔ رسول اللہؐ کے زمانے کے کافر لوگ بھی یہی کہا کرتے تھے تو کیا ہم اُن جیسا ہونا چاہتے ہیں؟

ماں: "مجھے سمجھاتے ہو دُنیا کو سمجھاؤ۔"

محمود: "ہمیں دُنیا سے کوئی واسطہ نہیں دُنیا خوش ہو یا ناخوش ہمیں کوئی پرواہ نہیں، ہم تو صرف رضائے الٰہی کے طلبگار ہیں اور رہیں گے۔"

غرض ماں اس بحث سے خاموش ہوگئیں، اور وہاں سے اُٹھ کر باورچی خانے میں جابیٹھیں اب محمود نے اپنے دونوں چھوٹے بہن بھائی کو بُلایا اور اُن سے پوچھا: "کہو بھئی تم آج آتش بازی چھوڑو گے یا نہیں؟

"ہاں ہاں بھائی جان! اماں سے دام لے کر ہمیں لا دیجیے نا۔" دونوں بولے۔

محمود: "اچھا یہ تو بتاؤ تمھیں کیا اچھا معلوم ہوتا ہے؟"

بھائی: "واہ بھائی جان کیا آپ نہیں جانتے جو ہم سے پوچھتے ہیں۔ جب رات میں انار چھوٹتا ہے تو کیسی آگ کی پھوار سی اوپر اُٹھتی ہے اور کیسی بھلی معلوم پڑتی ہے۔"

محمود: "مگر اس سے جل جانے کا جو خوف ہے۔ آگ کا کھیل ہے آگ کا۔"

بہن: "اچھا ہم خود نہ چھوڑیں گے آپ چھوڑ دیجیے گا۔"

محمود: "میں چھوڑوں یہ نہیں ہوسکتا، مجھے خود جو ڈر لگتا ہے۔ اور دیکھو اماں آج کل بہت پریشان ہیں، ان کا چہرہ اُداس ہے، تم نے سوچا ایسا کیوں ہے؟"

بہن: "جی ہاں اُداس تو ہیں، نہ معلوم کیوں، آپ بتا دیجیے۔"

محمود: "اس لیے کہ ان کے پاس خرچ کے لیے کچھ نہیں پائی پائی سے حیران ہیں اور تم آتش بازی کے لیے کہتے ہو، انھیں فکر ہے کہ تم لوگ یہ منگانے کی ضد کروگے تو وہ کہاں سے منگا کر دیں گی۔"

بھائی: "تو اماں اُداس نہ ہوں ہم انار نہیں چھوڑیں گے۔"

محمود: "شاباش، اچھے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔"
بھائی: "اگلے سال جب آپ روزگار سے لگ جائیں گے تب ہم انار چھوڑیں گے۔"
محمود: "مگر میاں ہمارے پیارے اللہ تو اس سے ناخوش ہوتے ہیں کیا تم انھیں ناخوش کرنا چاہتے ہو؟"

دونوں مل کر: "نہیں بھائی جان ہم ہرگز اللہ میاں کو ناراض نہیں کریں گے۔ مگر یہ تو بتلایئے کہ ناخوش کیوں ہوں گے؟"

محمود: "اللہ تعالیٰ ہم سے آخرت میں پائی پائی کا حساب لے گا اور ہر چیز کی پوچھ گچھ کرے گا اور تم کوئی جواب نہ دے سکو گے۔ اب آتش بازی تم نے چھوڑی تو اللہ میاں تم سے یہ پوچھے گا کہ ہم نے جو تمھیں دولت دی تھی تم نے اُسے غریبوں پر خرچ کرنے کے بجائے اُس میں اس طرح آگ لگا دی اور جو لوگ بھوکے تھے وہ تمھاری مدد نہ کرنے سے فاقے مرتے رہے۔ پھر تم کیا جواب دو گے؟"

بہن: "اچھا یہ بات ہے تو بھائی جان اب تو ہم ایسا کرنے کا عمر بھر کبھی نام تک نہ لیں گے۔ اور بھائی جان اللہ میاں تو ہم سے خفا ہوں گے ہم نے پچھلے سال بھی تو یہ حرکتیں کی تھیں۔"

محمود: "اب اللہ میاں سے توبہ کرو اور آئندہ کے لیے اپنے دل میں یہ عہد سچے دل سے کرلو کہ اب کبھی آتش بازی کے قریب نہ پھٹکیں گے۔"

یہ سُنتے ہی دونوں بہن بھائیوں نے توبہ کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے اور پھر کبھی ذکر نہ کرنے کا عہد کیا۔

محمود نے بچوں کو تو اس طرح فضول خرچی سے روکا اور حلوے کے بارے میں یہ کیا کہ جہاں جہاں سے محمود کے یہاں حلوہ آیا وہ اُس نے وہاں وہاں اپنے یہاں سے بھجوا دیا۔ جہاں جہاں ان کے یہاں سے جانا تھا۔ بقیے کے روپے بھی واپس کرا دیے اور اس طرح محمود نے اپنے گھر والوں کو ان بُری باتوں سے بچا لیا۔

یہ پرچہ مئی اوّل اور مئی دوم ہے۔ اب اگلا پرچہ پہلی جون کو شائع ہوگا۔ (انشاء اللہ) ـــــ یاد رکھنا۔

مولانا ضیاء الظفر خاں صاحب

بیباک اور حاضر جواب لڑکا

تعارف و تشریح

(۱) حجاج، خلیفہ عبدالملک اموی کی طرف سے عراق کا گورنر جو اپنے جور و ظلم سختی و خون ریزی میں ضرب المثل تھا۔
(۲) عبدالملک بن مروانی، خلفاء بنی اُمیّہ کا ایک جابر خلیفہ۔
(۳) ابوالحسن، میرالمومنین حضرت علیؓ کی کنیت (دوسرا نام)
(۴) رقاشی، حجاج کا مصاحب۔
(۵) ثقیف، ایک عرب قبیلہ۔ جن میں سے حجاج بھی تھا۔
(۶) خلیفہ، امیرالمؤمنین و امام۔ سلطنت اسلامیہ کے حاکم اعلیٰ کے القاب۔

ایک دن حجاج اپنے بالا خانے میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس عراق کے عائد اور معززین بھی حاضر تھے۔ اتنے میں اس کے روبرو ۱۳-۱۴ سال کی عمر کا ایک لڑکا جس کے گیسو کمر تک لٹک رہے تھے پیش کیا گیا۔ مگر اس نے حجاج کی طرف کوئی توجہ کی اور نہ اُس کی کچھ پرواہ کی بلکہ بالا خانے کی عمارت اور اُس کے نوادر و عجائبات کو اِدھر اُدھر منہ پھیر پھیر کر دیکھنے لگا، پھر یہ آیۃ پڑھنے لگا۔

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۝ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝

(کیا تم ہر اونچی جگہ بے ضرورت کوئی یادگار بناتے اور بڑے صنعتی محل تعمیر کرتے ہو گویا تم کو ہمیشہ یہیں رہنا ہے) حجاج جو تکیہ لگائے بیٹھا تھا یہ سُن کر سیدھا ہو بیٹھا اور بولا:

حجاج: "لڑکے! تو مجھے بڑا سمجھدار اور ذہین معلوم ہوتا ہے کیا تو نے قرآن حفظ کیا ہے؟

لڑکا: "اگر مجھے قرآن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا تو میں اس کی حفاظت کرتا اس کا محافظ تو خود اللہ تعالیٰ ہے"

حجاج: (اسی سوال کو دوسرے لفظوں میں کہا) لیکن اچھا تو کیا قرآن کو تو نے جمع کیا؟

لڑکا: "اگر وہ متفرق و منتشر ہوتا تو میں اسے جمع کر سکتا۔"

حجاج۔ (وہی سوال تیسرے انداز میں ادا کر کے): "اچھا تو کیا قرآن کو تو نے مستحکم کیا ہے؟"

لڑکا: "تو کیا خدا نے اسے محکم نہیں اُتارا جو میں اسے مضبوط کرتا۔"

حجاج۔ (پھر وہی سوال چوتھے پیرائے میں تعبیر کر کے) تو کیا قرآن کو تو نے استظہار (زبانی یاد کرنا یا پس پُشت ڈالنا) کیا ہے؟"

لڑکا: "خدا کی پناہ جو میں اسے پس پُشت ڈال دوں۔"

(نوٹ: یہ چار بار جو حجاج نے سوال کیے سب سے مقصود یہی تھا کہ کیا تو نے قرآن حفظ کر لیا ہے۔ مگر الفاظ جو ان چاروں سوالوں میں استعمال کیے گئے عربی زبان میں ان کے دو معنی تھے۔ اِدھر حجاج تو ان الفاظ کو حفظ کرنے کے معنی میں استعمال کرتا اُدھر لڑکا اسے زچ اور شرمندہ کرنے کے لیے ان الفاظ کو دوسرے معنی پہنا کر ان کا جواب دیتا تھا بالآخر تنگ آ کر اور کھلا [illegible] تھا وہ [illegible] کر حجاج جھنجھلا کر بولا:

حجاج: "[illegible] جو تھا مجھے [illegible] [illegible]"

لڑکا: "تیرا اور تیری قوم کا بُرا ہو یوں کہہ "کیا تو نے قرآن اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہے۔"

حجاج: "اچھا تو اُس میں سے کچھ پڑھ کر سنا۔"

لڑکا: (اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر)

"اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَخْرُجُوْنَ مِنْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا"

(جب کہ خدا کی مدد اور فتح آ چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین سے نکلتے جا رہے ہیں)

حجاج: (قرآن کو غلط پڑھنے پر ٹوک کر) "اسے کم بخت! قرآن میں تو یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ (دینِ الٰہی میں داخل ہو رہے ہیں) ہے۔"

لڑکا: "ہاں بے شک پہلے تو دینِ الٰہی میں داخل ہی ہوا کرتے تھے۔ مگر آج کل تو نکلتے جاتے ہیں۔"

حجاج: "یہ کیوں؟"

لڑکا: "ان کے ساتھ تیری بدسلوکی سے۔"

حجاج: "تیرا بُرا ہو، تو جانتا ہے تیرا مخاطب کون ہے؟"

لڑکا: "ہاں کیوں نہیں جانتا ثقیف کا شیطان حجاج۔"

حجاج: "تیرا بُرا ہو تجھے کس نے سیراب کیا (تجھے پرورش کیا؟)"

لڑکا: "جس نے مجھے بویا (یعنی باپ)
حجاج: "تیری ماں کون ہے؟
لڑکا: "جس نے مجھے جنا"۔
حجاج: "تو کہاں پیدا ہوا ہے؟"
لڑکا: "کسی بیابان میں"۔
حجاج: "اور کہاں پرورش پائی؟"
لڑکا: "کسی بادیہ (میدان) میں"۔
حجاج: "تیرا بُرا ہو کیا تو پاگل ہے تو میں تیرا علاج کراؤں؟"
لڑکا: "اگر میں پاگل ہوتا تو تجھ تک نہ پہنچ سکتا۔ نہ تیرے روبرو ایسا کھڑا ہو سکتا گویا نہ تیری مہربانی کا اُمیدوار ہوں اور نہ تیری سزا سے خائف"۔
حجاج: "تو امیرالمؤمنین کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟"
لڑکا: "ابوالحسن (حضرت علیؑ) پر خدا رحم کرے"۔
حجاج: "میرا مقصود ان سے نہیں بلکہ عبدالملک بن مروان سے ہے (جو حاکم وقت ہے)"۔
لڑکا: "اُس فاسق و فاجر پر خدا کی لعنت ہو"۔
حجاج: تیرا بُرا ہو وہ کیوں مستحقِ لعنت ہوا؟
لڑکا: "کیونکہ اُس نے اتنا بڑا جُرم کیا ہے جس نے آسمان سے زمین کو بھر دیا ہے"۔
حجاج: "وہ کیا؟
لڑکا: "وہ یہ کہ اُس نے رعایا پر تجھے حاکم و مسلط بنا دیا ہے کہ تو ان کے اموال کو جائز اور ان کی خوں ریزی کو حلال سمجھتا ہے"۔

یہ سُن کر حجاج اپنے مصاحبوں سے مشورہ کرتا ہے اور وہ لڑکے کے قتل کا مشورہ دیتے ہیں کہ وہ امام وقت کی طاعت سے باہر ہو گیا اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو گیا۔

لڑکا: "حجاج! تیرے مصاحبوں سے تو تیرے بھائی فرعون کے ہی مصاحب بہتر تھے۔ جبکہ اُس نے حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں مشورہ کیا تو اُنھوں نے کہا تھا کہ ان دونوں حضراتؑ کو مہلت دیجیے، جیسا کہ قرآن میں ہے۔ اور تیرے یہ مصاحب میرے قتل کا مشورہ دے رہے ہیں، بخدا قیامت کے دن اللہ کے حضور میں جو کہ زبردستوں کا بادشاہ اور متکبروں کا خوار کرنے والا ہے تیرے اوپر حجت قایم ہو کر رہے گی۔
حجاج: "تہذیب سے بات کر، زبان درازی نہ کر مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تیرے خلاف ابھی ابھی کوئی سخت حکم نہ صادر ہو جائے۔ اور میں نے چار ہزار روپے کا تیرے لیے حکم دے دیا"۔
لڑکا: "مجھے تیرے روپے کی حاجت نہیں خدا تیرا منہ سفید اور تیرا رتبہ بلند کرے"۔
حجاج کا مصاحبوں سے "آپ لوگ سمجھے!

کہ اس سے اس کی مراد کیا ہے؟

مصاحبین: "حضور ہی خوب واقف ہیں۔"

حجاج: "منہ کی سفیدی سے مراد کوڑھ اور برص ہے۔ اور ٹخنے کے بلند کرنے سے پھانسی پہ لٹکایا جانا اور سولی پر چڑھایا جانا (لڑکے سے) کیوں تیرا مطلب یہی تھا نا؟"

لڑکا: "تجھ منافق کو خدا غارت کرے تو کیسے سمجھ گیا۔"

حجاج کو اس پر طیش آجاتا ہے اور لڑکے کی گردن مارنے کا حکم دے دیتا ہے رقاشی (جو وہاں موجود ہے) اسے مانگتی ہے۔

رقاشی: "خدا حضور کا بھلا کرے۔ اسے حضور مجھے عنایت فرما دیں۔"

حجاج: "اچھا وہ تیرا (غلام) ہوگیا۔ خدا تجھے اس میں برکت نہ دے۔"

لڑکا: (دونوں سے) واللہ میں نہیں جانتا کہ تم دونوں میں سے کون زیادہ احمق ہے دینے والا ——— یا لینے والا۔"

رقاشی: "میں نے تو تجھے بچایا۔ اور تو اس کے عوض مجھے ایسی سخت باتیں سُناتا ہے۔"

لڑکا: "اگر سعادت ابھی میرے شامل حال ہے تو میرے لیے شہادت بڑی خوشی کی بات ہوگی، واللہ خالی ہاتھ اپنے گھر کو واپس جانے سے قتل ہوجانا مجھے بہت پسند ہے۔"

حجاج: (لڑکے کو انعام کا حکم دے کر) لڑکے ہم نے تجھے ایک لاکھ روپے دینے کا حکم کردیا اور تیری کم سِنی اور ذہانت پہ نظر کرکے تیرا قصور بھی معاف کردیا۔

خبردار! حکام کے ساتھ ایسی بے باکی نہ کر بیٹا ممکن ہے کہ کسی ایسے سے تیرا پالا پڑ جائے۔ جو تجھے معاف نہ کرے۔"

لڑکا: "معافی تو خدا کے ہاتھ میں ہے نہ کہ تیرے اور شکر بھی اُس ہی کا ہے نہ کہ تیرا خدا آئندہ مجھے اور تجھے ایک جا نہ کرے۔"

یہ کہہ کر لڑکا باہر چلنے لگتا ہے مگر حجاج کے غلام اسے روکنے کو بھیجتے ہیں حجاج انہیں یہ کہہ کر منع کردیتا ہے: "جانے دو، واللہ میں نے اس سے زیادہ علیم اور قوی دل اور فصیح اللسان شخص نہیں دیکھا، اپنی جان کی قسم اس کا کوئی نظیر نہیں اور شاید اسے میلر بھی کوئی نظیر نہ ملے۔"

جناب پیامی صاحب جراج پوری

ایک اچھی بات

اے پیارے پیارے بچو — دیکھو ادھر تو آؤ
اک بات اچھی سن لو — ہر وقت یاد رکھو
ہونے لگے اذاں جب — دوڑو اُدھر کو دوڑو
مسجد میں تم پہنچ کر — جھٹ پٹ وضو ہی کر لو
پھر بن کے باادب تم — اپنی جگہ پہ بیٹھو
ہونے لگے اقامت[1] — اپنی جگہ سے اٹھو
اللہ کے سپاہی — صف باندھ کے کھڑے ہو
سینوں پہ ہاتھ رکھ کر — رب کے لیے ہو یکسو[2]
جب تم سلام پھیرو — یعنی نماز پڑھ لو
ہاتھوں کو پھر اٹھاؤ — رب سے دعا یہ مانگو
نیکوں کی صف میں کر دے — ربِ رحیم ہم کو
اشرار[3] سے بچانا — ربِ کریم ہم کو
اُس راہ پہ چلانا — نیکی کی راہ جو ہو
اللہ میاں ہمارے — جو ہوں گناہ بخشو
اپنے کرم کا سایہ — سر پہ ہمارے کر دو

اللہ میاں دعائیں
سب کی قبول کر لو

---

[1] نماز کو کھڑے ہونے سے پہلے ایک شخص وہی الفاظ دہراتا ہے جو اذان میں کہے جاتے ہیں صرف حیّ علیٰ [illegible] کے بعد دو مرتبہ قَدْ قَامَتِ الصلوٰۃ کا اضافہ کرتا ہے۔ [2] ہر طرف سے کٹ کر کسی ایک طرف کا ہو [illegible]
[3] شرارت اور فساد کرنے والے لوگ۔

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

ہمیشہ سے ہے وہ ہمیشہ رہے گا
جو چاہا کیا، وہ جو چاہے کرے گا
وہ برتر ہے سب سے وہ دانا ہے سب سے
وہ اعلیٰ ہے سب سے وہ بالا ہے سب سے
وہ حاکم ہے سب کا وہ آقا ہے سب کا
وہ داتا ہے سب کا وہ مولیٰ ہے سب کا
نہیں ہے جہاں میں کوئی اس کا ہمسر
نہ سورج نہ چاند اور نہ تارے نہ پتھر
نہ ماں باپ اُس کے نہ بیوی ہے اُس کی
نہ بیٹا ہے اُس کا نہ بیٹی ہے اُس کی
نہیں ہے کسی کا وہ محتاج بچو
ہیں سب اُس کے محتاج تم اس کو سمجھو
نہ اونگھا ہے وہ اور نہ اونگھے گا بچو
نہ سویا ہے وہ اور نہ سوئے گا بچو
وہ سارے جہاں کو کھلاتا ہے بچو
وہ سارے جہاں کو پلاتا ہے بچو
اُسی کی عبادت کرو پیارے بچو
اُسی کی اطاعت کرو پیارے بچو

جناب تبسم عابدی صاحب

بیدار ہو اے مسلم

تیار ہو اے مسلم   بیدار ہو اے مسلم
اس دورِ جہالت کو
ظالم کی حکومت کو
باطل کی سیاست کو
مٹی میں ملانے کو
تیار ہو اے مسلم   بیدار ہو اے مسلم
طاغوت کے بندوں کو
باطل کے شکنجوں کو
شیطان کے پھندوں کو
مٹی میں ملانے کو
تیار ہو اے مسلم   بیدار ہو اے مسلم
باغی کی بغاوت کو
غنڈوں کی شرارت کو
جھوٹوں کی عدالت کو
مٹی میں ملانے کو
تیار ہو اے مسلم   بیدار ہو اے مسلم
بیدادِ کی انساں کو
چالاکیِ شیطاں کو
ہر رہزنِ ایماں کو
مٹی میں ملانے کو
تیار ہو اے مسلم   بیدار ہو اے مسلم

[illegible]

جناب بدر رضا [illegible]

دُعا

تجھے واسطہ اپنے مطلوب کا — تجھے واسطہ اپنے محبوب کا
خدایا دعا یہ ہو میری قبول — بنا دے محمدؐ کے گلشن کا پھول
کہ خوشبو سے سب کو معطر کروں — بشر کے دلوں کو مسخر کروں
مری زندگی کا گلابی ورق — سکھا دے زمانے کو رنگیں سبق
تبسم سے میرے جہاں ہنس پڑے — زمیں ہنس پڑے آسماں ہنس پڑے
مری نرم خُو سے ہو سختی خجل — میں نرمی سے دوں کاٹ ہیرے کا دل
مَیں کانٹوں کے بیچ اپنا مسکن رکھوں — بچا کر مگر اپنا دامن رکھوں
بدل دوں میں باغِ زمیں کی روش — مٹا دوں میں خارِ خزاں کی خلش
بجا کر کے فطرت کے ہر ساز کو — بتا دوں مَیں جینے کے انداز کو

نگاہِ تمدن کا تارا بنوں
مَیں آئینۂ دیں کا پارا بنوں

جناب ارشد صاحب (کراچی)

مسلم بچّے کے ارادے

جہالت کی ظُلمت مٹا کر رہوں گا
دیا عِلم دیں کا جلا کر رہوں گا

دلوں کی کدورت مٹا کر رہوں گا
مَیں رُوٹھے ہوؤں کو منا کر رہوں گا

اخوت کا دُنیا کو پیغام دے کر
مَیں بچھڑے ہوؤں کو ملا کر رہوں گا

جہاں چاند، سورج ستارے نہ ہوں
میں اک ایسی دُنیا بسا کر رہوں گا

مری راہ میں لاکھ آئے مصیبت
صداقت کا پرچم اُڑا کر رہوں گا

ہے اسلام کی ناؤ منجدھار میں جو
میں اُس کو کنارے لگا کر رہوں گا

بدل دوں گا رسم و رواج اس جہاں کا
نیا اک جہاں میں بنا کر رہوں گا

زمانہ بھی خواہ پھیر لے آنکھیں مجھ سے
مگر مَیں حقائق بتا کر رہوں گا

اگر کوئی بے کس کو چھیڑے گا اُس کو
مزا چھیڑنے کا چکھا کر رہوں گا

غرض یہ کہ اسلام کی شمع لے کر
اندھیروں کو یکسر بھگا کر رہوں گا

طالب علم شمس الزماں صاحب (چھوٹے بچے کا مضمون)

قرآنِ پاک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "تم میں وہ شخص اچھا ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے، اگر کوئی شخص دو آیتیں بھی سیکھ لے تو وہ دو آیتیں دو اونٹوں سے بہتر ہیں۔ اونٹ تو دُنیا میں کام دیتے ہیں، لیکن آیتیں دوجہان میں کام دیتی ہیں۔ اونٹ کا نام مثال کے طور پر لیا گیا۔ جس شخص کے سینے میں قرآن بالکل موجود نہ ہو اُس کا سینہ ایسا ہے جیسے اُجاڑ گھر۔ قرآن بڑی نعمت ہے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، جس شخص نے کلام اللہ میں سے ایک حرف بھی پڑھا ہو تو اُسے ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ قرآنِ پاک پڑھنے پڑھانے میں بھی بڑا ثواب ملتا ہے۔ اگر قرآنِ پاک پڑھا اور اُس کے حکموں پر عمل کیا، تو اُس کے ماں باپ کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی اچھی ہوگی۔ اور قرآن پاک سفارشی بن کر آئے گا

قرآن کو پڑھتے وقت ایک اَور دھیان رکھا کرو۔ کہ مَیں اللہ کی باتیں پڑھ رہا ہوں۔ پھر جہاں تک ہوسکے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔ کچھ نہ ہوسکے تو ترجمہ دیکھ کر ہی مطلب پر غور کیا کرو۔ قرآن سمجھ کر پڑھنے سے ایمان کی روشنی بڑھتی ہے۔

صحبت کا اثر

جناب محمد ذکاء اللہ صاحب عثمانی نگری

محمود کا یہ معمول ہے کہ مغرب کے وقت جبکہ اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ کی صدائیں فضاؤں میں گونجتی ہیں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مسجد کی بغل والی سڑک سے سیر و تفریح کے لیے نکل جایا کرتا ہے۔

محمود امیر اور شریف گھرانے کا لڑکا ہے، اس کی تعلیم کے لیے طرح طرح کے ذرائع مہیا ہیں پھر بھی وہ تحصیلِ علم سے کوسوں دُور ہے۔ والدین کی بہت تمنا ہے کہ محمود اچھا خاصہ تعلیم یافتہ ہوجائے خاندان اور محلے کے سب لوگ اس سے ناراض رہتے ہیں اس کا عجیب ہی چال چلن ہے اُس سے کوئی خوش نہیں رہتا۔ والدین اس کی اصلاح کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں مگر اُس کے دل پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ محلے کے چند لوگ اس کے مصاحب ہیں جن کے ساتھ یہ دن رات اِدھر اُدھر مارا پھرتا ہے۔

دوپہر کا وقت ہے۔ محمود کے والد صاحب کمرے میں بیٹھے کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں کہ ناگہاں باہر سے آواز آئی: "میاں صاحب! میاں صاحب!"

محمود کے والد ایسی آواز سُن کر چونک پڑے اور کہا: "اچھا آتا ہوں۔"

انھوں نے کتاب میز پر رکھ دی اور باہر تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک شخص جس کی آنکھیں خشمگیں اور سُرخ ہیں دروازے پر کھڑا ہے۔ اُس نے کہا: "میاں صاحب! جناب کے فرزند ارجمند محمود چند لڑکوں کے ساتھ میرے باغ میں گھس آئے۔ انھوں نے باغ کے امرود اور کیلے کے پھلوں کو توڑ لیا۔ کچھ اور لڑکے تو مجھے دیکھتے ہی بھاگ گئے۔ لیکن انھوں نے میرے ساتھ بڑی بے باکی سے گفتگو کی۔ پھر باغ سے نکل کر واللہ اعلم کس طرف چلے گئے۔ یہ محض آج کا واقعہ نہیں ہے، بلکہ میں ہفتوں سے اُن کی شرارت دیکھ رہا ہوں ابھی تک چھوڑے جا رہا ہوں۔ آپ اُنھیں سمجھا دیں۔ اُن کی اس نازیبا حرکت کا اثر بہت بُرا ہوگا۔ میں مفلس شخص ہوں، اسی باغ کے پھلوں کی فروختگی سے گزر اوقات کا سامان مہیا کرتا ہوں۔ وہ تو آتے ہی ہیں اپنے ساتھ

اور چند لڑکوں کو لے آتے ہیں، اُن کی سب سے بڑی حرکت تو یہ ہے کہ وہ سخت بے تہذیبی سے گفتگو کرتے ہیں۔ خیر! میں اب جاتا ہوں میں محض اس لیے آیا تھا کہ آپ کو آپ کے فرزند سعید کی اس حرکت سے مطلع کردوں۔ آپ انھیں ضرور منع کردیں۔"

محمود کے والد یہ خبر سن کر سخت غصے اور بہت نادم ہوئے۔ پھر وہ اندر گئے اور گھر کے لوگوں سے پوچھا کہ محمود کہاں ہے، اُسے جلد میرے سامنے لاؤ آج میں پوری طرح اُس کی خبرلوں۔ اِدھر اُدھر شرارت کرتا پھرتا ہے۔ وہ کم بخت کیا پڑھنے لکھنے گیا۔"

محمود کی دادی صاحبہ نے پوچھا: "آخر ہوا کیا جو تمھیں اتنا غصہ ہے؟"

محمود کے والد صاحب نے جواب دیا: "اُس کم بخت کا حال میں کیا کہوں کہتے ہوئے آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ وہ سارے خاندان پر بدنما داغ لگا چھوڑے گا ابھی ایک باغبان آیا تھا اُس نے کہا کہ محمود آج میرے باغ میں گھس گیا اور اس نے باغ کے پھلوں کو توڑا اور برباد کرڈالا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ ہفتوں سے میرے باغ میں گھس جایا کرتا ہے۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ وہ اس شریف خاندان کے لیے ایک بدنما دھبّہ بن رہا ہے اب بغیر سخت سزا کے وہ سیدھا نہ ہوگا۔ آخر اس کے سوا اور کون سی تدبیر ہے؟"

محمود کی دادی نے کہا: "سزا دینے کی اسے کوئی ضرورت نہیں، ڈانٹ ڈپٹ کر کسی دوسری جگہ بھیج دو تاکہ اُس کی حالت سُدھر جائے۔"

محمود کے باپ نے کہا: "آپ سمجھتی ہیں نہیں وہ سخت سزا کے بغیر سنبھلنے والا نہیں۔ آپ نے لاڈ پیار سے تو اور بدچلن اور شریر بنا ڈالا۔ لاڈ پیار میں رہ کر لڑکے بگڑ جاتے ہیں۔ اس لیے لڑکوں کو لاڈ پیار سے ہرگز نہیں رکھنا چاہیے۔ دوسری جگہ بھیجنے سے کہیں وہ اور نہ شہرت حاصل کرکے آئے۔ خیر! میں مسجد جاتا ہوں۔ اگر وہ آئے تو مجھے مطلع کرنا۔ میری خفگی کا اُسے کوئی علم نہ ہونے پائے۔"

محمود کے والد صاحب جیسے ہی مسجد کو گئے کہ اِدھر محمود گھر میں آیا۔ کسی نے اُسے کچھ نہ کہا۔ لیکن اُس کی دادی نے کل واقعہ سُنا ڈالا۔ محمود اپنے والد سے بہت ڈرتا تھا۔ یہ بات سن کر وہ بہت خوف زدہ ہو گیا، اُس کی دادی نے کہا تم گھبراؤ نہیں میں تمھیں سزا سے بچاؤں گی، اب تم آئندہ بُری حرکت مت کرنا۔ یہ پہلا

موقع ہے۔ آئندہ سے تم اُن کے حکم کے خلاف مت چلو، ورنہ غصّے میں آکر وہ کہیں سخت سزا نہ دیں ـــــ محمود کا دل اپنے والد کے خوف سے دھڑک رہا تھا وہ ایک کمرے میں جاکر سو رہا۔

محمود کے والد صاحب نماز کے بعد گھر میں آئے۔ محمود کو دریافت کیا۔ محمود کی دادی نے کہا: "ابھی وہ آیا تھا میں نے اُسے بہت سمجھایا ہے۔ آئندہ سے وہ ایسی حرکت نہیں کرے گا، میں اسے کل اپنے ساتھ لے جاؤں گی تم اطمینان رکھو وہاں اُسے اچھے لڑکوں کی صحبت میں رہنے کا موقع ملے گا۔ میں ہمیشہ اُس کی پوری نگرانی رکھوں گی۔ اور اُمید کرتی ہوں وہ وہاں جاکر بالکل بدل جائے گا۔ خدا اُسے ہدایت دے۔ تم محض اجازت دو، ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے ٹھیک نہیں ہوگا۔"

محمود کے والد نے کہا: "خیر، اُسے لے جائیے، مگر اُسے اِدھر اُدھر جانے کا کم موقع دیجیے گا۔"

شام ہوئی لیکن محمود جس کمرے میں سویا تھا اُس سے باہر نہیں نکلا۔ محمود کی اور چھوٹی چھوٹی بہنیں تھیں۔ جو بہن محمود سے چھوٹی تھی وہ قرآن حفظ کرتی تھی۔ اور جو اُس سے چھوٹی تھی۔ وہ قرآن ختم کرچکی تھی اور مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتی تھی۔

دوسرے دن محمود کی دادی محمود کو لے کر قادر گنج روانہ ہوگئیں۔ یہاں محمود کے چھوٹے چچا رہا کرتے ہیں۔ یہاں کی حالت سے محمود کا رُخ ہی بدل گیا۔ محمود جس وقت یہاں آیا اُسی وقت سے اپنے چچا کے بیٹے بھائی شعیب کے ساتھ رہا کرتا۔ اسی قصبے کا سلطان نام ایک لڑکا شعیب کا حقیقی دوست تھا۔ محمود کو شعیب اور سلطان کی دوستی کی وجہ سے سلطان سے کافی ربط ہوگیا۔ تینوں میں بڑی محبت ہوگئی۔ یہ تین جان اور ایک دل ہوکر رہا کرتے۔ لیکن محمود کو ایک بات سے بڑی شرمندگی ہوتی تھی وہ یہ کہ شعیب اور سلطان نہایت مہذب اور نمازی تھے، تینوں ایک دوسرے کے سچے دوست تھے۔ محمود اور اُن دونوں میں صرف ایسی بات کا فرق تھا کہ محمود نمازی نہیں تھا۔ محمود کو ہر وقت شعیب اور سلطان جیسے نمازی اور خدا شناس دوستوں کی صحبت میں رہنا پڑتا۔ اس وجہ سے اُس کا دل کچھ کچھ ان لوگوں کی باتوں میں لگنے لگا اور اس نے مسجد جانا شروع کردیا۔ محمود اب کچھ ایسی مسرت محسوس کرنے لگا

جو پہلے اسے کبھی نہیں حاصل ہوئی تھی۔ پھر اس کی طبیعت کا رجحان مذہبی تعلیم کی طرف بھی ہوتا گیا۔ کبھی کبھی اُس کے دل میں تعلیم کا ذوق بھڑک اُٹھتا۔ سلطان اور شعیب عربی مدرسے کے طلباء تھے۔ ان دونوں کی باتیں محمود کے دل میں اثر کرتی تھیں اور اس کے دل میں بھی دینی تعلیم کا شوق بڑھ گیا۔ ایک ماہ کے قیام کے بعد محمود اپنی دادی کے ساتھ اپنے گھر واپس آگیا۔ اب محمود بہت شریف بچہ تھا لوگ اسے دیکھ کر حیرت کرتے، اس کی باتیں سن کر لوگوں کے دلوں میں اسلام کا جوش پیدا ہو جاتا، اور غافل لوگ بھی خدا اور اُس کے رسول کی محبت کے جذبات اپنے دل میں محسوس کرتے +

ناقابلِ اشاعت [redacted]مین

حسبِ ذیل مضامین الحسنات کے معیار اور ذوق کے مطابق نہیں پائے گئے۔ یہ شائع نہ ہو سکیں گے، اگر صاحبِ مضمون واپس منگانا چاہیں تو ضروری ٹکٹ بھیج کر واپس منگالیں۔ ایک ماہ تک انتظار کیا جائے گا۔ اس کے بعد مضامین کی واپسی سے معذور سمجھا جائے۔

(۱) بسم اللہ کی برکت (۲) ایک واقعہ (۳) مضمون بلا عنوان از ایم۔ اے بغدادی صاحب (۴) نعت (۵) حقیقی زندگی (۶) انتخاب (۷) پوجا کس کی ہو (۸) اُٹھو اُٹھو بھولے بچے (۹) نماز (نظم) (۱۰) خدائی کا دعویٰ خدا سے کیا ہے (۱۱) باطل کے باغیو! (۱۲) عزم (۱۳) پانچ وقت کی نماز پڑھو (۱۴) قرآن شریف (نظم) (۱۵) نظروں میں (۱۶) انتخاب (۱۷) مومن کی آرزو (نظم) (۱۸) فکرِ آخرت (نظم) (۱۹) انوکھی اُلجھن (۲۰) دعا جدّ گاہ و مجیب الدعوات (نظم) (۲۱) ایمان میں یقین کا درجہ (۲۲) باؤلیات کی ایک تسبیح +

بہادر سلیم

کشمیر کے ایک گاؤں میں ایک بڑا امیر سوداگر رہتا تھا۔ اس کے پاس بہت سے مکان اور باغ تھے۔ اس کی ایک بہت بڑی کوٹھی سری نگر میں تھی۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ اس کوٹھی میں جن اور بھوت رہتے ہیں۔ یہ بات اتنی مشہور ہوگئی تھی کہ اس کوٹھی میں کوئی کرائے دار نہ آتا تھا۔ اور نہ کوئی اسے خریدنے کے لیے ہی تیار ہوتا تھا۔ جاں کوئی اس کوٹھی میں گیا اور رات کو جنوں اور بھوتوں نے اُسے ڈرا کر بھگا دیا۔ سوداگر کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ وہ اس کوٹھی کا کیا کرے۔ جب وہ بالکل تنگ آگیا تو اس نے اخبار میں یہ نکلوا دیا کہ جو کوئی اس کی کوٹھی میں ایک ہفتے تک رہ جائے اور رات کے وقت میں بھی اسی کوٹھی میں رہے تو وہ اُسے ایک ہزار روپیہ انعام دے گا۔ انعام کا نام سُن کر بہت سے لوگوں نے کوٹھی میں رہنے کی ہمت کی، لیکن پہلی ہی رات کو وہ ایسے ڈر کر بھاگے کہ اُدھر آنے کا نام تک نہ لیا۔

ایک دن اخبار میں اسی بات کو ایک لڑکے نے دیکھا، جس کا نام سلیم تھا۔ وہ بڑا بہادر تھا تو وہ غریب ماں باپ کا بچہ لیکن اس کے ماں باپ نے اسے ایمان اور اسلام کی باتیں شروع سے ہی بتائی تھیں، اس کے دل میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی تھی کہ مسلمان کو کسی سے نہ ڈرنا چاہیے نفع اور نقصان صرف اللہ کے ہاتھ ہے، وہی مارتا ہے اور وہی جلاتا ہے۔ اُس کے حکم کے بغیر کسی کو موت نہیں آسکتی —— سلیم یہ بھی جانتا تھا کہ بھوت اور پریت کے قصے سب یوں ہی ہیں۔

سلیم نے سوچا، بغیر اللہ کی مرضی کسی کو موت آ نہیں سکتی۔ موت سے کیا ڈرنا وہ تو آئے گی اپنے وقت پر۔ پھر اللہ کے نام میں بڑی برکت ہے لاؤ میں اس کام کو کروں۔ یہ سوچ کر سلیم سوداگر کے پاس گیا۔ سوداگر اس وقت اپنی کوٹھی کو کوڑیوں کے مول بیچنے کے لیے ایک [illegible] سے بات چیت کر رہا تھا۔ سلیم نے جا کر سوداگر کو اتنے سستے مول کوٹھی بیچنے سے روکا اور کہا کہ میں کوٹھی کے بھوت کو بھگا دوں گا۔ سلیم کی باتیں سُن کر دونوں ہنس پڑے۔ اللہ بڑے

"میاں تم ابھی لڑکے ہو۔ اس چکر میں نہ پڑو، کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو ——" سلیم نے نہ مانا اور کہا کہ "ایک بنگلے کی کیا بات ہے آپ ذرا دیکھ لیں کہ میں کیا کرتا ہوں۔" سوداگر راضی ہوگیا لیکن کوٹھی خریدنے والے سکھ کو یہ بات بھلی نہ لگی۔

سلیم نے سوداگر سے ایک پستول لیا۔ پستول ۶ گولیوں والا تھا۔ سلیم نے اسے بھر لیا اور کچھ کارتوس اور لے کر اپنی جیب میں رکھ لیے۔ کوٹھی کا ایک چوکیدار تھا جو پھاٹک کے پاس ایک کوٹھری میں رہتا تھا۔ سلیم نے چوکیدار سے چابی لی اور کوٹھی کھول کر سب کمروں کو اچھی طرح دیکھا، کمرے سب خالی تھے کوئی ایسی ویسی بات دکھائی نہ دی۔ سلیم نے ایک کمرے کو اپنے رہنے کے لیے پسند کیا اور اپنا پلنگ اور بستر اسی کمرے میں لگا دیا۔

رات کو سلیم نے پھر ایک ایک کمرے کو دیکھا اور اچھی طرح دیکھ کر کواڑ بند کر لیے۔ عشا کی نماز پڑھ کر سلیم کچھ دیر کے لیے قرآن شریف پڑھنے بیٹھ گیا۔ سلیم نے یہ طے کر لیا تھا کہ آج کی رات وہ سوئے گا نہیں اور دیکھے گا کہ جن یا بھوت کیسے آتے ہیں۔

جب رات کے بارہ بجے تو کوٹھی کے اندر چاروں طرف سے ڈراؤنی آوازیں آنے لگیں۔ سلیم سنتا رہا۔ کبھی آوازیں بند ہو جاتیں اور کبھی اور زیادہ زور سے آنے لگتیں۔ سلیم خاموشی کے ساتھ اپنے پلنگ پر بیٹھا یہ سب کچھ سنتا رہا وہ بالکل نہ ڈرا —— اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ کمرے کی نالی میں سے جس کا منھ ذرا بڑا تھا انسان کی ایک کھوپڑی اندر چلی آرہی ہے سلیم اسے دیکھ کر اٹھا اور زور سے ایک لات ماری۔ کھوپڑی کمرے ایک طرف جا پڑی۔ لیکن ذرا ہی دیر بعد کھوپڑی پھر ہلنے لگی اور ایک طرف کو سرکتی ہوئی دکھائی دی۔ سلیم نے اپنے پاس ایک موٹا ڈنڈا بھی رکھ لیا تھا۔ اب کی بار اس نے اٹھ کر دونوں ہاتھوں کی قوت سے کھوپڑی پر ایک ڈنڈا رسید کیا، کھوپڑی ٹوٹ کر چکنا چور ہوگئی اور ایسا دکھائی پڑا کہ اس میں سے کوئی کالی چیز نکل کر جلدی سے نالی کے راستے باہر چلی گئی۔ سلیم کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا تھا۔ وہ لاحول[1] پڑھتا ہوا پھر اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں چھت میں ایک سوراخ دکھائی دیا اور اس میں سے ایک بند ڈبا آکر گرا۔ سلیم بالکل نہ ڈرا اور اس ڈبے کو اٹھا کر کھولا —— ڈبہ کھولتے ہی سلیم بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ پتہ نہیں کہ وہ کب تک بے ہوش پڑا رہا۔ جب کچھ دیر بعد ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ خود تو

[1] لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ —— اللہ کے سوا کسی میں نہ کوئی طاقت ہے اور نہ قوت۔

ایک طرف زمین پر پڑا تھا اور اس کا پستول چارپائی پر۔
اب تو سلیم بہت حیران ہوا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ ماجرا کیا ہے لیکن وہ پھر بھی نہ ڈرا اور اللہ کا نام لے کر اُٹھ بیٹھا۔ پستول اپنے قبضے میں کیا کہ اتنے میں پھر اُسی سوراخ سے ایک کاغذ آکر گرا۔ کاغذ پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے تازہ خون سے کچھ لکھا ہے۔ سلیم نے پڑھا تو اُس پر لکھا تھا: "اگر تمھیں اپنی جان پیاری ہے تو یہاں سے فوراً چلے جاؤ نہیں تمھاری خیر نہیں۔" اب تو سلیم مقابلے کے لیے بالکل ہی تیار ہوگیا۔ اس نے سوچا جو کچھ بھی ہو اب تو دیکھنا ہی ہے کہ یہ آفت کیا ہے۔ اس کو پورا بھروسہ تھا کہ موت سے پہلے اسے کوئی مار نہیں سکتا، وہ اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرنا جانتا ہی نہ تھا۔ وہ ابھی اپنے دل ہی دل میں اللہ کو یاد کر رہا تھا کہ اچانک سامنے کا دروازہ دھڑ سے کُھل گیا، وہی دروازہ جسے سلیم نے خود اپنے ہاتھ سے بند کیا تھا۔ ایک بار تو سلیم کا دل دھک سے ہو گیا۔ لیکن اس نے دل کو مضبوط کرکے پستول ہاتھ میں سنبھال لیا۔ دروازے سے ایک بڑا ڈراؤنا دیو سامنے چلا آ رہا تھا۔ کالا منھ، سفید آنکھیں، سر پر سینگ۔ دیو جھومتا ہوا اسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سلیم نے فوراً پستول نکال کر دیو پر فائر کیے اور جلدی جلدی چھ کے چھ فائر کر دیے۔ دیو کا کچھ بھی نہ ہوا، دیو زور سے کھل کھلا کر ہنس پڑا اور آہستہ آہستہ برابر سلیم کی طرف بڑھتا رہا۔ سلیم کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ اب کیا کرے۔ اس نے فوراً خیال کیا کہ اس دیو سے لڑائی تو آخر دم تک کرنا ہے۔ یہ سوچتے ہی اس نے جیب سے باقی کارتوس نکالے اور جلدی سے اپنا پستول پھر بھر لیا۔ پستول کا بھرنا تھا کہ دیو نے فوراً چلا کر معافی مانگنا شروع کر دی اور بولا: "دیکھو ابھی گولی نہ چلانا" اور دیو جھٹ سلیم کے قدموں میں آکر گر گیا ——— سلیم نے اس کے سینگ پکڑ کر اوپر کو اُٹھانا چاہا تو کپڑے کا بنا ہوا ایک دیو کا سا چہرہ اس کے ہاتھ میں آگیا اور اس نے دیکھا کہ وہی چوکیدار جس سے اس نے کوٹھی کی چابی لی تھی اس کے قدموں میں پڑا گڑگڑا رہا تھا۔ چوکیدار کو دیکھ کر سلیم کو بہت ہی غصہ آیا۔ اور پہلے تو اس نے لاتوں اور گھونسوں سے اس کی خوب مرمت کی اور پھر ایک رسی لے کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔

اب سلیم کی جان میں جان آئی۔ اس نے پہلے تو اپنے اللہ کا شکر ادا کیا

جس نے اسے اتنی ہمت دی۔ پھر اس نے چوکیدار سے پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ یہ کیا سوانگ رچایا تھا۔ پہلے تو چوکیدار نے بتانے میں کچھ ہیر پھیر کی لیکن جب سلیم نے اچھی طرح اس کی مرمت بنائی اور پستول دکھا کر مار ڈالنے کی دھمکی دی تو اس نے ساری باتیں بتادیں

سلیم نے پوچھا کہ: "اچھا بتاؤ یہ ڈراؤنی آوازیں کہاں سے آرہی تھیں؟" چوکیدار نے جواب دیا کہ کوٹھی کے نیچے ایک تہ خانہ ہے اس میں ان آوازوں کے بھرے ہوئے ریکارڈ رکھے ہوئے ہیں میں انھیں گراموفون پر بجا رہا تھا۔ پھر سلیم نے اس کھوپڑی کا حال پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ بھی اسی چوکیدار نے نالی کے منہ میں باہر سے داخل کردی تھی سلیم نے پوچھا" تو اچھا پھر وہ آپ سے آپ چلتی کیسے تھی؟ تو معلوم ہوا کہ اس کھوپڑی میں ایک چوہیا بند کردی گئی تھی چوہیا کے چلنے سے کھوپڑی بھی ہلتی تھی۔

پھر سلیم نے پوچھا: "اچھا میں بے ہوش کیسے ہوگیا تھا؟" تو چوکیدار نے بتایا کہ جو ڈبہ چھت میں سے اس نے گرایا تھا اُس میں بے ہوش کرنے والی دوا بھری ہوئی تھی۔ جیسے ہی سلیم نے اس کو کھولا اس کی بُو ناک میں گئی اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ سلیم کے بے ہوش ہونے پر چوکیدار ایک کھڑکی کھول کر اندر آیا۔ سلیم کو زمین پر لٹا دیا اور اس کے پستول میں سے کارتوس نکال کر پٹاخے رکھ دیے اور پھر ایک دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ اسی دروازے سے چوکیدار بھوت کا بھیس بدل کر اندر آیا تھا اور جھوم جھوم کر اس لیے آگے بڑھ رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سلیم ڈر کر بھاگ جائے۔ چوکیدار کو پہلے تو معلوم تھا کہ پستول کے پٹاخوں سے کچھ بھی نہ ہوگا۔ لیکن جب سلیم نے دوبارہ کارتوس رکھ لیے تو اب اسے اپنی جان بچانے کے لیے سلیم سے معافی مانگنی پڑی۔

سلیم کو بڑی خوشی تھی۔ وہ صبح ہوتے ہی نماز کے بعد ایک تانگہ لایا اور اُس پر اس بدمعاش چوکیدار کو لاد کر سوداگر کے گھر لے گیا۔ پتہ لگانے پر یہ معلوم ہوا کہ اس چوکیدار نے یہ ساری حرکتیں اسی امر سنگھ کے سکھانے پڑھانے سے کی تھیں۔ امر سنگھ اس طرح چالاکی سے اس کوٹھی کو کوڑیوں کے مول خریدنا چاہتا تھا ——— سوداگر نے سب سے پہلے پولیس کو اطلاع کرکے امر سنگھ کو گرفتار کرایا۔ اور امر سنگھ اور چوکیدار دونوں کو دھوکا دینے کے جرم میں ساری عمر کی قید کی سزا ہوئی۔

سوداگر کی نظر میں سلیم بہت ہی پیارا ہوگیا۔ اس کی بہادری اور ایمان

قوت کو دیکھ کر سوداگر نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ اور وہ کوٹھی اسی کو دے دی۔

سلیم کا باپ بھی بہت خوش تھا۔ آج اسے پتہ چلا کہ بچوں کو اگر بچپن میں بھوتوں اور پریتوں سے نہ ڈرایا جائے اور ان کے دل میں اللہ کے سوا کسی اَور کا ڈر نہ بیٹھنے دیا جائے تو ایسے لڑکے کیسے بڑے بڑے کام کر سکتے ہیں +

(بچّوں کے ہندی رسالے "اجالا" سے)

آپ کا خط ملا

ذکاء اللہ صاحب ثاقب

اچھا مضمون نگار بننے کے لیے اس خواہش کو دل سے ضرور نکال دیجیے کہ آپ کا ہر مضمون شائع ہی ہو جائے۔ آپ لکھے جائیں یہاں تک کہ آپ کے تقاضا کرنے کے بدلے خود مضمون کا یہ تقاضا ہو جانے کہ اُسے شائع کیا جائے۔ آپ کو جو مضمون اچھا معلوم ہو اُسے بار بار پڑھیں کہ وہ کیوں اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بس وہی باتیں آپ بھی پیدا کریں۔

پ۔ ج اعظمی صاحب

آپ کی نظم ملی۔ معمولی ترمیم کے ساتھ انشاء اللہ جلد ہی شائع ہوگی۔ ایسی ننھی منی نظمیں اور بھیجیے۔

سید جمیل الرحمٰن صاحب خاموش

آپ کا خط ملا۔ ماں باپ سچ مچ اللہ کی بڑی نعمت ہیں۔ لیکن اگر اللہ کی مشیت یہ ہو کہ وہ انھیں اپنے پاس بلا لے، تب بھی اُس کی رحمت کے دروازے بند نہیں ہوتے۔ دُنیا میں بہت سے بڑے بڑے آدمی ہوتے ہیں جن کو بچپن میں ہی ماں کی گود اور باپ کی شفقت سے محروم ہو جانا پڑا۔ تم اللہ کا نام لے کر علم حاصل کرو۔ خود نیک بنو اور یہ فیصلہ کرو کہ تم دُنیا میں اللہ کے سپاہی بن کر اُٹھو گے اور دُنیا سے اللہ کی بغاوت کو مٹا کر اللہ کے کلمے کو بلند کرو گے ——— یہی وہ سب سے بڑی دولت ہے۔

ہم اس دُنیا میں کما سکتے ہیں ـــــــ اور ہاں دیکھیے مسلمان تو بس اللہ کا غلا
ہوتا ہے، آپ نے اپنے خط میں جگہ جگہ "آپ کا غلام" لکھا ہے، یہ ٹھیک نہیں ہم
آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کا غلام یا آقا نہیں ہو سکتا۔

میاں مرتضیٰ علی خاں۔ حیدرآباد سندھ

اللہ کا بڑا شکر ہے کہ الحسنات آپ کو پسند آیا، اور آپ نے اس کے
ایک مضمون بھی بھیجا، اس سے اور زیادہ خوشی ہوئی کہ آپ کو دین کی باتیں بچوں :
پھیلانے کا بڑا شوق ہے۔ ہونہار لیگ میں آخرت کے موضوع پر آپ نے جو باتیں لکھ
وہ بہت ہی ٹھیک تھیں، آپ لوگوں کے نام رکھنے کی پرواہ نہ کریں، آپ کو تو ا
کام کا بدلہ اللہ سے لینا ہے۔ آپ کا یہ مضمون ابھی شائع نہ ہو سکے گا۔

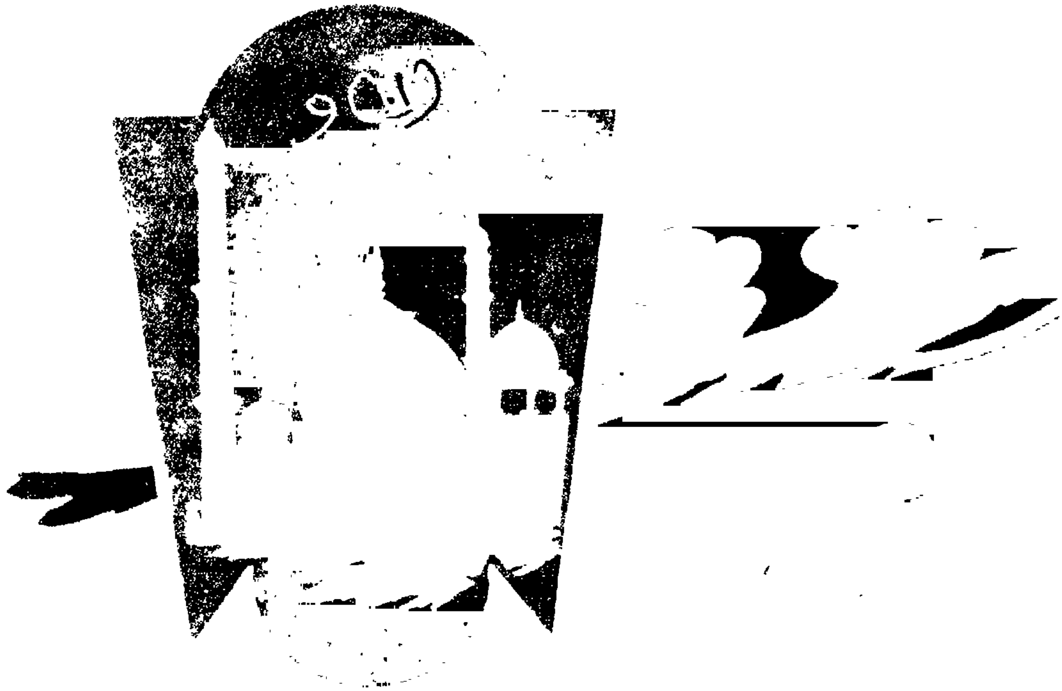
وحید قیصر صاحب۔ راولپنڈی

نظم ملی۔ اتنے عرصے کے بعد یاد آوری کا شکریہ۔ مگر اب کی مرتبہ
الفاظ کے انتخاب میں معیار بہت بلند کر دیا۔ مشکل الفاظ اور مشکل تراکیب
سے بچتے ہوئے الحسنات کے لیے کچھ بھیجیے۔

کحل رُوحی صاحبہ

آپ نے جس مرہٹی مضمون کا ترجمہ بھیجا ہے وہ یوں تو بڑا پیارا مضمو
معلوم ہوتا ہے۔ منظر نگاری بڑی کامیابی کے ساتھ کی گئی ہے۔ لیکن آ
جانتی ہیں کہ الحسنات کے سامنے ایک مقصد ہے۔ کاش ایسے اچھے مضمو
میں اس مقصد کی بھی کچھ جھلک ہوتی تو یہ یقیناً شائع ہوتا۔ اس کے ب
بعض کسی فن کے تقاضے پر ہم کوئی مضمون شائع کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

جون اول — جامعہ نگر، دہلی — ۱۹۵۱ء





آٹھ آنے

جلد ۹ [illegible] نمبر ۱۱

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

بچوں اور بچیوں کے لیے

مسلمان گھرانوں کی اصلاح

رسالہ

الحسنات

رام پور

جون اول ۱۹۵۱ء

مدیر: ابو سلیم محمد عبد الحی

چندہ: سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے ــ پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے ــ تین روپے
فی کاپی ــــــــ چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبد الحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس رامپور میں چھپا کر دفتر الحسنات رامپور (یو۔ پی) سے شائع کیا

احساسات

بچوں کو دینی تعلیمات دلانے کی اہمیت اور اس راہ کی مشکلات کے بارے میں آپ پچھلے رسالے میں تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ابھی ایسے لوگ بہت کم ہیں جو مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دلانے کی اہمیت سے انکار کرتے یا اُس کی مخالفت کرتے ہوں۔ لیکن یہ بات بھی کافی رنج دینے والی ہے کہ ایسے لوگ بھی بہت ہی کم ہیں جو اس مشکل کا کوئی مناسب حل پیش کریں اور مسلمانوں کے سامنے ان کی اس پریشانی کا کوئی علاج رکھ سکیں۔ بے دینی اور الحاد کے موجودہ طوفان میں دین کو باقی رکھنے اور اللہ کے کلمے پر مضبوطی سے جمے رہنے کے لیے جس طریقے پر کام کرنے کی ضرورت ہے وہ بہت کم لوگوں کے سامنے ہے۔ وقت کا تقاضا تو یہی ہے کہ اللہ کے دین کے نام لیوا ہر طرف سے کٹ کر پوری یکسوئی کے ساتھ دین کو باقی رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ لگادیں اور اپنی پوری کوشش کا بدلہ سوائے اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی کے اور کسی چیز کو نہ ٹھہرائیں۔ مذہب کو زندگی کا ضمیمہ بنا کر اُس کی حفاظت کرنے کے جو پروگرام بھی بنائے جائیں گے ان سے کوئی کام نہ بنے گا۔ ہماری پریشانیوں کا صحیح علاج یہ ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی کو اللہ کے دین کے سانچے میں ڈھال لینے کا فیصلہ کرلیں، اور اللہ کے دین کو قایم کرنا اپنی ہر کوشش کا مقصود ٹھیرالیں۔

لیکن کچھ لوگوں کو یا تو موجودہ دَور میں اس علاج کے کارگر ہونے کا پورا پورا یقین نہیں ہے، یا پھر وہ اس علاج کو اختیار کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتے۔ اسی لیے اس ضرورت کو محسوس کرنے کے بعد مختلف قسم کے علاج پیش کیے جاتے ہیں۔ آیئے، پہلے ان علاجوں کی کچھ تشریح آپ کے سامنے کردی جائے۔

کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ اسکولوں اور مدرسوں میں خالص لادینی تعلیم دی جائے۔ اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسکولوں میں جو کچھ پڑھایا جائے اس کا تعلق

ایک عرصے سے دین کا فہم اور دین کا تصور بھی اس قدر ناقص ہوگیا ہے کہ اس کی وجہ سے انھیں اپنی اولاد کے لیے کھانا، کپڑا، صحت، تعلیم، اور معاش کی جتنی فکر ہوتی ہے اس کے مقابلے میں ان کے دین اور دینی تعلیم کی فکر سو حصوں میں سے ایک حصّہ بھی نہیں ہوتی ۔

عام مسلمانوں میں دین کے لیے جذبے اور شوق کی اس درجہ کمی کے ہوتے ہوئے یہ کسی طرح ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنے بل بوتے پر کسی دینی نظام کو چلاتے جائیں اور اپنے بچّوں کے تن اور پیٹ کی ضروریات کو کاٹ کر ان کی دینی تعلیم کے لیے پورے حوصلے سے کوئی مناسب بندوبست کرلیں۔ عام مسلمانوں کی مالی حالت یوں بھی کچھ اچھی نہیں ہے اور پھر اب تو مختلف اسباب کی بنا پر یہ حالت بھی مسلسل خراب ہوتی جا رہی ہے۔ اس لیے اس تدبیر کو کارگر بنانے کے لیے جس سرمائے کی ضرورت ہوگی وہ اسی صورت میں فراہم ہوسکتا ہے کہ جب مسلمان اپنی جان اور اپنے مال سے زیادہ دین کی حفاظت کے لیے اور اپنی آئندہ نسلوں کو مسلمان باقی رکھنے کے لیے تیار ہو جائیں ـــــــ یوں اوپر سے کسی تدبیر کو لاد دینے سے کوئی کام نہ بنے گا اور اس کا زندہ ثبوت وہ دینی مدرسے ہیں جو اگرچہ عرصے سے دین کے ہی نام پر کام کرتے رہے ہیں، لیکن اب وہ بھی مالی مجبوریوں کی وجہ سے برابر دم توڑ رہے ہیں ۔

مال کی فراہمی اور جذبۂ و شوق کی موجودگی کے بعد بھی کسی کام کو اچھی طرح کرلینے کے لیے نظم کی سخت ضرورت ہے۔ اگر اچھا انتظام نہ ہو تو مال و اسباب کے باوجود کاموں میں ابتری ہی رہتی ہے۔ اور اسی طرح اگر کام کرنے والوں سے کام لینے کا کوئی بندوبست نہ ہو تو وہ بہت جلد کاموں کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں اور پھر مایوس ہوکر بیٹھ رہتے ہیں ۔

سچی بات تو یہ ہے کہ نظم مال و دولت اور جذبۂ شوق دونوں سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر اچھی تنظیم ہو تو معمولی کام کرنے والے اور معمولی سرمایہ رکھنے والے بھی بڑا اچھا کام کرکے دکھا دیتے ہیں ـــــــ مسلمان آج کل اس نعمت سے بھی محروم ہیں۔ ان میں کوئی تنظیم نہیں ہے۔ ایک دوسرے پر اعتماد

سُن کر اور فقہ کے کچھ مسائل رَٹ کر واقعی معنوں میں اسلام اور اس کے تقاضوں کو سمجھ لے گا ——— پھر اب تو حالات اور بھی بدتر ہو چکے ہیں۔ انگریزی دَور میں جن لوگوں کے ہاتھ میں انتظام تھا، انھیں عوام کی خوشنودی کے لیے کسی خاص مذہب یا کسی خاص تہذیب کو اسکولوں میں رواج دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ عوام کی اکثریت ایک خاص قسم کے قومی اور مذہبی جذبے سے مغلوب ہے۔ اور ہمارے موجودہ نظام کی گاڑی چلانے والے یا تو خود اس جذبے کا شکار ہیں یا پھر وہ اپنی عافیت کے لیے عوام کی خواہش کے مطابق کام کرنے پر مجبور ہیں۔ پھر مسلمانوں کو اسکولوں کے ساتھ اس قسم کا ایک پُچھلّا لگانے کی اجازت دے دینا، یا اس قسم کے کسی کام کی سرپرستی قبول کرلینا موجودہ حکومت کے لیے تقریبًا ناممکن ہی ہے۔ آخر وہ کونسا ایسا جذبہ یا کونسا ایسا دباؤ ممکن ہے جس کی بُنیاد پر حکومت مسلمانوں کے ساتھ اس قسم کی کوئی خصوصیت برتنے کے لیے تیار ہو جائے۔

ہمارے نزدیک یہ تجویز نہ تو مفید ہی ہے اور نہ بظاہر حالات ممکن ہی معلوم ہوتی ہے۔

اسی سلسلے کی تیسری تجویز جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے طریقے پر کثرت سے دینی مدارس کھولیں اور اپنے بچّوں کو دینی تعلیم دلائیں ——— تدبیر کی حد تک یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس تدبیر کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان پُورے شوق اور پُورے ولولے کے ساتھ اس طرف توجہ کریں، اس کے لیے کافی سرمائے کا انتظام ہو۔ اور نظم کو خوبی کے ساتھ چلانے کے لیے مسلمانوں میں کوئی ایسا اجتماعی نظم موجود ہو جس پر کثرت سے اعتماد کیا جاتا ہو اور جس کے ہاتھوں میں اس انتظام کو دے کر مسلمان پُورا اطمینان محسوس کرسکیں۔ بدقسمتی سے ان میں سے کوئی بات بھی مسلمانوں میں موجود نہیں ہے۔ دینی تعلیم، دین کی اہمیت، کی ضرورت، اور دینی باتوں سے لگاؤ مسلمانوں میں جس قدر کم ہو چکا ہے وہ سب جانتے ہیں۔ ایک عرصے سے مسلمان عام طور پر یا تو دین کی طرف سے غافل ہیں، یا اگر توجہ کرتے بھی ہیں تو بہت ہی معمولی اور بہت ہی کم۔ پھر عام مسلمانوں میں

وہ اس اندیشے سے کہ کہیں لوگ اس کیاری میں گھٹیا قسم کے بدبودار پھول نہ لگادیں یہ مشورہ کیسے دے سکتا ہے کہ پہلے اس کیاری کی مٹی میں ریہہ اور نمک ملاکر اس کو ہر قسم کے پودے اُگانے کے لیے ناقابل بنادیا جائے' اور اس مشورے سے اُس کی غرض یہ ہو کہ اس طرح کیاری میں کوئی ایسا پودا نہ اُگ سکے گا جو اسے پسند نہیں ہے اور وہ یہ سوچتا ہو کہ اس طرح آخرکار اسے اس کیاری میں اپنی پسند کا گلاب لگانے کا موقع مل ہی جائے گا۔ جس زمین کو پھولوں کی کاشت کے لیے پہلے ہی ناکارہ بنادیا گیا ہو' اُس سے پھر اپنی پسند کی پیداوار حاصل کرنے کی اُمیدیں لگانا آپ ہی سوچیے کتنی بڑی غلطی ہے۔

کچھ لوگوں کی خواہش ہے کہ مسلمانوں کے دینی تحفظ کے لیے اسکولوں میں دینیات کا کوئی نصاب شامل کردیا جائے چاہے اس نصاب کے لیے اسکول کے گھنٹوں کے علاوہ ہی کچھ وقت کیوں نہ دینا پڑے۔ یہ تجربہ کوئی نیا تجربہ نہیں ہے۔ اب سے پہلے انگریزوں کے دورِ حکومت میں بہت سے اسکول ایسے موجود تھے جن میں باقاعدہ دینیات کا نصاب شامل تھا۔ کسی کسی جگہ تو یہ نصاب لازمی بھی تھا اور طالب علموں کو دینیات کے مضمون میں بھی اسی طرح امتحان پاس کرنا پڑتا تھا جس طرح دوسرے مضامین میں۔ لیکن اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ دین سے بے تعلقی اور دینی تعلیم کا مذاق اُڑانے کی مشق ایسی تعلیم گاہوں کے طلبا میں دوسرے طلبا کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی پائی جاتی تھی ——— بات بالکل صاف ہے۔ جو طالب علم دن بھر اپنے دوسرے مضامین کی تعلیم میں یہ محسوس ہی نہ کرسکے کہ آخر دُنیا اور اس کے معاملات سے خدا کا کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں۔ جس کے سامنے اس کے اکثر اُستادوں کی سیرت اور کردار بالکل غیر اسلامی سانچوں میں ڈھلے ہوئے پائے جائیں جو صبح سے شام تک کبھی کسی موقع پر یہ محسوس ہی نہ کرسکے کہ انسان' اس کے علوم اور اس کی جدوجہد کا کوئی تعلق خدا سے بھی ہوسکتا ہے یا نہیں۔ جس کو یہ پتہ ہی نہ ہو کہ اسلام بھی زندگی کے تمام معاملات میں کوئی ہدایت دے سکتا ہے۔ اس طالب علم سے آپ یہ کیسے اُمید کرسکتے ہیں کہ وہ دینیات کے ایک گھنٹے میں ایمانیات کی کچھ باتیں

کسی طرح بھی کسی خاص مذہب سے نہ ہو۔ ان لوگوں کے نزدیک یہ ترکیب مسلمان بچوں کو غیر اسلامی تعلیمات سے اور دوسرے مذہبوں کے عقیدوں اور خیالات سے بچالینے کے لیے مُفید ہوسکتی ہے ــــــــ ہمارے نزدیک یہ بات بہت ہی بےسمجھی کی بات ہے۔ اوّل تو اس ملک میں جو باشندے کثرت سے بستے ہیں اور جن کے ہاتھ میں اس وقت ملک کا انتظام ہے ان کا خود ایک مذہبی رُجحان ہے۔ ان کے کرتا دھرتا چاہے کتنے ہی سوجھ بوجھ والے کیوں نہ ہوں لیکن وہ بھی عوام کے مطالبوں کے آگے اپنے کو مجبور پاتے ہیں اور اس وقت یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ اسکولوں کی فضا کو قدیم ہندوستانی مذہبیت اور روایتی معتقدات اور تخیلات سے پاک رکھا جاسکے۔ چنانچہ اس تین برس کا تجربہ بھی ہمارے سامنے ہے اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اسکولوں کے ماحول میں وہ تصوّرات اور وہ افکار جو یہاں کے بسنے والوں کی زیادہ تعداد کو پسند ہیں کس تیزی کے ساتھ جڑ پکڑتے جا رہے ہیں۔

پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہمارے اس مطالبے کی بنیاد پر یا خود اپنی مصلحتوں کی خاطر تعلیم کا نظام واقعتاً لادینی ہو بھی جائے تو کیا اس سے ہماری مشکل کسی درجہ میں حل ہوسکتی ہے۔ لادینیت تو خود اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔ جب ایک طرف آپ کے بچوں کے ذہن کو اس انداز سے تیار کیا جائے گا کہ گویا دُنیا، اس کے معاملات، اس کے علوم اور اس کی تاریخ کا کوئی تعلق کسی مذہب سے نہیں ہے، تو پھر آپ ہی سوچیے کہ ایسے ذہنوں کے لیے اسلام کے صحیح تصوّر کو قبول کرلینے کی کیا گنجائش باقی رہ جائے گی۔ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام بھی اگر چند ایسی رسوم کا نام ہوتا جن کا تعلق انسان کی نجی زندگی سے آگے بڑھ کر کسی اور چیز سے نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ اس قسم کے "لادینی" ذہنوں میں بھی اس کے لیے کوئی گوشہ نکل آتا۔ لیکن کسی ایسے ذہن سے آپ یہ اُمید کس طرح کرسکیں گے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے کو اسی انداز سے قبول کرسکے گا جس انداز سے قبول کرنا اسلام کا تقاضا ہو۔

"لادینیت" دراصل خود ایک دین ہے۔ اور جس دل میں اس دین کی بُنیادیں قائم ہوجائیں پھر اس میں اللہ کے دین (اسلام) کے لیے جگہ پیدا کرنا اُسی وقت ممکن ہے جب اس سے لادینیت کو اُکھاڑ پھینکا جاسکے۔ جس شخص کو کسی کیاری میں کوئی عمدہ قسم کا گلاب لگانا ہو

آپس میں مل کر کام کرنے کا حوصلہ، کسی نظم کی پابندی، اور کسی نظام کی اطاعت یہ خوبیاں ان میں نہیں پائی جاتیں۔ حالانکہ اسلام کی نظر میں مسلمان کا تصوّر ایک منظم پارٹی کے ممبر کی ہی حیثیت سے ہے۔ اسلام کسی حال میں بھی دو مسلمانوں کو بلا کسی تنظیم کے دیکھنا نہیں چاہتا۔ عبادات میں، معاملات میں، آپس کے تعلقات میں، ہر جگہ اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ مسلمان آپس میں ایک نظم قایم کر کے رہیں۔ شہر میں ہوں تو شہری نظم کی پابندی کریں۔ ملک میں اسلامی نظام قایم ہو تو اُس کی اطاعت اُن پر فرض ہے۔ جنگل اور سفر میں ہوں تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنا کر اُس کی اطاعت کرنے کی ہدایت ہے۔ غرض یہ کہ آپ جتنا غور کریں گے یہی پائیں گے کہ اسلام بغیر جماعت کے کسی مسلمان کی زندگی پسند نہیں کرتا۔

دینی مدارس قایم کرنے یا کسی اور قسم کا کام کرنے کے لیے سب سے اہم ضرورت جماعتی نظم کی ہے۔ اس کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کیا موجودہ دَور میں محض دینی مدارس کا قیام ہماری آنے والی نسلوں کو دین پر قایم رکھنے کے لیے کافی ہے؟

اسی سلسلے میں انشاءاللہ تعالیٰ مزید تفصیلات آپ آئندہ رسالے میں پڑھیں گے۔

جب یہ رسالہ حسناتی بھائی بہنوں کے ہاتھ میں پہنچے گا تو رمضان شریف کا مبارک مہینہ شروع ہونے والا ہی ہوگا۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں زندگی کی اس مُہلت میں پھر ایک بار ان برکت والے دنوں میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ جہاں جہاں "بزمِ حسنات" قایم ہے وہاں اس موقع پر کچھ خصوصی اجتماعات ہوں گے اور خاص طور پر رمضان کی فضیلت اور اس ماہ میں عبادات کی اہمیت بیان کرنے والے مضامین پڑھے جائیں گے۔

سورۂ ھود کی تشریح پچھلے رسالے میں ختم ہو چکی ہے۔ یہ سورہ اُس وقت

نازل ہوئی تھی جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں ہی تھے اور اسلام کی دعوت دینے کے بعد کافی مشکلات کا مقابلہ فرما رہے تھے۔ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی زندگی مشرکین اور کافرین نے دوبھر کر دی تھی۔ ایسے حالات میں پچھلے انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے واقعات بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی راہ پر جمے رہنے کی ہدایت مختلف انداز سے فرمائی اور جگہ جگہ حالات کا مقابلہ کرنے اور شرک اور کفر کے طوفان میں اسلام کی راہ پر جمے رہنے کی صورتیں بیان فرمائیں۔ یہ ساری باتیں آپ کے سامنے آچکی ہیں اور ہمیں اُمید ہے کہ ان باتوں سے آپ نے کافی سبق حاصل کیا ہوگا۔ اب آئندہ رسالے میں قرآن کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے ہم نے سورۂ انفال کا انتخاب کیا ہے۔

سورۂ انفال ہجرت کے دو سال بعد نازل ہوئی۔ یہ وہ دَور تھا کہ اسلام اور کفر میں باقاعدہ کشمکش شروع ہو چکی تھی۔ اور اب مسلمانوں کی آزمائش کچھ دوسرے انداز سے ہونا تھی۔ ہمیں اُمید ہے کہ اس سورۃ کے مضامین سے آپ کو اسلامی تحریک کا ایک دوسرا رُخ سمجھنے کا موقع ملے گا۔

اصل سورۃ کی تشریح شروع کرنے سے پہلے اُس وقت کے کچھ تاریخی حالات آپ کو بتانا ضروری ہیں تاکہ آپ اُن کی روشنی میں سورہ کے مضامین کو ٹھیک طریقے سے سمجھ لیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ ان مضامین کو بہت دل لگا کر پڑھیں گے اور یاد رکھنے کی کوشش کریں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ انفال

سورۂ انفال ہجرت کے دوسرے سال یعنی ۲ ہجری میں **بدر** کی لڑائی کے بعد نازل ہوئی ہے۔ بدر کی لڑائی کفر اور اسلام کے درمیان سب سے پہلا باقاعدہ لڑائی تھی۔ اس سورہ میں اس لڑائی کے واقعات پر اللہ تعالے نے

مفصل تبصرہ فرمایا ہے۔

اس سورۃ کے مضامین پر غور کرنے سے پہلے اگر آپ کو یہ بتادیا جائے کہ اُس وقت عام تاریخی حالات کیا تھے تو آپ پوری بات آسانی سے سمجھ لیں گے۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن مکہ تھا' آپ وہیں بڑھے اور پلے اور وہیں چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی۔ نبی ہونے کے بعد آپ نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت مکے کے رہنے والوں کے سامنے پیش کی۔ مختلف انداز سے اور مختلف مقامات پر آپ اللہ کا پیام لوگوں کو سُناتے رہے۔ یہ سلسلہ کوئی بارہ برس تک جاری رہا۔ اس مدت میں آپ نے جس انداز سے دعوت کا کام انجام دیا اس سے سب لوگوں کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ آپ کسی حال میں بھی اپنی بات سے پھرنے والے نہیں ہیں۔ مکے والوں نے آپ کو اور آپ کے مٹھی بھر ساتھیوں کو طرح طرح آزمالیا تھا۔ انھیں ستا کر' لالچ دے کر' دھمکا کر غرض ہر طرح سے یہ کوشش کرلی تھی کہ یہ لوگ اپنی بات سے پھر جائیں۔ لیکن اللہ کے ان بندوں نے جس دین کو قبول کیا تھا اُس کی خاطر انھوں نے ایسی ایسی مصیبتیں جھیل لی تھیں کہ لوگوں کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ ان مسلمانوں کو ان کے راستے سے ہٹا دینا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

ساتھ ہی ساتھ مکے کے وہ لوگ جو اپنی ذاتی اغراض اور ذاتی نفع نقصان کی خاطر اس تحریک کو مٹا دینا ضروری سمجھتے تھے یہ جان چکے تھے کہ اسلام کی باتیں لوگوں کے دلوں کو لگتی ہیں اور اسلام کا اثر برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ اس بات کو دیکھ دیکھ کر وہ اور زیادہ پریشان ہوتے تھے اور ہر طرح اسلام کو مٹا دینے پر تُلے ہوئے تھے۔ شروع شروع تو ان لوگوں نے مسلمانوں کی باتوں پر کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔ لیکن اب ان کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر چوکنے ہوچکے تھے اور سمجھتے تھے کہ اسلام کی طاقت کے بڑھنے سے ان کے لیے کس قسم کا خطرہ سامنے ہے ـــــــ لیکن اس کے باوجود مکمل اسلام کا نمونہ سامنے آنے کے لیے ابھی بہت کچھ کسر باقی تھی ۔

پہلی بات تو یہی تھی کہ ابھی ایمان لانے والوں کی پوری پوری جانچ نہیں

ہوسکی تھی۔ بلاشبہ وہ اس امتحان میں تو پورے اُتر چکے تھے جو اُنھیں مکے میں پیش آ
تھا۔ انھوں نے ہر طرح کے ظلم اسلام کی خاطر سہہ لیے تھے۔ انھوں نے رشتے داروں عزیز
کی محبت اور اپنے مال و دولت غرض کسی چیز کو بھی اسلام سے زیادہ عزیز نہیں رکھا
لیکن ابھی انھیں اس کا ثبوت دینا تھا کہ وہ اسلام کی خاطر اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر ہر
کے مقابلے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جب تک کسی تحریک کو ایسے لوگوں
ایک کافی تعداد میسّر نہ آجائے جو اپنے نصب العین کی خاطر سب کچھ۔ یہاں تک کہ اپنی جا
کی بھی بازی لگا دینے کے لیے تیار ہوں اُس وقت تک اس تحریک کو کامیابی نصیب نہیں
ہوتی ہے۔ اسلامی تحریک اب اس دَور میں داخل ہو رہی تھی جب یہ پتہ لگا لی
بہت ضروری تھا کہ ایسے کتنے لوگ اسلام کے ساتھ آچکے ہیں جو محض اسلام کی خا
اپنا سب کچھ قربان کرسکتے ہیں اور اس کے بدلے میں سوائے اللہ کی رضا اور آخر
کی کامیابی کے کسی قسم کی دُنیاوی دولت، حکومت، یا اقتدار کی آرزو نہیں رکھتے
دوسری بات یہ تھی کہ اگرچہ اسلام کی دعوت پورے ملک میں پھیل چکی تھی لیک
اس دعوت سے جن لوگوں نے اثر قبول کیا تھا وہ پورے ملک میں بٹے ہوئے تھ
اس دَور میں اسلام کو کفر کی جس منظّم طاقت سے مقابلہ کرنا تھا، اس کے لیے ضرو
تھی کہ اسلام کی ساری قوّت سمٹ کر کسی ایک جگہ جمع ہو جائے۔ ابھی تک کوئی ایسا مو
نہیں آیا تھا کہ اللہ کے دین کا ساتھ دینے والے سب لوگ ایک ساتھ مل کر اس
کی مخالف طاقتوں کا مقابلہ کرسکیں۔

تیسری کمی یہ تھی کہ ابھی تک اسلامی تحریک نے کسی جگہ جڑ نہیں پکڑی تھی۔ ا
الگ مسلمان جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے تھے اپنے اپنے ماحول میں بالکل اجن
ہوتے جا رہے تھے اور مخالف قوتیں اُنھیں اپنے میں سے نکال کر پھینک دینے
آمادہ نظر آتی تھیں۔ لیکن ابھی تک اسلام کا کوئی ایسا "ٹھکانہ" نہ تھا جہاں اُ
کی قوّت کو منظّم کیا جا سکے۔

چوتھی کسر یہ تھی کہ ابھی تک اسلام کو عملی زندگی کے تمام مسائل سے وابستہ
گیا تھا۔ کوئی ایسا سماج ابھی تک نہ بن سکا تھا جس میں اسلام کے اصول پورے ط
مکمل کر سامنے آتے۔ آپس میں مل جل کر رہنے کے طریقے، باہم تعلقات کے اصو

ن دین اور معاملات کے فیصلے کرنے کے ڈھنگ، غرض بہت سی ایسی باتیں تھیں ن کے بارے میں اسلام کی عملی ہدایات ابھی تک سامنے نہیں آئی تھیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ابھی تک اسلام کو اپنی سیاست اور حکومت کے اصول پیش کرنے ر دوسری طاقتوں سے صلح اور جنگ کے معاملات طے کرنے کا بھی کوئی موقع نہ ملا تھا ر اس بارے میں بھی خدائی ہدایات کی روشنی میں مسلمانوں کو ابھی بہت کچھ سیکھنا تھا۔ مدینۂ طیبہ کی زندگی میں ان سب باتوں کو پورا کرنے کا موقع ملا۔ سورۂ انفال یں جو ہدایات آپ کے سامنے آئیں گی ان کو پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ اسلام س طرح پوری زندگی کے لیے ایک مکمل قانون انسان کے سامنے پیش کرتا ہے +

لطیف الرحمٰن خاں شاہد بھوپالی

اللہ ہی سے دل کو لگائیں

حق سیکھیں اور حق ہی سکھائیں — اللہ ہی سے دل کو لگائیں
سچے مسلم ہم بن جائیں — پڑھ لکھ کر عالم بن جائیں
اُس کے بندے ہم بن جائیں
اللہ ہی سے دل کو لگائیں

دینِ حق کو قایم کر دیں — دُنیا کو رحمت سے بھر دیں
کلمہ رب کا اونچا کر دیں — اپنے مالک کو خوش کر دیں
دین کو دُنیا میں پھیلائیں
اللہ ہی سے دل کو لگائیں

کفر کو ہم دُنیا سے مٹائیں — دینِ حق کو ہم پھیلائیں
اُس کے سپاہی ہم بن جائیں — حق کے داعی ہم بن جائیں
علم کو سیکھیں علم سکھائیں
اللہ ہی سے دل کو لگائیں

راہ کے رہبر ہم بن جائیں — سچے مومن ہم بن جائیں
دین کی باتیں سب کو بتائیں — اچھے بچے ہم بن جائیں
آؤ شاہدؔ اس دین پہ آئیں
اللہ ہی سے دل کو لگائیں

مسلمانوں کا امیر یا اُن کا خادم!

اسلامی مہینے کی آخری راتوں میں سے ایک رات تھی۔ مسجد نبویؐ میں عشاء کی نماز ہوئی۔ اکثر لوگ چلے گئے۔ چند ایک نے ایک شخص سے آیتوں کا مطلب پوچھا۔ نبیؐ کریم کی باتوں کے متعلق کچھ سُنا۔ سب نیند کے لیے گھروں کو گئے۔ لیکن نماز کا امام، قرآن بتانے والا، آں حضرت کی باتیں سُنانے والا صحرا کی جانب گیا۔ آسمان پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ یہ اللہ والا اپنے نور کی روشنی میں جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ صرف اس کا خدا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جنگل میں ایک خیمہ ہے جو اتنا شاندار نہیں۔ اس کے سامنے ایک بدوی بیٹھا ہوا ہے اس کا چہرہ غمگین ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں، مگر ابھی بہے نہیں۔ نمازی نے اس مسافر سے کہا:

"السلام علیکم"۔ بدوی نے توجہ نہ کی۔ اُس نے سلام کو دُہرایا۔ بدوی اپنی فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اس سلام کو پھر خاطر میں نہ لایا۔ نمازی نے تیسری مرتبہ بھی دُعا سے یاد کیا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ چوتھی مرتبہ وعلیکم السلام کہنے کے بجائے صحرائی نے بڑے غصّے سے کہا: "ہٹ جاؤ اپنی راہ لو، میرے پاس کیا ہے جو میں تمہیں دوں"۔

نمازی: "بھائی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اس لیے مجھ سے بے زار ہیں"۔

بدوی: "پریشان نہ کر، جوش نہ دلا، وگرنہ تجھے ...."

نمازی: "آپ غصّہ تھوک دیں، خفگی کی بات نہیں، آدمی آدمی کی مدد کرتا ہے۔ میرا مقصد آپ کو تنگ کرنا نہیں۔ بلکہ ممکن ہو تو خدمت کرنا ہے"۔

بدوی: "تلوار نکال کر، گھما کر، تم کون ہو، جاتے ہو یا نہیں۔ اگر زندگی عزیز ہے تو ہٹ جاؤ"۔

نمازی: "مَیں نہ مسافر ہوں' نہ گداگر' نہ ڈاکو۔ مَیں مدینے کا باشندہ ہوں۔ مَیں شہر میں تھا کہ مَیں نے آگ دیکھی۔ خیال آیا کہ کوئی صاحب آئے ہیں۔ مَیں چلوں ممکن ہے کہ انھیں کسی چیز کی ضرورت ہو۔ اگر ہوسکے تو مَیں آپ کی خدمت کے لیے تیار ہوں۔"

بدوی: "بہت خوب' تم مدنی ہو' کیا کام کرتے ہو؟"

نمازی: "مسلمانوں کی خدمت۔"

بدوی: "صبح ہونے کو ہے تھوڑی رات باقی ہے۔ اتنے اندھیرے میں تم گھر سے باہر کیوں نکلے؟"

نمازی: "مَیں جانتا ہوں کہ اکثر لوگ اس صحرا میں آیا کرتے ہیں' اور مَیں جو کچھ ہو سکتا ہے اُن کی خدمت کیا کرتا ہوں۔"

اتنے میں ایک درد میں ڈوبی ہوئی آواز خیمے کے اندر سے آئی۔

نمازی: "یہ کون ہے؟ اسے کیا تکلیف ہے؟"

بدوی: "یہ میری بیوی کی چیخ ہے اس کے بچّہ ہونے والا ہے' مَیں بےیارو مددگار ہوں' نہ مَیں مدینے والوں کو جانتا ہوں نہ مجھے معلوم ہے کہ یہاں کوئی دایہ ہے یا نہیں' اور اگر ہو بھی تو نہ میرے پاس درہم ہے نہ دینار' اس وقت میرے ساتھ کون آئے گی؟ اور مُفت یہ کام کون کرسکے گی؟ آپ میری مدد کریں کہ مَیں اپنی بیوی کے لیے دعا کرتا ہوں آپ آمین کہیں۔"

نمازی: "آپ گھبرائیں نہیں' مَیں ابھی مدینے جاتا ہوں' اور ایک اللہ والی نرم دل دایہ کو اپنے ساتھ لاتا ہوں۔"

بدوی: "بھائی میرے پاس اتنے پیسے کہاں کہ مَیں اُسے دوں۔"

نمازی: "فکر نہ کرو' مَیں ایسی دایہ لاؤں گا جو بڑی نیک ہے' وہ کچھ لیتی نہیں: وہ اجر صرف خدا سے لیا کرتی ہے۔"

گھر گئے ــــ آپ کی بیوی صاحبہ آپ کا انتظار کر رہی تھیں۔

بیوی صاحبہ: "آپ کے چہرے پر غم کیوں ہے' آپ کس لیے پریشان ہیں؟"

نمازی: "بات یہ ہے کہ آپ میری پریشانی دُور کرسکتی ہیں۔"

بیوی صاحبہ: "خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے مجھے ایک نیک کام کی اطلاع دی ہے، آپ کا کھانا حاضر ہے، کھانا کھالیں، اس طرح آپ جلد چل سکیں گے۔"

نمازی: "جو کچھ ہے اسے بھی آپ اُٹھالیں، آٹا، زیتون کا تیل، بکری کا دودھ جو موجود ہے، میں سواری لاتا ہوں، میرا خیال ہے کہ ان مسافروں نے کچھ نہیں کھایا یہ خوراک ان کے کام آئے گی۔"

یہ دونوں اونٹ پر سوار ہوئے۔ اونٹ ہَوا ہوگیا۔ توحید کا فرزند، توحید کی دختر کے ہمراہ خیمے کے پاس پہنچ گیا۔ نمازی نے بدوی سے کہا: "اجازت ہو تو میری گھر والی آپ کی گھر والی کے پاس جائے۔"

بدوی: "وہ خوشی سے جاسکتی ہیں، اللہ آپ دونوں کو نیک جزا دے۔"

نمازی: "لیجیے، یہ کھانا بھی حاضر ہے، آپ تناول فرمائیں۔"

بدوی بھوکا تھا بھوک کی وجہ سے نہ میزبان کو شریکِ دعوت کرسکا نہ بیوی کے لیے کچھ بچا سکا۔ نمازی نے آگ سُلگائی چولھا گرم کیا۔ اُس پر ہانڈی رکھی، پانی اور روغنِ زیتون ڈالا۔ آٹا اُس میں ملایا ہانڈی کو ہلایا۔

بدوی: "میرا پیٹ بھر گیا۔ کیا تم مدینے میں پیدا ہوئے؟"

نمازی: "نہیں، میں مکے میں پیدا ہوا۔"

بدوی: "آپ نے مکہ کب چھوڑا؟"

نمازی: "مکہ چھوڑے لمبی مدت ہوچکی ہے۔ میرا آقا مدینے آیا، میں اُس کا غلام تھا۔ میں بھی اُس کے ساتھ آیا۔"

بدوی: "کیا تم مالک کی غلامی میں رہے یا اُس نے تمھیں آزاد کردیا؟"

نمازی: "میں بدستور اُس کا غلام ہوں۔ ویسے یہ ہے کہ اُس کے طفیل میں آزاد ہوں، مسلمانوں کا خادم ہوں۔ سچ ہے:

محمد کی غلامی ہے سندِ آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

بدوی: "کیا آپ نے کبھی آنحضرت کو بھی دیکھا؟

نمازی: "ہاں، اللہ نے مجھ پر یہ کرم کیا کہ میں نے انھیں دیکھا۔"
بدوی: "تم جب اُن کے غلام ہو، تو تمھیں معلوم ہوگا کہ اُن کے رہنے سہنے کا ڈھنگ کیا تھا؟"
نمازی: "میں یہی کیا کرتا ہوں۔ اُن کے رہنے سہنے کا ڈھنگ بتایا کرتا ہوں۔ سُنیے: اُن کی زندگی غایت درجے کی پاک اور سادہ تھی، آپ کی خوراک وہی تھی، جو عام مفلس مگر نیک انسانوں کی ہوا کرتی ہے۔ آپ کی پوشاک بھی بڑی سادہ تھی۔ آپ ہمیشہ صاف ستھرا رہا کرتے۔ اپنے سارے کام خود کرلیتے۔ اپنی بکریوں کا دودھ خود دوہتے، غریبوں، مسافروں، بیکسوں، بیواؤں کی پرورش آپ کی عام عادت تھی۔ آپ ہمیشہ خوش رہتے، آپ کے مقدس چہرے پر کبھی بل نہیں آتا تھا۔ ان کا ارشاد یہ ہے: "کہ سب سے اچھا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔" آپ کو دیکھ کر غرور کرنے والوں کا غرور رُخصت ہوجاتا تھا۔ آپ کی خاص شان تھی کہ آپ ہم میں ہماری طرح رہتے تھے۔ وہ ہر کام مشورے سے کرتے۔ ان کی رائے وہی تھی مگر آپ کسی کو مجبور کر کے اپنی رائے نہیں منواتے تھے۔ ہر ایک کی سُنتے تھے۔ میرے جیسی معمولی حیثیت کے غلام سے اکثر مشورہ کرتے تھے۔ ان کی زندگی سچ تھی حقیقت تھی۔ اُس میں بناوٹ نہ تھی، نمائش نہ تھی، تکلف نہ تھا۔"
بدوی: "آپ بتا سکتے ہیں کہ اُن کے دین کا عطر اور خلاصہ کیا ہے؟"
نمازی: "اُن کا ارشاد ہے: "دین خیر خواہی ہے۔ ان کی تعلیم اسلام ہے اسلام دو چیزوں سے بنا ہے" خدا کی اطاعت اور مخلوقِ خدا کی خدمت۔"
اندر سے ایک اور آواز آئی۔ اس میں چیخ نہیں تھی بلکہ کچھ خوشی تھی۔ بدوی بہت جلد واپس آیا، اور بولا:
بدوی: "مدنی اور مکّی بھائی! تو بتا تو نے کبھی حضرتِ عمرؓ کو بھی دیکھا ہے؟ سُنا ہے ویسے تو نیک ہے، مگر طبیعت کا بڑا سخت ہے۔"
مدنی: "ہاں میں اُسے خوب جانتا ہوں، بے شک طبیعت کا سخت ہونا بُری عادت ہے۔"
بدوی: "سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمانوں کو کیا ہوگیا کہ اُنھوں نے ایسے

سخت مزاج انسان کو اپنا امیر چن لیا۔"

مدنی:" ہو سکتا ہے کہ ان کی نگاہ میں مسلمانوں کا خادم اس سے بہتر کوئی نہ ہو۔"

نرم دل دایہ:" امیرالمومنین (مسلمانوں کے امیر) آپ کو مبارک ہو، آپ کے دوست کو خدا نے لڑکا عنایت کیا ہے۔"

بدوی:" حضور آپ! خدا کے لیے معاف کر دیں۔ آپ کی شان میں ایسے لفظ بول کر میری دنیا ہی نہیں عاقبت بھی خراب ہو گئی۔"

حضرتِ عمرؓ:" میرے عزیز دوست! اللہ تمہاری آنکھوں کو بچے سے ٹھنڈک پہنچائے، ہم تو خدا کے کارندے ہیں، ہمیں خدا کی محبت اور مخلوق کی خدمت آں حضرت نے سکھائی۔ میرے دوست اسلام میں امیر کی حیثیت خادم سے زیادہ نہیں ہے۔ اللہ آپ کی دُنیا اور عاقبت دونوں سنوارے۔ آپ نے ہنڈی اٹھائی اور نرم دل دایہ سے کہا:" ٹھنڈا ہونے سے پہلے یہ کھانا بدوی کی گھروالی کو کھلا دو۔"

آپ نے اور نرم دل دایہ نے بدوی کو مبارک باد دی۔ جب آپ مدینے میں داخل ہوئے تو مسجدِ نبویؐ کا مؤذن اذان دے رہا تھا۔

جناب وحید قیصر صاحب

وہ جب.....!

دہ جب اس زمیں پر تھے فتنے مچلتے
وہ جب اس زمیں پر تھے شیطان بستے

وہ جب اس زمیں پر تھے رقصاں اندھیرے
گناہوں کی ظلمت تھی دُنیا کو گھیرے

وہ جب ہر نفس تھا جہالت کا پیکر
گناہوں کا عادی جفاؤں کا خوگر

وہ جب اس زمیں پر تھی نایید اُلفت
فساد اور شر کی تھی ہر جا حکومت

تو اس دم خدا نے محمدؐ کو بھیجا
کہ جا نوعِ انسان کو راہ دکھلا

تو انسان کے دل کو تابندگی دے
زمانے کو قرآن کی روشنی دے

ہر اک گوشے میں نورِ اسلام پھیلا
"خدا ایک ہے" جا یہ سب کو تو بتلا

محمدؐ نے پھر چار سو جگمگایا
پلٹ دی کوئی دَم میں دُنیا کی کایا

بہادر بہن

بحث ہو رہی تھی کہ مرد اچھے ہیں، یا عورتیں۔ ایک خاتون نے کہا۔ یہ بحث فضول ہے اچھا یا اچھی وہ ہے جس کی سیرت اچھی ہے۔ ایک طالب علم نے کہا کہ مرد اس لیے اچھے ہیں کہ خدا نے کبھی کسی عورت کو نبیہ نہیں بنایا۔ اس کے جواب میں ایک طالبہ نے کہا: اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ صرف ایک جاہلہ نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔ باقی اگر سچے نبی مرد تھے، تو بناوٹی اور مصنوعی نبی بھی مرد ہی تھے۔ آپ کا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ خدا نے فرما دیا ہے کہ کوئی عورت نبیہ نہیں ہوسکتی۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے کہ خدا نے عورتوں پر کرم کیا کہ انھیں فرما دیا، انھیں جتا دیا وہ ایسی لغو حرکت نہ کریں۔ انھیں نہ دنیوی کامیابی ہوگی نہ دینی۔ یہ بھی تو کہو فرعون، نمرود، شداد وغیرہ موئے خدا کا دعویٰ کر بیٹھے، کیا بتا سکتے ہو کہ کسی عورت نے کبھی خدائی کا دعویٰ کیا ہو؟

طالب علم: ”بہن آپ ناراض نہ ہوں، مردوں نے اکثر ظلم عورتوں کی خاطر کیے ہیں۔“

طالبہ: ”یہ بھی بہت حد تک بے بنیاد بات ہے۔ یورپ میں پہلی جنگ جرمنی کے بادشاہ نے چھیڑی، آپ بتا سکتے ہیں کہ اس نے یہ فتنہ کس عورت کے لیے برپا کیا؟ ہٹلر نے کیوں تباہی مچائی؟ اس وقت آپ غور کریں کہ روس کا سٹالن مرد ہے یا عورت؟ وہ ساری دنیا کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ یہ کام کس چڑیل کے لیے کر رہا ہے؟ امریکہ کے ٹرومین کو خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے، سب اسے مان رہے ہیں۔ مگر اسے یہ دھن ہے کہ چین بھی اس کا کلمہ پڑھے روس بھی اس کا خادم ہو جائے۔ میں نے نہیں پڑھا کہ اس گھمنڈ کے پردے میں کسی عورت کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔“

طالب علم: ”میں تو اسلامی تاریخ کی بنا پر کچھ کہہ رہا تھا، آپ نے جرمنی، روس اور امریکہ کا قصہ چھیڑ دیا۔ آپ بتا سکتی ہیں کہ کون مسلمان خاتون سلطنت پر بیٹھی۔“

طالبہ:" گو مَیں بتاسکتی ہوں' مگر میری دعا یہ ہے کہ خواتین کبھی نہ بیٹھیں' اور خوشی کی بات ہے کہ بہت کم عورتوں کو یہ زحمت گوارا کرنا پڑی ہے۔ مَیں پھر عرض کرتی ہوں کہ یہ بحث فضول ہے۔ یہ تو کہو۔کیا کسی عورت نے بھی خلافت کے لیے کوشش کی ہے۔ بنی اُمیہ نے بنی عباس کا خون گرایا' عباسیوں نے امویوں کا تُھتراؤ کیا۔ کیا اس نوعیت کے مظالم عورتوں نے بھی کیے۔

طالب علم:" اسلام پر جو احسانات حضرت صدیقؓ' فاروقؓ' عثمانؓ علیؓ نے کیے کیا آپ اُن کا ذکر کرسکتی ہیں؟"

طالبہ:" جل جائے وہ دل جس میں ان کی عنایتوں کے انکار کا خیال پیدا ہو مگر یہ عرض کرتی ہوں' کہ کیا آپ حضرتِ عائشہؓ کے احسانات کا انکار کر سکتے ہیں؟ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ نے بہت سی فتوحات حاصل کیں' آپ بے نظیر بہادر تھے نبیؐ کریم نے دُعا کی تھی کہ اللہ انھیں مسلمان کرے۔ مگر اسلام کی تاریخ اٹھاکر دیکھو کہ اسلام کو یہ نعمت آنحضرتؐ کی دُعا' اور حضرت عمرؓ کی سگی بہنؓ کی بہادری اور قرآن خوانی کی وجہ سے نصیب ہوئی۔ اسلامی تاریخ کا ہر مبتدی (پہلی جماعت کا طالب علم) بھی جانتا ہے۔کہ کافروں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص نبیؐ کریمؐ کو شہید کرے گا' اُسے اتنے سُرخ اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔حضرتِ عمرؓ تلوار لے کر نبیؐ کریمؐ کو شہید کرنے کے لیے نکلے۔ راستے میں انھیں حضرت نعیمؓ ملے۔ انھوں نے کہا: "حضرت عمرؓ کہاں کے ارادے ہیں" حضرت عمرؓ بہادر تھے' نڈر تھے۔جو ان کے دل میں تھا کہہ گذرے' بولے:"آں حضرت کی طرف جا رہا ہوں" حضرت نعیم نے نہ انھیں پکڑا' نہ ان کے ہاتھ سے تلوار چھینی' وقت نازک تھا کہا تو یہ کہا: ؎

" بولے نعیم گھر کو تو پہلے سنبھالیے مسلم ہوئی بہن اُسے اپنا بنائیے

اس پر یہ ہوا: ؎

غُصّے کی آگ اور بھی یوں مشتعل ہوئی سب کچھ بُھلا کے اپنے محلّے کی راہ لی
دیکھا کہ چھپ کے کوئی بہن قرآن پڑھ رہی دروازہ کھٹکھٹایا تو مشکل سے وہ کھُلا
وہ مار دی بہن کو کہ بسمل ہی ہوگئی زخم آئے اس قدر کہ تھی خطرے میں زندگی
بولی وہ ہو کے جذبۂ ایماں سے بےقرار قرآن میری جاں ہے پڑھوں گی میں بار بار

لہ سخت نڈھال' زخمی ۔

کر خوب ظلم و جور جو تیرا خیال ہے اسلام کو میں چھوڑوں، یہ امر محال ہے
آپ معاف فرمائیں کہا میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ بہادر بہن نے حضرت عمرؓ کے دل سے کفر کو مٹا دیا بلاشبہ آنحضرتؐ نے جو دعا کی تھی وہ قبول ہوئی۔ مگر ہمیں اس پر فخر ہے کہ اس کا سبب حضرت عمرؓ کی سگی ہمشیرہ بنی۔"

طالبِ علم: "آخر کار وہ حضرت عمرؓ کی بہن تھی، کوئی معمولی عورت یہ کام نہ کر سکتی۔"

طالب: "یہ بھی آپ کی بھول ہے۔ اس سے بیشتر حضرت عمرؓ نے ایک لونڈی کو مارا تھا۔ اُس نے بھی کہہ دیا تھا کہ "مرجاؤں گی مگر اسلام نہیں چھوڑوں گی۔" اصل بات یہ ہے کہ مرد ہو یا عورت اسلام کی محبت وہ شے ہے کہ جو نئی زندگی پیدا کر دیتی ہے۔"

طالبِ علم: "اس سے تو آپ انکار نہیں کر سکتیں کہ عورت دب جانے والی ہستی ہے۔"

طالب: "میں نہیں مانتی، کافر ہو یا کافرہ، دبنا اُن کی قسمت میں ہے۔ اللہ والے کسی سے نہیں دبتے۔ اللہ والی جان دے دیتی ہے۔ لیکن کفر کا رُعب برداشت نہیں کر سکتی۔
سنو! سیدنا حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال کی تھی کہ عرب کے ایک بڑے قبیلے کے سردار مطعم نے حضرت ابو بکرؓ سے عرض کی آپ (حضرت ابو بکرؓ) اپنی صاحبزادی کی شادی اس (مطعم) کے لڑکے جبیر سے کر دیں ـــــ منگنی ہو گئی ـــــ لیکن مطعم کا سارا قبیلہ ڈر گیا، کہ اگر حضرت عائشہؓ ان کے خاندان میں پہنچ گئیں تو سب کو مسلمان بنا لیں گی۔ دیکھا آپ نے، ایک خاتون سے سارا قبیلہ ڈر گیا۔ آپ یہ تصور کیے ہوئے ہیں کہ عورتیں گھر والوں سے دَب جاتی ہیں، یہ دُرست نہیں۔ یہ سب باتیں اخلاق کی بلندی پر منحصر ہیں۔
اگر بیویوں کا کردار شاندار ہے تو وہ شوہر کے تمام گھر والوں کو اپنا بنا لیتی ہے اور اگر مَرد کی سیرت بے داغ ہے، تو وہ اپنا اثر پیدا کر لیتا ہے۔ آپ نے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد نہیں سُنا کہ "اسلام اثر قبول نہیں کرتا، بلکہ اثر ڈالتا ہے"۔ مَرد اور عورت اگر وہ اسلام پر فدا ہے تو اسلام اُس کا بول بالا کرے گا۔
قرآن فرماتا ہے: "کہ کفر اسلام پر غالب نہیں آسکتا۔ جس کسی کے اخلاق میں کفر کا کوئی حصّہ ہے وہ اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا [1] جو پُورے اسلام پر عمل کر رہا ہے"۔"

---

[1] ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

جناب شوکت علی حنا نیازی

مسلمان ہوں میں

نہیں نفس کی بندگی میرا مذہب ۔۔۔ نہ آبا پرستی رہا میرا مشرب
مجھے بندگی خدا سے ہے مطلب ۔۔۔ مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں میں

مجھے خواہشِ مال و دولت نہیں ہے ۔۔۔ مجھے عیشِ دُنیا کی چاہت نہیں ہے
مجھے ماسوا سے محبت نہیں ہے ۔۔۔ مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں میں

نہ حرص و خیانت کا ہے دل میں مسکن ۔۔۔ نہ بغض و حسد سے ہے رنگین دامن
وفا کے گلوں سے سجا میرا گلشن ۔۔۔ مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں میں

جو حضرت محمد رسولِ خدا ہیں ۔۔۔ وہی میرے رہبر مرے رہنما ہیں
مری کشتیٔ زیست کے ناخدا ہیں ۔۔۔ مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں میں

نہیں دُنیوی مشکلوں کا مجھے غم ۔۔۔ مری آنکھ ہے فکرِ عقبیٰ سے پُرنم
رضائے الٰہی کا جویا ہوں ہردم ۔۔۔ مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں میں

عمل میں ہوں پابندِ احکامِ قرآں ۔۔۔ دل و جاں سے مجھ کو پیارا ہے ایماں
خدا کا ہے اتنا بڑا مجھ پہ احساں ۔۔۔ مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں میں

سیمہ صاحبہ

اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ[1]

موسم بہت ہی خوشگوار تھا' آسمان پر ابر گھرا ہوا تھا' ہوا میں قدرے خنکی تھی ایک چھوٹے سے خوشنما باغ میں ہوا کی لہروں پر ٹھہر ٹھہر کر شیریں قہقہوں کے نغمے نشر کیے جا رہے تھے۔ میں سُن کر ضبط نہ کرسکی بے تابانہ اُدھر کھنچی چلی گئی۔

آخاہ! شمسہ، طیبہ، دُردانہ، زہرہ سبھی موجود ہیں۔ السلام علیکم۔

شمسہ: "تمہاری شدت سے کمی محسوس کی جا رہی تھی۔ ہماری بڑی خوش نصیبی ہے کہ تم بھی آگئیں۔ آج مدتوں کے بعد یہ موقعہ ہاتھ آیا ہے ......

...... اَللّٰهُ اَکْبَرُ ...... اَللّٰهُ اَکْبَرُ ......

....

میں: "لو بھئی ہم آئے کہ آپ لوگوں کی صحبت سے لطف اندوز ہوں کہ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کے دربار میں حاضری کا اعلان ہوگیا۔ چلو بھائی پہلے اس محفل میں شرکت کر آئیں اور اللہ کو یاد کر آئیں۔"

شمسہ: "اجی خدا کو تو روز ہی یاد کرتے ہیں۔ مگر ہم دو چار لڑکیاں بڑی ہی مشکل سے اکٹھی ہوتی ہیں۔ وقت بھی کم ہے' زہرہ کو ابھی فوراً جانا ہے اور مجھے بھی بہت سے کام ہیں آؤ ابھی جلدی ہی کیا ہے۔"

میں: "نہیں بھئی نماز کا وقت نکل جائے گا۔ نماز پڑھ لیں تو اطمینان سے لطف اُٹھایا جائے ...... کہیے' میں تنہا جاؤں؟

طیبہ: "آپ چلیے ہم لوگ ابھی آتے ہیں۔"

---

[1] جو لوگ آج ایک دوسرے کے بڑے دوست بنے ہوئے ہیں اُس دن (قیامت کے دن) ان میں سے کچھ لوگ ایک دوسرے کے سخت دُشمن ہو جائیں گے۔ سوائے متقیوں کے جو اُس دن بھی دوست ہی رہیں گے ۱۲

مَیں: "اچھا وقت تو ختم ہو گیا، مگر آپ لوگوں کو فرصت نہ ملی"
زُہرہ: "آپ تو پڑھ چکیں نا، ہماری فکر نہ کیجیے"
مَیں: "کیوں؟ کھانا کھاؤں تو آپ لوگوں کو پوچھوں اگر نہ پوچھوں تو کہیے کہ خود کھا ہمیں نہ پوچھا۔ نماز کے لیے کہوں تو ہماری فکر نہ کیجیے، یہ تو خوب رہی"
شمسہ: "بھئی کھانا کھائیں گے تو پیٹ بھرے گا، نماز پڑھیں گے تو کیا ہوگا"
مَیں: "آپ تو بڑی ہیں، اس لیے ڈر لگتا ہے، مگر کہلواتی ہیں تو سُنیے نماز نہیں پڑھیے گا تو کس طرح بخشی جائیے گا؟ نماز تو کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہے۔ اللہ میاں کا حکم ہے کہ نماز کھڑے ہو کر ادا کرو، اگر کوئی تکلیف ہے تو بیٹھ کر، اس میں بھی کوئی رکاوٹ ہے تو لیٹ کر، یا اشارہ سے مگر پڑھو ضرور۔ مرنے کے بعد سب سے پہلا سوال نماز ہی کے بارے میں ہوگا۔ پھر نماز نہ پڑھنے والوں کے لیے کیا گنجائش ہے؟"
شمسہ: "دیکھو بھائی مَیں بخشی تو ضرور جاؤں۔ نماز تو شاید وہی قبول کی جاتی ہے جو صدق دل سے پڑھی جائے۔"
مَیں: "تو جس جگہ یہ لکھا ہے وہاں یہ تو نہیں لکھا ہے کہ پڑھو تو صدق دل سے، ورنہ مت پڑھو، اللہ میاں نے تو یہ کہا ہے کہ نماز تم تو نماز ہی تمھارے اندر اخلاص بھی پیدا کر دے گی۔ دیکھیے مَیں یہ چاہتی ہوں کہ جس طرح ہم لوگ یہاں اکٹھے رہتے ہیں اسی طرح اُس دُنیا میں بھی یکجا ہی رہیں سہیں۔"
شمسہ: "دیکھو اگر نماز پڑھے تو دل لگا کر، جب دل ہی نہ لگے تو پڑھنے سے فائدہ، پتہ نہیں کیوں دل نہیں لگتا"
مَیں: "واہ جناب واہ، اگر ایک ایک لفظ کو سمجھ کر پڑھیے تو کیا وجہ ہے کہ دلچسپی محسوس نہ ہو۔ یہ تو وہی ہوا جس طرح بخار کی حالت میں مُنھ کا ذائقہ بگڑ جانے پر کھانا بدمزہ معلوم ہو تو انسان قصور ٹھہرائے کھانے کا۔ چلیے ذرا بہت ہی آہستگی کے ساتھ ہم سب ٹھہر ٹھہر کر نماز پڑھیں تو دیکھیے کیسا لطف آتا ہے"
طیب، دُردانہ، زُہرہ، شمسہ: ....
اچھا چلو اگر کہتی ہو تو پڑھ کر دیکھا جائے ....

اس کے بعد ہم سب نے ایک ساتھ وضو کرکے عشا کی نماز ادا کی۔

شمسہ:" واقعی بڑا مزہ آیا' ایسا معلوم ہوتا تھا جس طرح کوئی غلام اپنے مالک کے حضور میں گڑگڑا کر کوئی استدعا کرے"

طیبہ:" سچ کہتی ہوں باجی ایسا لطف کبھی نماز پڑھنے میں نہیں حاصل ہوا تھا۔

زہرہ:" اب انشاءاللہ تعالیٰ اسی طرح اور نمازوں کو بھی سوچ اور سمجھ کر ٹھیک وقتوں سے ادا کرنے کی کوشش کروں گی۔ خدا ہمیں کامیاب کرے۔ آمین۔

میں:" خدا ہم سب کو توفیق دے کہ ہم لوگ پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کریں' اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اور فرضوں کو بھی سمجھ کر ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ اور جس طرح ہم یہاں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں ایسے ہی اُس دُنیا میں بھی ایک دوسرے کے دوست رہیں +

ناقابلِ اشاعت مضامین

حسبِ ذیل مضامین الحسنات کے معیار اور مذاق کے مطابق نہیں پائے گئے اس لیے شائع نہ ہوسکیں گے۔ صاحبِ مضمون اگر اپنا مضمون واپس منگانا چاہیں تو ضروری ٹکٹ بھیج کر طلب فرمالیں' ایک ماہ بعد ہم مضمون کی واپسی میں معذور ہوں گے۔ "منیجر"

(۱) سچا امتحان۔ (۲) نور اور قمر۔ (۳) معمہ۔ (۴) ایک بچی کی دعا (نظم)۔ (۵) آفتاب (نظم)۔ (۶) مسلمانوں کی بہادری۔ (۷) سوتیلی ماما۔ (۸) عربی کی شکایت۔

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

رمضان آچکا ہے

رمضان آچکا ہے
پیغام لا چکا ہے
کہ نظمِ عادلانہ دنیا میں تم چلاؤ
یہ نظمِ مفسدانہ دنیا سے تم مٹا دو
رمضان آچکا ہے
پیغام لا چکا ہے
بغض و حسد، رقابت بالکل فنا ہی کردو
انساں کی دوستی کے پھر سے ترانے چھیڑو
رمضان آچکا ہے
پیغام لا چکا ہے
تفریقِ نسل و خوں کی تم دھجیاں اُڑاؤ
اور پرچمِ اُخوت دنیا میں تم اُبھارو
رمضان آچکا ہے
پیغام لا چکا ہے
چنگ و رباب و ساغر سب توڑ دو پیارو
اور محفلِ جہاں میں ایماں کی مے بہادو
رمضان آچکا ہے
پیغام لا چکا ہے
خیرِ بشر کا پیغام دنیا میں تم سناؤ
اسلام کے رجز خوانو اُٹھو زماں بدل دو
اُٹھو زماں بدل دو

میں تو ابھی زندہ ہوں

محترمہ بامرہ خاتون صاحبہ نجمی حسنی

محمود اپنے ماں باپ کا اکلوتا لڑکا تھا۔ وہ تندرست تھا، نیک تھا، فرماں بردار تھا، انگریزی اسکول میں آٹھویں درجے میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ پڑھنے اور کھیلنے میں اچھا تھا۔ اس لیے اُس کے اُستاد اُس سے محبت کرتے تھے۔ اس طرح وہ گھر، محلہ، اسکول ہر جگہ ہر دل [illegible] تھا۔ ابھی ایک تقریر کے مقابلے میں اول درجے کا انعام پاچکا ہے آج ایک دوسرے اسکول سے کھیل کا مقابلہ تھا۔ محمود خوش تھا کہ آج اسے پھر اپنا ہنر دکھانے کا موقع ملے گا۔ نتیجہ ہوا محمود کا اسکول جیت گیا۔ محمود کے شاندار کھیل کا چرچا بچے بچے کی زبان پر تھا۔ آج محمود جب گھر آیا تو وہ تھک کر چور ہوگیا تھا۔ آتے ہی بے خبر سوگیا ــــــ کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک بہت بڑے میدان میں کھڑا ہے جس میں ہزاروں انسان ہر قوم اور ہر عمر کے موجود ہیں۔ بہت سے لوگ اس کے محلے کے بھی ہیں جو مرچکے ہیں۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ لوگ تو مرچکے تھے یہاں کیسے ٹہل رہے ہیں، اس نے بڑھ کر ایک صاحب سے دریافت کیا کہ: "یہ کون جگہ ہے اور آپ یہاں کیسے آئے؟" اس شخص نے جواب دیا: "یہ میدانِ قیامت ہے۔ یہاں مرنے کے بعد سب کو اُن کے اچھے بُرے کاموں کا بدلہ ملتا ہے۔" محمود اپنے دل میں اپنے اچھے اور بُرے کاموں کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ اپنے ماں باپ کا حکم مانتا تھا، اُستاد کا ادب کرتا تھا، پڑھنے میں اچھا، کھیلنے میں اچھا۔ کل اچھے کام ہیں، بُرے کوئی بھی نہیں۔ محمود نے اطمینان کا سانس لیا اور آگے بڑھنا چاہا، کیا دیکھتا ہے کہ پاس ایک شخص کھڑا ہے جو بہت پریشان نظر آرہا ہے۔ محمود نے پوچھا: "آپ کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں، کیا میں کچھ آپ کی مدد کرسکتا ہوں۔" وہ شخص: "یہاں کوئی شخص کسی کی مدد نہیں کرسکتا، جس شخص کے جیسے اعمال ہوتے ہیں ویسے بدلہ ملتا ہے یہاں سفارش، خوشامد، رشوت کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں انصاف ہوتا ہے۔ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ــــ محمود: "آپ کی پریشانی کی کیا وجہ ہے؟" وہ شخص: "مجھ سے

پوچھا ہے، تم نے اپنے اللہ اور مالک (جس نے تمھیں پیدا کیا، عقل دی، روزی دی) کی مرضی جاننے کی کیا کوشش کی، اُس کی مرضی جاننے کے بعد اُس پر عمل کرنے کی کہاں تک کوشش کی۔ اور اُس کا حکم دوسروں تک پہنچانے کے لیے کیا کیا"۔

محمود: "تو پھر آپ جواب کیوں نہیں دیتے"۔ وہ شخص: "کیا جواب دوں، لڑکپن میں صرف دُنیاوی علوم پڑھتا رہا، بڑے ہونے پر انسانوں کے بنائے قانون پر عمل کرتا رہا اور دوسروں سے بھی کراتا رہا۔ اللہ کا قانون (قرآن) اور اُس کے رسول کے بتائے ہوئے احکامات (حدیث) کبھی سمجھ کر پڑھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ حالانکہ کچھ اللہ کے بندوں نے اس کا بھی انتظام کر دیا تھا، اب محسوس کر رہا ہوں کہ یہ کتنی بڑی غلطی تھی، اگر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا تو نجات مل سکتی ہے، ورنہ میں ہر اعتبار سے عذاب کا مستحق ہوں۔

محمود ایک گہرے سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے بھی تو یہی غلطی کی۔ کاش میں نے اپنی زندگی میں دین کا کچھ علم سیکھا ہوتا اور اُس کے پھیلانے کی کوشش کی ہوتی تو آج اللہ تعالیٰ کے دربار میں سُرخ رو ہوتا۔ یہ خیال آتے ہی اُس کے مُنھ سے ایک چیخ سی نکل گئی اور اُس کی آنکھ کھل گئی ــــ اُس کے گھر والے دوڑ پڑے محمود نے جب سب کو دیکھا تو کچھ اطمینان ہوا اور خوشی سے یہ کہہ اُٹھا: "خدا کا شکر ہے میں تو ابھی زندہ ہوں"۔ اُس نے کُل قصہ اپنے والدین سے بیان کیا اور عہد کیا کہ آئندہ وہ اپنے اسکول کی تعلیم کے ساتھ دین کا علم حاصل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ اور سچ مچ اُس نے ایسا ہی کیا +

صفائی — اور اصلی صفائی

جناب ابوبکر صبا اصلاحی

صفائی بچو صفائی بہت اچھی چیز ہے۔ تم بھی اسے پسند کرتے ہو، کون ہے جو صاف کپڑے اور ستھرے مکان سے نفرت کرتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جب تمھیں نئے کپڑے پہننے کو ملتے ہیں تو تم انھیں پہن کر پھولے نہیں سماتے اور خوشی سے باغ باغ ہوجاتے ہو۔ تمھارا دل چاہتا ہے کہ لوگ تمھیں صاف ستھرا دیکھیں، کیونکہ تم جانتے ہو کہ لوگ صفائی پسند کرنے والے بچوں سے خوش ہوتے ہیں اور اُن سے محبت کرتے ہیں۔ اور جو بچے میلے کچیلے رہتے ہیں اُنھیں کوئی اپنے پاس بٹھانا پسند نہیں کرتا۔

مگر یہ تو ظاہری صفائی ہوئی۔ اس سے زیادہ ضروری ہے کہ تمھارے اخلاق اور کردار میں صفائی ہو، تمھاری عادتیں اچھی ہوں، تمھارے کام بھلے ہوں، تم بات کے سچے اور عہد کے پکے ہو، ہر کام میں تم بُرے بھلے کا خیال رکھنے والے ہو۔ ورنہ ظاہری لباس کی صفائی کے باوجود تمھیں کوئی نہیں پسند کرے گا۔ اور لباس کی موزونیت کے باوجود لوگ نفرت کریں گے۔ یہ تو اس دُنیا کے لوگوں کا حال ہوگا۔ مگر ذرا سوچو تو اگر تمھارے عادات و خصائل نہیں سُدھرے اور تم نے اپنی زندگی کو نہیں سنوارا تو خدا کی ناپسندیدگی اور ناراضی کا تمھارے پاس کیا علاج ہوگا؟

...... یہ تو تمھیں معلوم ہی ہے کہ تم ہمیشہ اس دُنیا میں رہنے کے لیے نہیں آئے ہو۔ دن، پینے یا چند سال یہاں رہنا ہے۔ پھر اسی طرح یہاں سے رُخصت ہو جاؤ گے۔ جس طرح تم نے دوسروں کو مرتے دیکھا ہے؟ اگر تم نے اپنی خراب عادتوں کو نہیں سدھارا اور اچھے کام نہیں کیے اور جو تمھارا مددگار وہاں ہوسکتا تھا اُسے۔ تم نے اپنی بُری عادتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے ناراض کردیا، تو پھر مدد کرنا تو دُور رہا وہ تمھارے قریب کیوں ہوگا؟

تو پیارے بچو اب یہ سوچو کہ تمھارے اخلاق و اعمال میں کیسے صفائی پیدا ہو، یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ کسی برتن میں جو کچھ ہوتا ہے وہی اُس سے ٹپکتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح ..... اگر تم چاہتے ہو کہ تمھاری عادتیں سُدھریں اور اخلاق سنوریں تو اس کے لیے تمھیں پہلے اپنے دماغ کی صفائی کرنی ہوگی، اپنے خیالات کو پاک کرنا ہوگا

سوچ بچار کو سُدھارنا ہوگا۔

ورنہ یقین رکھو کہ تم جو کچھ سوچو گے، جس طرح کے خیالات اپنے ذہن میں پکاؤ گے! سوچ بچار کا جو اندازہ ہوگا ویسے ہی تم سے کام بھی صادر ہوں گے۔ تو کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟

تمھارے دماغ اور خیالات میں کم از کم اتنی صفائی تو ضرور ہونی چاہیے کہ جب کبھی تمھارے والدین یا اُستاد تم سے دریافت کریں کہ تمھارے ذہن میں اس وقت کون سے خیالات ہیں اور تم کیا سوچ رہے ہو تو تم بغیر جھجک کے بیان کردو۔ مگر پیارے بچو کیا تم ایسا کرسکتے ہو؟ شاید تم ابھی اس کے لیے تیار نہیں ہو، اس لیے کہ تمھارے ذہن میں ابھی غلط خیال آتے ہیں جنھیں تم اپنے بزرگوں پر ظاہر نہیں کرسکتے اس لیے کہ تمھارے خیال میں وہ ناراض ہوجائیں گے اور تم سے نفرت کریں گے مگر اس سے کیا فائدہ کہ تم اپنے خیالات کو چھپاتے ہو اور سوچ بچار پر پردہ ڈالتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ایک ہے جو تمھارے ہر خیال اور ہر سوچ سے واقف ہے، بلکہ جو وسوسہ بھی تمھارے دل میں گذرتا ہے اُس کا علم اُسے ہے، جن کے یہاں تمھیں چار و ناچار جانا ہے۔ اور پھر تم یہ بھی چاہتے ہو کہ وہ تم سے خوش ہو۔ تو اگر تم چاہتے ہو کہ تمھارے غلط خیالات سے کوئی واقف نہ ہو تو اس کی یہی صورت ہے کہ تم اپنے ذہن میں کوئی غلط خیال آنے ہی مت دو، اور غلط خیال سے ذہن کو صاف رکھنے کی بھی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ تمھارے ذہن میں ہر وقت یہ خیال قایم رہے کہ جو کچھ تم سوچتے ہو، اور جو خیال بھی تمھارے ذہن میں آتا ہے تمھارا آقا اور تمھارا مالک اُس سے واقف ہے۔ اور ایک دن تم اُس کے یہاں جاؤ گے۔ وہ صفائی کو پسند کرتا ہے اور اُس سے خوش ہوتا ہے اور گندگی کو ناپسند کرتا ہے اور اُس سے ناراض ہوتا ہے۔

تو پیارے بچو! تمھیں اپنے جسم و لباس کی صفائی کے ساتھ اخلاق و کردار کی صفائی کرنی چاہیے۔ اور اُس کے لیے ضروری ہے کہ تمھارے خیالات پاکیزہ ہوں، اور خیالات کی پاکیزگی کے لیے ضروری ہے کہ تمھارے ذہن میں ہر وقت خدا کا تصوّر رہے اور یہ کہ تمھیں اُس کے یہاں حاضر ہونا ہے +

پیٹر ولیم کی کہانی والے مضمون کی قسط انشاء اللہ اگلے پرچے میں شائع ہوگی۔ منیجر۔

چند بزرگوں کے پیشے

سچی عزت حلال روزی کمانے میں ہے۔ اونچے اونچے عہدے اور بڑی بڑی تجارتیں عزت کا معیار نہیں۔ حلال کمائی کا ایک پیسہ حرام کی کمائی کے لاکھوں روپے سے بہتر ہے۔

نمبر شمار	نام	پیشے	نمبر شمار	نام	پیشے
۱	حضرت ابراہیم علیہ السلام	کاشتکاری کرتے اور کپڑا فروخت کرتے تھے	۱۵	حضرت ابوبکر صدیق رض	بزازی کا کام کرتے تھے
۲	حضرت صالح علیہ السلام	کمبل بُنا کرتے تھے	۱۶	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	بزازی کا کام کرتے تھے۔
۳	حضرت شیث علیہ السلام	کپڑا بُنا کرتے تھے	۱۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ	کاشتکاری کرتے تھے۔
۴	حضرت داؤد علیہ السلام	لوہاری کا کام کرتے تھے خود اور زرہ آپ کی ایجاد ہے	۱۸	حضرت عبداللہ بن مسعود رض	کاشتکاری کرتے تھے
۵	حضرت لوط علیہ السلام	کاشتکاری کرتے تھے۔	۱۹	حضرت جندب بن الارث رض	لوہاری کا کام کرتے تھے۔
۶	حضرت لقمان علیہ السلام	بڑھئی کا کام کرتے تھے	۲۰	حضرت سلمان فارسی رض	ٹوکرے فروخت کرتے تھے
۷	حضرت نوح علیہ السلام	" " "	۲۱	حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رض	صندوقی قبر کھودتے تھے۔
۸	حضرت زکریا علیہ السلام	" " "	۲۲	حضرت زبیر بن العوام رض	درزی کا کام کرتے تھے۔
۹	حضرت سلیمان علیہ السلام	چٹائی اور پنکھے بناتے تھے	۲۳	حضرت عثمان بن طلحہ رض	درزی کا کام کرتے تھے۔
۱۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام	بکریاں چرایا کرتے تھے۔	۲۴	حضرت ولید بن مغیرہ رض	لوہاری کا کام کرتے تھے۔
۱۱	حضرت شعیب علیہ السلام	بکریوں کے گلے کے مالک تھے اور زراعت بھی کرتے تھے	۲۵	حضرت ابوحنیفہ رح	کپڑا فروخت کرتے تھے۔
۱۲	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	بکریاں چرائیں، تجارت اور مزدوری بھی کی	۲۶	حضرت جنید بغدادی رح	کپڑا فروخت کرتے تھے۔
۱۳	حضرت ابوایوب انصاری رض	پارچہ بافی کرتے تھے اور بغلی قبر کھودتے تھے	۲۷	حضرت اسمٰعیل الحایک	کپڑا بُنتے تھے، شام کے مفتی تھے
۱۴	حضرت ابوطلحہ انصاری	پارچہ بافی کرتے تھے۔	۲۸	حضرت ابوسفیان	مالی کا کام کرتے تھے

آپ کا خط ملا

شمیم اختر صاحبہ۔ گوجرانوالا

آپ کا مضمون ملا۔ آپ کی کوشش یقیناً بہت خوب ہے۔ لیکن ابھی کہانی میں بہت سی باتوں کی کمی ہے۔ آپ دلچسپ سے دلچسپ کہانی لکھنے کی کوشش کرتی رہیے۔ امید ہے کہ جلد ایسے مضمون لکھنے لگیں گی جو دلچسپ بھی ہوں گے اور مفید بھی۔

غلام الحسنین کیف۔ بھنڈارہ

آپ نے این۔ اے بھوپالی صاحب کی "چوری" پکڑ کر ہمارا کام کیا۔ اس کے لیے ہم آپ کے مشکور ہیں۔ این۔ اے بھوپالی صاحب نے واقعی یہ کام اچھا نہیں کیا کہ "خلیفہ منصور اور ایک نڈر ناصح" اور "حضرت عمرؓ اور ایک بڑھیا" کے عنوان سے جو مضمون الحسنات کی اشاعت کے لیے بھیجے وہ ایک پُرانی درسی کتاب سے لفظ بلفظ نقل کر کے بھیج دیے۔ معلوم ہوتا ہے شاید ابھی این۔ اے بھوپالی صاحب کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس طرح مضامین نقل کر کے اپنے نام سے چھپوانا کوئی بُری بات ہے' ورنہ وہ شاید ایسا کبھی نہ کرتے۔ الحسنات پڑھنے والے بہن بھائی تو اخلاق اور معاملات میں اکثر دوسروں سے بہتر ہی ثابت ہوتے ہیں۔ اگر خدا نہ کرے ان سے یہ کوتاہی جان بوجھ کر ہوگئی ہے تو انشاءاللہ آئندہ ایسا نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور اپنی مرضی کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امید ہے کہ این۔ اے بھوپالی صاحب بھی اس بارے میں ہمیں جلد خط لکھیں گے۔

سید جمیل الرحمٰن صاحب خموش۔ ہانسی

آپ کی دعا "اے خدا مجھے نیک بندا بنادے" خوب ہے۔ لیکن ابھی آپ کو اپنی کہی ہوئی باتوں میں کسی اُستاد سے اصلاح لینا چاہیے۔ انشاءاللہ آپ جلد اچھی اچھی باتیں لکھنے لگیں گے۔ خدا آپ کے شوق کو برقرار رکھے۔ ترقی کے مواقع عطا فرمائے۔

سید محمود حسن حسینی۔ ؟

آپ نے خوب شکایت نامہ لکھا جس میں نہ اپنا پتہ اور نہ نمبر خریداری ــــ لیکن آپ افسوس نہ کریں آپ جیسے عنایت فرما ہمارے اور بھی بہت سے ہیں۔ وہ بیچارے تو اس انداز میں خط لکھتے ہیں کہ شاید ان کے علاوہ ہمیں کسی اور سے کوئی ربط ہی نہیں ہے اور اگر وہ اپنا نام بھی نہ لکھیں تو ہمیں ان کا طرز تحریر دیکھ کر ہی سمجھ لینا چاہیے کہ خط کس کا ہے لیکن۔ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم ہر خط لکھنے والے سے پُورا نام' پتہ اور نمبر خریداری سب کچھ کی توقع رکھتے ہیں۔ بہرحال جب وہ ہم سے اتنا خلوص برتتے ہیں تو ہمیں بھی یہ اُمید ہے کہ جب ہماری طرف سے ان کے تعمیلِ ارشاد میں کوتاہی ہوتی ہوگی تو وہ اسی خلوص کے باعث ہمارے خلاف اپنے دل میں کسی قسم کی شکایت بھی محسوس نہ فرماتے ہوں گے۔ آپ سے بھی ہمیں یہی توقع ہے ـــــ والسلام

محمد عبدالرشید صاحب۔ رائے جور۔

آپ کا مضمون "دو دوست" ملا۔ مضمون کا پلاٹ اتنا معروف ہے کہ اس میں کوئی نُدرت باقی نہیں ہے۔ پھر شیکسپیر کے اصل پلاٹ سے اس میں جو تبدیلی کی گئی ہے وہ بھی کوئی بامقصد معلوم نہ ہوئی اس لیے یہی فیصلہ کیا گیا کہ مضمون آپ کی خدمت میں واپس بھیج دیا جائے۔

ہاجرہ زرّیں صاحبہ۔ پھلواری شریف

آپ کے کسی خط کا جواب اگر نہ ملے تو آپ یہ خیال فرما لیا کریں کہ یا تو اس خط میں ہمارے نزدیک کوئی بات جواب کے قابل نہیں یا پھر یہ کہ شاید وہ خط ہمیں نہیں ملا۔ یہ دوسری صورت آج کل کافی تکلیف دہ ہے۔۔۔ آپ کا مضمون "نشاط کی غلط فہمی" ان شاء اللہ اپنے نمبر پر شائع ہوگا۔ قابلِ اشاعت مضامین میں شامل کر لیا گیا ہے۔

محمد لطیف صاحب انور۔ گوجرانولہ

حافظ رشید احمد صاحب ناظم بزمِ حسنات گوجرانوالہ کا خط برائے اشاعت موصول ہوا تھا لیکن جب تک ہمارے شائع کرنے کا موقع آئے اس سے پہلے وہ "کوثر" میں شائع ہو گیا تھا، اس لیے پھر اس کی اشاعت چنداں ضروری خیال نہ کرتے ہوئے ارادہ ترک کر دیا۔ پاکستان میں بزمِ حسنات کا کوئی مرکز قایم کرنے اور اس کا تعلق تمام مقامات سے مضبوط کرنے کے سلسلے میں ہم یہاں سے کوئی مناسب مشورہ نہیں دے سکتے۔ نیز ہمارا احساس یہ ہے کہ جب تک مختلف مقامات پر اصلاحی کام کرنے والے نوعمروں کی کسی حد تک تربیت نہ ہو جائے اُس وقت تک انھیں کسی مرکز سے متعلق کرنا کچھ زیادہ مفید نہ ہوگا۔ ہم ابھی تک یہی کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس مختلف مقامات سے جو رپورٹیں آتی رہتی ہیں ان میں سے جو رپورٹ ایسی ہوتی ہے جس سے دوسروں کو کوئی اچھا سبق مل سکے ہم اُسے شائع کر دیتے ہیں۔ لیکن ابھی ان مختلف کام کرنے والوں کو کسی نظم کے تحت لانے کے لیے جس احساس ذمے داری کی ضرورت ہے اس میں ہم کسی بزم کو بھی پورا نہیں پاتے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ آپ پاکستان میں اگر کوئی ایسا نظم قایم کرنے کے خواہش مند ہوں تو آپ کو بطورِ خود اس کا انتظام کرنا ہوگا۔ ہماری نظر میں پاکستان کی بھی کوئی بزمِ حسنات اس قابل نہیں ہے کہ وہ کسی اجتماعی نظم کی پابندیوں کو نباہ سکے اس لیے ہمارا مشورہ تو یہی ہے کہ آپ اپنے افراد کی اصلاحِ سیرت اور تعمیرِ کردار کے کام پر پوری توجہ دیں اور بیرونی روابط کی فکر ابھی زیادہ نہ کریں۔

محترمہ امینہ خاتون صاحبہ۔ مسولی

اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے الحسنات کے ایک مضمون میں ایک خامی دیکھنے کے بعد ہمیں مطلع فرمایا۔ مجھے بھی آپ کے خیال سے اتفاق ہے۔ "ننھے کی چٹیا" والے مضمون کے پلاٹ میں مقصد کے اعتبار سے واقعی وہ خامی رہ گئی ہے، جس کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے۔ مضمون چونکہ دوسرے کا تھا لہٰذا ترمیم کا ایک خفیف سا ارادہ ہی کر کے رہ گیا۔ اور مضمون یوں ہی شائع ہو گیا۔

اُمید ہے کہ آپ آئندہ بھی ہماری کوتاہیوں سے ہمیں مطلع فرماتی رہیں گی۔

بزمِ حسنات

محترم بھائی صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

میں نے خدا کے فضل سے اپنے گھر ایک مدرسہ قایم کیا ہے جس میں تقریباً ۴۰ بچے اور بچیاں اُردو، عربی اور تفسیر سیکھتے ہیں، اور خدا کے فضل سے ۲۲ بچے قرآن شریف اور اُردو پڑھ کر نکل گئے۔ ماشاءاللہ تمام بچے نمازی ہیں۔ اب ۹ر فروری سے ہر جمعہ کی شب میں کے مکان پر "محفل قرآن" ہوتی ہے جس میں خواتین جمع ہو کر مجھ سے نصف پارہ کلام پاک اور اس کی تفسیر سُنتی ہیں۔ نیز احادیث اور دیگر مؤثر مضامین اور نظمیں سُنتی ہیں۔ خدا کا شکر ہے ۵۰ فیصدی عورتیں باقاعدہ نماز پڑھنے لگیں۔ مارچ کے آخر جمعہ کو الحسنات مارچ دوم سے "ایک مثال" مضمون پڑھا تمام جماعت بے حد متاثر ہوئی۔ چند مردوں میں بھی احساسِ عمل پیدا ہوا وہ بھی چار روز سے مسجد میں بعدِ مغرب کلام پاک تفسیر کے ساتھ پڑھ کر سُنا رہے ہیں۔ بچوں کو الحسنات میں دیکھ کر شوق ہوا کہ بزمِ الحسنات قایم کرنے والوں کی طرح ان کا نام بھی پرچہ الحسنات میں شائع ہو جائے اگر آپ ان کی حوصلہ افزائی کے خیال سے میرے اس ٹوٹے پھوٹے مضمون کو ترتیب دیکر درج رسالہ کر دیں تو اجر عظیم ہوگا۔ بچے بہت چھوٹے ہیں سب سے چھوٹا بچہ جو ماشاءاللہ سب سے ہوشیار ہے ۹ سال کا ہے لیکن سب کا صدر وہی ہے اس کے علاوہ سات ممبر ہیں۔ مجھے سندی کی کتاب "نماز" دیکھ کر بہت خوشی ہوئی لہٰذا ۵ کتابیں سندی کی نماز روانہ کیجیے مردوں کو تقسیم کر دوں گی۔

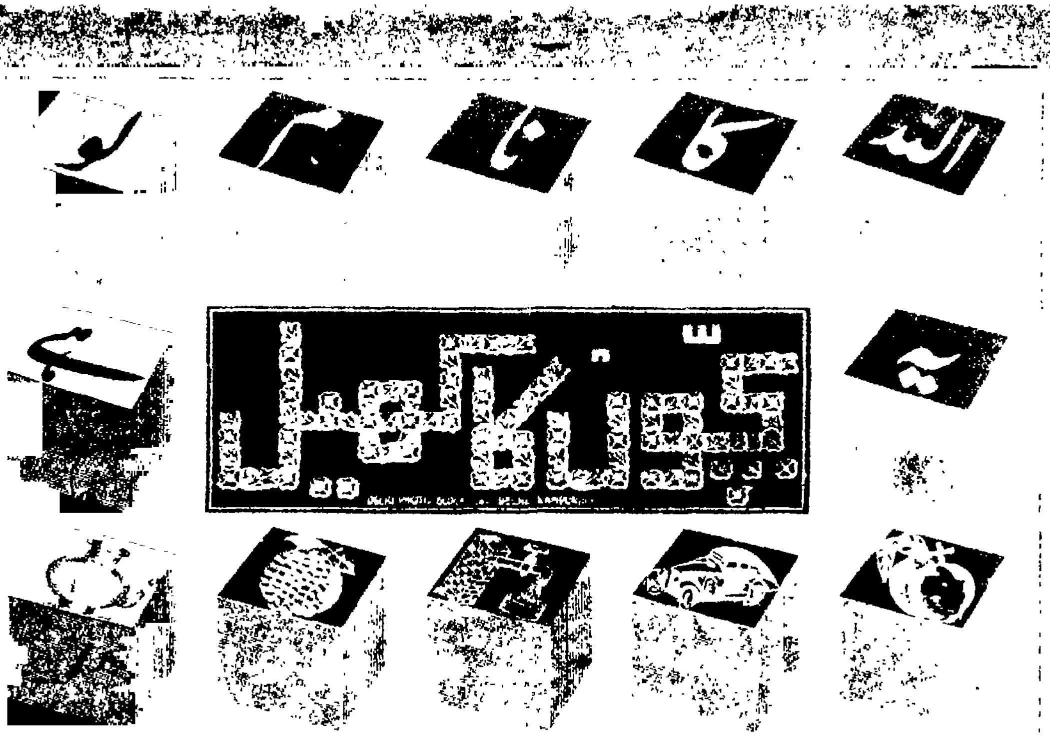
بیگم حبیب الرحمٰن خاں مختار۔ سرکار جونی ضلع بھنڈارہ

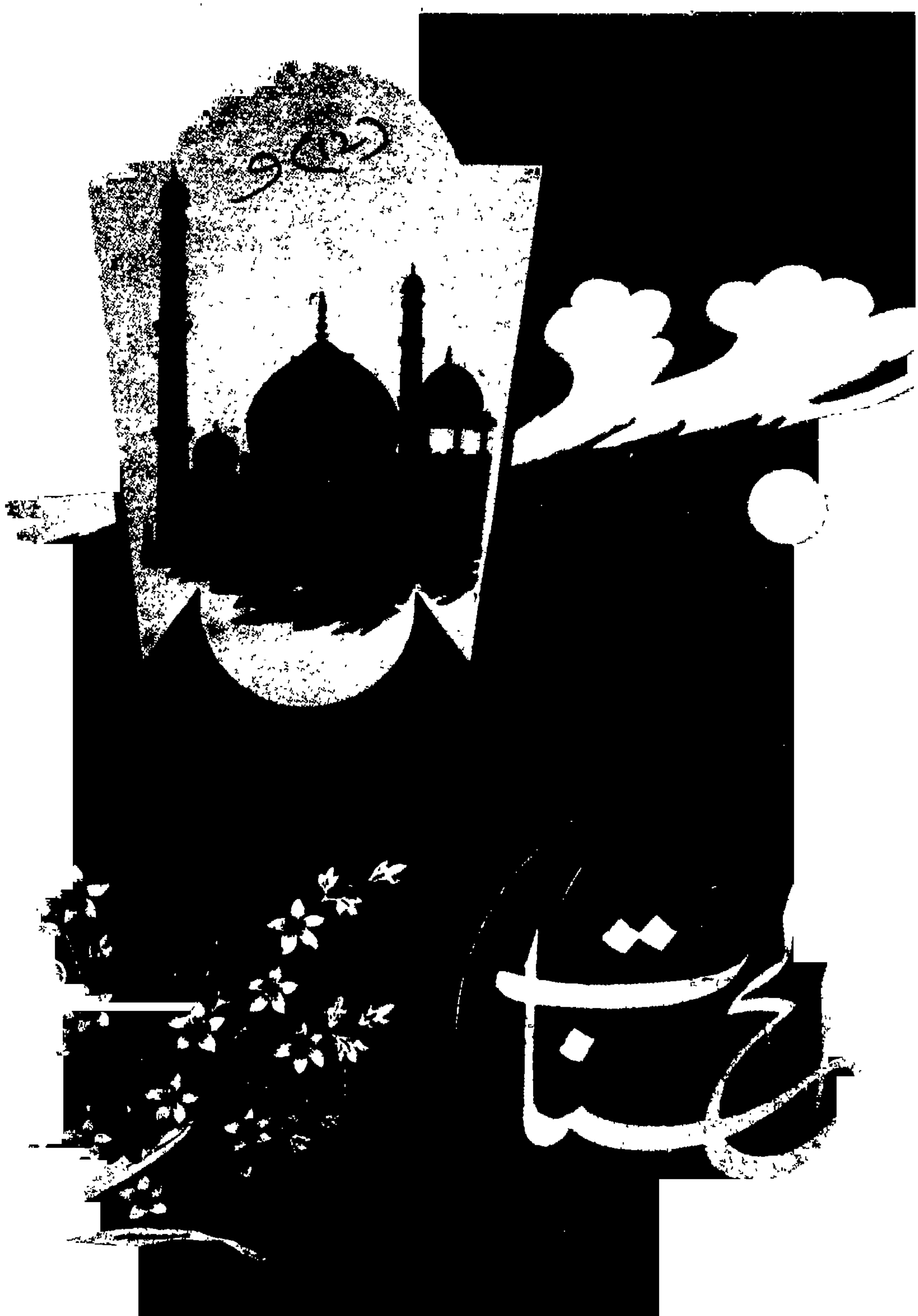
روداد اجتماع بزمِ حسنات گوجرانوالہ منعقدہ ۲۳ر مارچ بروز جمعہ:۔

جمعہ کی نماز کے بعد ٹھیک ۱/۲ ۳ بجے مسجد گلی نمبر ۲ سول لائنز میں ہمارا اجتماع منعقد ہوا۔ سب سے پہلے ایک خورد سال ممبر نے تلاوت فرقان حمید کی۔ اس کے بعد ناظم بزم نے سابقہ اجتماع کی کارروائی سُنائی کیونکہ اس مسجد میں ہمارا پہلا اجتماع ہو رہا تھا۔ اس لیے ناظم بزم نے بزم کا مقصد بھی بیان فرمایا۔ پھر عبداللطیف صاحب انور نے "حقیقت علم قسط چہارم" کے زیر عنوان بتایا کہ دراصل علم کس کو کہتے ہیں۔ اپنی اس تقریر میں انھوں نے چند بنیادی سوالات کا ذکر فرمایا۔ ان کے جوابات بھی دیے۔ اور یہ بھی بتایا کہ اگر ان سوالات کے غلط جوابات دیے جائیں تو کیا اثر پڑتا ہے اور اگر صحیح جوابات دیے جائیں تو کیا اثر پڑتا ہے یہ سلسلہ کئی ہفتوں سے شروع تھا سامعین پر اس کا اچھا اثر پڑا اس کے بعد ناظم صاحب نے الحسنات سے سورۂ ہود کا ترجمہ جو انھوں نے مسلسل شروع کیا ہوا ہے پڑھ کر سُنایا پھر ہمارے ایک خورد سالہ ممبر نے "فیصلہ" کے عنوان سے ایک نظم پڑھی۔ ایک بچے کی زبان سے اتنا بڑا اور صحیح فیصلہ سُن کر سامعین پر بے حد اثر ہوا۔ آفتاب حسن صاحب حسیب نے "مسلمان کی ضرورت" کے زیر عنوان دلائل سے ثابت کیا کہ دُنیا کو اس وقت صحیح معنوں میں مسلمان کی ضرورت ہے اور انھوں نے حاضرین کو صحیح معنوں میں مسلمان بننے کی تلقین فرمائی۔ ایک اور خورد سالہ ممبر نے "تجدید عہد" ایک کہانی سُنائی۔ کہانی کافی دلچسپ تھی آخر میں "کشکول اخلاق" کے زیر عنوان آنحضرت صلعم کے کلمات پڑھ کر سُنائے گئے۔ حاضرین کی تعداد تقریباً چالیس سے پچاس تک تھی۔ آخر میں عام گفتگو ہوئی جس میں پاس کیا گیا کہ "الحسنات" کے جتنے خریدار یہاں ہوں ان کو پرچے بھیجے جایئں چنانچہ جنٹ "الحسنات" سے پتے لے کر ناظم صاحب نے اُن کو بزم کے اجتماعات میں شامل ہونے کی دعوت دے دی ہے۔ کتابیں تقسیم ہوئیں۔ اور دعائے خیر کے بعد اجتماع بخیر و خوبی ختم ہو گیا۔

ک عبداللطیف انور عفی الصدر بزمِ حسنات سول لائنز گلی ۲ گوجرانوالہ

[illegible]


بچوں کا کھیل





جلد ۹ نمبر ۱۲

رسالہ
الحسنات
رام پور

مہینہ میں دو بار شائع ہونے والا

بچوں اور عورتوں کے لیے

مسلمان گھرانوں کی اصلاح

جون دوم جون ۱۹۵۷ء

مدیر: ابو سلیم محمد عبد الحی

چندہ: سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے ــــ تین روپے
فی کاپی ــــ چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبد الحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس میں چھپوا کر دفتر الحسنات رامپور (یو-پی) سے شائع کیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

احساسات

اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے اور آج کے لادینی ماحول میں آنے والی نسلوں کو مسلمان باقی رکھنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اس کے سلسلے میں ہم پچھلی دو اشاعتوں سے کچھ باتیں آپ کو بتاتے رہے ہیں ـــــــ پچھلے رسالے میں ہم نے آپ کو یہ سمجھایا تھا کہ جو لوگ دینی تعلیم کی ضرورت کو مانتے ہیں وہ اس تعلیم کے بندوبست کے لیے کیا کیا تجویزیں پیش کرتے ہیں۔ اُن میں سے کچھ تجویزوں کی تشریح کرتے ہوئے آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ وہ ان میں کیا کیا غلطی کر رہے ہیں، اس سے پہلے کہ ہم دینی تعلیم کے انتظام کی کسی صحیح صورت کو آپ کے سامنے رکھیں ایک بات بتا دینا بہت ضروری ہے۔

کیا بات ہے کہ بہت سے لوگ مذہبی تعلیم کے لیے جو تجویز پیش کرتے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہوتی کیا یہ سب لوگ کم سمجھ ہیں؟ کیا انھیں حالات کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں ہے؟ ــــــ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ بہت زیادہ سمجھ دار ہیں اور ہم سے کہیں زیادہ موجودہ حالات کو بھی جانتے ہیں لیکن پریشانی اَور ہے۔ در اصل بہت سے ذہنوں میں مذہب کا تصور ہی غلط ہے۔ اور اگر وہ صحیح بات جانتے بھی ہیں تو عملی طور پر اُس کو اپنانے کے بدلے وہ مذہب کے اس مختصر سے تصور کو سامنے رکھ کر بات چیت کرتے ہیں جو عام طور پر لوگوں کے ذہنوں پر چھایا ہوا ہے۔ آیئے سب سے پہلے آپ کو یہی بتائیں کہ عام طور پر مذہب، مذہبی تعلیم، مذہبی زندگی وغیرہ سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے وہ اس سے کتنا مختلف ہے جو اسلام چاہتا ہے۔

عام طور پر مذہب اور مذہبی زندگی سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے وہ بس اتنا ہے کہ مذہب کچھ اخلاقی باتیں بتاتا ہے جو ہر شخص کو اپنی شخصی زندگی میں اختیار کرنا چاہئیں، ہر مذہب کی کچھ رسمیں ہیں وہ بھی ادا ہوتی رہیں تو اچھا ہے اس کے

علاوہ کچھ خاص وقتوں میں کچھ خاص کام کرنے کے لیے بتائے جاتے ہیں اُن پر عمل کرلینا یا ایسی ہی کچھ اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو اختیار کرلینا۔ بس یہی مذہب ہے۔۔ ــــــ اس کے علاوہ زندگی کے دوسرے کام مثلاً روزی کمانا، تجارت کرنا، کھیتی باڑی کے کام، آپس کے تعلقات، مُلک کا انتظام، حکومت کی پالیسی، دوسرے ملکوں سے معاملات، جنگ، صلح وغیرہ وغیرہ ان میں سے کسی بات کا کوئی تعلق مذہب سے نہ ہونا چاہیے ــــــ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اسلام بھی کوئی ایسا ہی مذہب ہے جو زندگی کے پورے معاملات سے تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن جب وہ اسلام کے بارے میں کچھ سوچتے ہیں، مسلمانوں کو کوئی مشورہ دیتے ہیں، یا کوئی عملی پروگرام تجویز کرتے ہیں اُس وقت اُن کی تجویزیں ویسی ہی ہوتی ہیں جیسی کہ کسی ایسے شخص کی جو مذہب کو صرف شخصی معاملات کی حد تک ہی مانتا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ وقت کا تقاضا یہی ہے اور ابھی مصلحت اسی میں ہے ــــــ دراصل یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں کی تجویزیں کچھ اسی قسم کی ہو کر رہ جاتی ہیں جن کی تشریح آپ پچھلے رسالے میں پڑھ آئے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے اپنے اس ایمان اور یقین کو تازہ کرلیجیے کہ اسلام اس طرح کا کوئی مذہب نہیں ہے جو آج عام طور پر مذہب سے مراد لی جاتی ہے۔ اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے، اُس کے رہنے بسنے کے لیے انتظام کیا ہے، اس کی زندگی کا پورا سامان مہیا فرمایا ہے، اس کے سانس لینے، پانی پینے اور خوراک حاصل کرنے کا مکمل انتظام فرمایا ہے۔ اُسی خالق اور مالک نے انسان کو زندگی بسر کرنے کے اصول بھی بتائے ہیں۔ یہی اصول جو اللہ کے رسول ہر زمانے میں بتاتے رہے ہیں "اسلام" کہلاتے ہیں۔ یہ دائمی اصول ہیں، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ کے لیے کارآمد ہیں۔ یہ اصول اُسی خدا نے تجویز فرمائے ہیں جو رہتی دنیا تک کے حالات سے پوری طرح باخبر ہے۔ جس کو انسان کی فطرت کا پورا پورا علم ہے۔ جو اس کی ضروریات کو سب سے بہتر طریقے پر جانتا ہے ــــــ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے بتائے ہوئے اصول آج بھی ہماری تمام دشواریوں کو اسی طرح حل کرسکتے ہیں، جس طرح آج سے پہلے کبھی حل کرسکتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ خیال

نہیں کیا جا سکتا کہ کسی خاص وقت میں تو یہ اصول بڑے کام کے تھے، لیکن آج کل کے زمانے میں ان سے کام نہیں چل سکتا۔ شخصی معاملات سے لے کر حکومت کے انتظام تک اور گھر کے تعلقات سے لے کر بین الاقوامی مسائل تک ہر بارے میں اسلام کے پاس مکمل ہدایات موجود ہیں۔

اسلام کے بارے میں یہ ایمان اور یہ یقین کچھ نیا نہیں ہے بلکہ ہر شخص جو اسلام کو جانتا اور مانتا ہے یہی رائے رکھتا ہے اور آپ ہی سوچیے کہ آپ جس ہدایت کو خدائی ہدایت تسلیم کرتے ہوں اور خدا کو عالم الغیب، حکیم اور دانا بھی مانتے ہوں تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس حکیم اور اس مہربان نے ہمیں زندگی کا جو طریقہ بتایا ہے وہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ[1] نا مکمل ہے یا غلط ہے۔ اسی لیے شاید ہی کوئی ایسا شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اور مسلمان کہلوانا چاہتا ہو آپ کو ایسا ملے جو اس بات کا انکار کر سکے ——— لیکن ہوتا یہی ہے کہ لوگ ایک طرف تو اقرار کیے رہتے ہیں لیکن دوسری طرف "اگر"، "مگر"، "لیکن" کہہ کر کچھ اور راستے اختیار کرتے رہتے ہیں ——— یہ صورتِ حال سب سے زیادہ غلط اور سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اسی صورتِ حال کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ لوگ جب بچوں کی مذہبی تعلیم کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے ذہن اس بارے میں صاف نہیں ہوتے کہ مذہبی تعلیم کی حد کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں تک جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جو تجویزیں پیش کرتے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی کسر باقی رہ جاتی ہے۔

مسلمان بچوں کو دین پر قائم رکھنے کے لیے اور ان کے ذہنوں کو اس طرح تیار کرنے کے لیے کہ وہ موجودہ ماحول میں اللہ کے کلمے کو بلند کر سکیں ایک ایسے مکمل نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جس کا کوئی جزو اور کوئی شعبہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور صفاتِ کمال کے صحیح تصور اور آخرت کی جواب دہی اور ذمہ داری کے یقین سے خالی نہ ہو۔ بچے کے سامنے جو کچھ آئے وہ اسی طرح آئے جس طرح اسے کسی مسلم اور خدا پرست کے سامنے آنا چاہیے۔ یہ مقصد کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور مختلف حالات میں اس مقصد کو پانے کے لیے کیا کیا کرنا مناسب ہوگا۔ اس پر ان شاء اللہ آئندہ کچھ باتیں آپ کے سامنے آئیں گی۔

---

[1] ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ایسی غلط بات کہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ انفال

(۲)

سورۂ انفال شروع کرنے سے پہلے اُس وقت کے کچھ تاریخی حالات اور سُن لیجیے۔

اسلام کی جو دعوت مکّے کے لوگوں تک پہنچ رہی تھی، وہی دعوت ملکِ عرب کے مختلف حصوں تک بھی مختلف ذرائع سے پہنچ رہی تھی۔ ملک کے دوسرے حصّوں کے مقابلے میں مدینے کے کچھ زیادہ لوگ اس طرف توجہ کر رہے تھے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکّہ چھوڑنے سے کچھ ہی پہلے ۷۵ آدمیوں کا ایک وفد مدینے سے آیا۔ یہ لوگ چھپ کر رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام قبول کرنے کے بعد آپ سے درخواست کی کہ آپ اور آپ کے ساتھی مدینے چلے آئیں تو بہتر ہو، تاکہ مدینے کے سب لوگ آپ کی ہدایت اور آپ کی تعلیم سے فائدہ اُٹھائیں۔

اسلام کی تاریخ میں یہ واقعہ بہت ہی اہم ہے۔ یہی وہ موقعہ تھا جب اللہ نے اپنے کرم اور فضل سے مسلمانوں کے سامنے ایک ایسی راہ کھول دی کہ اب وہ کسی ایک مرکز پر جمع ہوکر اللہ کے دین کو بلند کرنے کا کوئی منظّم کام کرسکتے تھے۔

اس وقت ملک کے حالات بڑے نازک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینۂ طیبہ میں بُلانے والے مسلمان حالات کی اس نزاکت کو پوری طرح سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان تھوڑے سے مسلمانوں کو اپنے شہر میں بُلانے کا نتیجہ یہی ہوگا کہ سارا ملک ہمارا دُشمن ہوجائے گا اور ہمیں ان کی خاطر سب سے جھگڑا مول لینا ہوگا۔ اس رات کو اسلام کے ان جاں نثاروں کی جو بات چیت ہوئی وہ اب تک تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اس کو پڑھ کر

ہر شخص یقین کرسکتا ہے کہ ان حق پرستوں نے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے وقت پوری بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اُس وقت کی باتوں میں سے ایک نوجوان (اسعد بن زرارہ) کی بات چیت آپ بھی سُن لیجیے۔ یہ صاحب اپنے سب ساتھیوں میں سب سے کم عمر تھے۔ آپ نے فرمایا: "یثرب (مدینہ) والو ذرا ٹھہرو۔ ہم لوگ ان کے پاس یہی سمجھ کر تو آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور آج انھیں یہاں سے نکال کر لے جانا پورے عرب سے دُشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجے میں تمھارے نونہال قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر برسیں گی۔ لہٰذا اگر تم اس کو جھیل جانے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو تب تو ان کے ہاتھ میں ہاتھ دو اور اس کام کا بدلہ صرف اللہ کے پاس ہے۔ (یعنی اس کے بدلے میں کسی طرح کے دُنیاوی فائدے کی اُمید نہ رکھو) اور اگر تمھیں اپنی جانیں پیاری ہیں تو پھر انھیں چھوڑ دو اور صاف صاف کہہ دو، کیونکہ اس وقت عذر کردینا خدا کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول ہوسکتا ہے۔"

آپ نے کم عمروں کی ہمت دیکھی۔ تاریخ میں بہت سی مثالیں آپ کو ایسی ہی ملیں گی کہ آگے بڑھ کر کام کرنے والوں میں اکثر کم عمر ہی بازی لے جاتے ہیں ——— غرض یہ کہ ایسی ہی تقریریں کچھ اور بھی ہوئیں اور ان کے نتیجے میں سب نے یہی طے کیا کہ: "ہم ان کی خاطر اپنے مال اور اپنے شریف لوگوں کو خطرے میں ڈالنے کے لیے بالکل تیار ہیں ———" اس بات چیت اور قول و قرار کا نام تاریخ میں بیعتِ عقبہ ثانیہ ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ عرب میں کھیتی باڑی بہت ہی کم ہوتی ہے۔ اور مکّہ تو خاص طور پر پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے بالکل ہی خُشک اور بنجر علاقہ ہے۔ مکّے والوں کا خاص کاروبار تجارت تھا۔ یہ لوگ شمال میں شام اور جنوب میں یمن سے تجارت کرتے تھے۔ ان کے تجارتی قافلے بحرِ قلزم کے کنارے کنارے ہوتے ہوئے مدینے کے پاس سے گذرا کرتے تھے۔ یوں سمجھیے کہ مدینے کو اس تجارتی راستے پر ایک اہم چوکی کی حیثیت حاصل تھی۔ مکّے والے مدینے کی اس حیثیت کو خوب جانتے

تھے اور جب اُنھوں نے یہ سُنا کہ مدینے کے کچھ مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو مکے سے مدینے منتقل ہوجانے کا مشورہ دیا ہے تو ان کی پریشانی کی بڑی وجہ یہی تھی کہ اس طرح انھیں یہ ڈر تھا کہ اگر کہیں مدینہ اور اُس کے آس پاس کی بستیوں پر مسلمانوں کا اثر بڑھ گیا تو ہوسکتا ہے کہ وہ شام اور یمن کے درمیان جو تجارت کرتے ہیں اُس میں رُکاوٹ پیدا ہو جائے۔ پھر جب مکّے والوں نے دیکھا کہ مسلمان مکّے سے ایک ایک دو دو کرکے ہجرت کرنے لگے تو اُنھیں یقین ہوگیا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ضرور تشریف لے جائیں گے۔ اس خطرے کو روکنے کے لیے وہ بالکل تیار ہوگئے اور سب نے مل کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کی ایک سازش کی۔ قریش کے سب خاندانوں میں سے ایک ایک آدمی اس کام کے لیے چُنا گیا۔ اور یہ طے پایا کہ سب مل کر اپنے اس ناپاک ارادے کی تکمیل کریں تاکہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان (بنو ہاشم) قتل کا بدلہ لینا چاہے تو اسے سب خاندانوں کے خلاف لڑنے کی ہمت نہ پڑے۔ لیکن خدا کے فضل سے ان کی یہ سازش ناکام ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخیر وعافیت مدینے تشریف لے گئے۔

آپ کے ہجرت فرمانے کے بعد مکّے والوں کا غصّہ اور بھی بڑھ گیا۔ پہلے تو اُنھوں نے مدینے کے کچھ سرداروں کو مسلمانوں کی مخالفت پر اُبھارا اور اُنھیں دھمکایا کہ اگر وہ مسلمانوں کو اپنے شہر سے نہیں نکالیں گے تو بُرا نتیجہ پائیں گے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا انتظام فرمایا کہ اُن کی کوئی تدبیر چل نہ سکی۔

مدینے تشریف لے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راستے کی طرف بھی توجہ فرمائی جس سے قریش کے تجارتی قافلے گذرا کرتے تھے۔ اس راستے پر جو غیر مسلم قبیلے آباد تھے آپ نے اُن سے بات چیت کی۔ جس کے نتیجے میں کچھ نے تو قریش کے مقابلے میں آپ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا اور کچھ کم از کم غیر جانب دار رہنے پر رضامند ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے قریش کے قافلوں کو دھمکی دینے کے لیے مسلمانوں کے کچھ دستے اس راستے پر بھیجے۔ اگرچہ ان دستوں نے نہ تو کسی قافلے کو لوٹا اور نہ کسی طرح کا کشت وخون ہوا، لیکن اس طرح قریش کو یہ جتا دیا گیا کہ

اگر وہ اپنی شرارت سے باز نہیں آئیں گے تو کم سے کم اُنھیں اپنی تجارت کو ضرور خطرے میں ڈالنا پڑے گا۔

یہ حالات تھے کہ شعبان ۲ھ ہجری (فروری یا مارچ ۶۲۳ء) میں قریش کا ایک بہت بڑا قافلہ جس کے ساتھ تقریباً پچاس ہزار اشرفی کا مال تھا اور چالیس پچاس سے زیادہ محافظ نہ تھے شام سے مکّے کی طرف جاتا ہوا اس علاقے میں پہنچا۔ جو مدینے کے پاس تھا۔ اس قافلے کا سردار ابوسفیان تھا۔ اسے یہ ڈر ہوا کہ کہیں مسلمان قافلے پر دھاوا نہ بول دیں۔ مال زیادہ تھا اور حفاظت کرنے والے بہت تھوڑے' اس لیے اس نے ایک شخص کو پہلے سے مکّے کی طرف دوڑا دیا کہ وہ وہاں جاکر مدد لے آئے۔

اس شخص نے مکے میں جاکر دہائی دی' اور عرب کے پرانے رواج کے مطابق اس نے اپنے اونٹ کے کان کاٹے' اس کی ناک چیر دی' کجاوے کو اُلٹ کر رکھ دیا اور اپنا قمیص آگے سے پھاڑ کر شور مچانا شروع کر دیا کہ" اے قریش والو قافلے کی خبر لو۔ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھی اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ دوڑو! دوڑو!!"

اس دُہائی کو سُن کر مکے میں آگ لگ گئی اور دیکھتے دیکھتے ایک ہزار آدمیوں سے زیادہ کا ایک لشکر مسلمانوں پر چڑھ دوڑنے کے لیے تیار ہوگیا۔ ان کا ارادہ یہی نہیں تھا کہ اپنے قافلے کو خطرے سے نکال لائیں بلکہ وہ اس حوصلے کو دل میں لے کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے کہ اب مسلمانوں کا صفایا ہی کر دیں۔ تاکہ یہ روز کا کھٹکا ہی جاتا رہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کو بھی سب خبریں پہنچ رہی تھیں' آپ نے محسوس فرمایا کہ اب فیصلے کی گھڑی آپہنچی ہے۔ اگر اس وقت مخالفین کا مقابلہ ڈٹ کر نہ کیا گیا تو ہوسکتا ہے کہ اسلامی تحریک کا خاتمہ ہو جائے اور ان کی ہوا اُکھڑ جائے۔ آپ نے تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور پوری بات ان کے سامنے رکھ دی۔ اللہ کے ان بندوں نے پوری ہمت کے ساتھ ہر مصیبت اور سختی کے جھیلنے اور ہر مخالفت کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد

تین سو سے کچھ ہی زیادہ تھی، جس میں ۸۶ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ ان کے پاس سامان بہت ہی کم تھا۔ اور سوائے اللہ کے بھروسے اور اُس کے فضل کی اُمید کے ان کے پاس لڑائی جیتنے کا کوئی سہارا نہ تھا۔ مکے والوں کی تعداد اوران کے سامان کے مقابلے میں ان کی تعداد اور سامان کو دیکھ کر یہی کہا جاسکتا تھا کہ شاید یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو موت کے منھ میں لیے جا رہے ہیں۔

رمضان کے روزے پہلی بار اسی سال فرض ہوئے تھے۔ گویا مسلمانوں کا یہ پہلا رمضان تھا۔ اپریل کا مہینہ اور عرب جیسے ملک کی گرمی۔ کہ ۱۷ رمضان سنہ۲ ہجری کو بدر کے میدان میں ان کو مکے والوں کے مقابلے میں آنا پڑا۔ اس موقع پر مسلمانوں کی حالت بڑی نازک تھی، اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ مٹھی بھر مسلمان قریش کے مقابلے میں ذرا بھی ٹھہر سکیں گے۔ اُس وقت اللہ کے نبی نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھائے۔ اور انتہائی عاجزی کے ساتھ کہنا شروع کیا:" اے اللہ، یہ ہیں قریش جو اپنے غرور کے سامان کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کردیں۔ اے اللہ، اس وقت تیری وہ مدد آجائے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر اس زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی۔"

یہ ہے بدر کی لڑائی۔ اس لڑائی میں ان کمزور اور تھوڑے سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی جن کو ملیامیٹ کردینے کے ارادے سے پورا مکہ اُمنڈ آیا تھا۔ اس لڑائی کے حالات پر سورۂ انفال میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ لڑائی میں جیت مسلمانوں کی ہوئی تھی۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اس موقع پر کیسی کیسی شیخی اور بڑائی کی باتیں کرتا لیکن آپ پڑھیں گے کہ اس لڑائی کے بارے میں قرآن پاک میں جس انداز سے ذکر ہوا ہے وہ بالکل ہی انوکھا ہے۔ انشاء اللہ ہم پوری کوشش کریں گے کہ اس سورۃ میں اس جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی جس قسم کی اخلاقی تربیت پر زور دیا گیا ہے اسے آپ کے سامنے واضح کریں۔ جنگِ بدر کی کچھ ضروری تفصیلات قرآنِ پاک کی تشریح کے ذیل میں آئندہ آپ کے سامنے آتی رہیں گی۔

اگلے پرچے سے انشاءاللہ تعالیٰ سورۂ انفال کی تشریح شروع ہوگی۔

جناب ابوالبیان صاحب حمّاد۔

نغمۂ حق

خدا کو تو اپنا بناتا چلا جا
درِ حق پہ سر کو جھکاتا چلا جا
بھلائی کا پرچم اُڑاتا چلا جا
تو مسلم ہے دُنیا پہ چھاتا چلا جا
بُرائی کے کانٹے ہٹاتا چلا جا
قدم راہِ حق میں جماتا چلا جا
ہر اک بُت کو ٹھوکر لگاتا چلا جا
خدا سے تعلّق بڑھاتا چلا جا
نہ گھبرا کبھی مشکلوں سے نہ گھبرا
مصائب میں بھی مُسکراتا چلا جا
خدا کی زمیں پر خدا کی حکومت
یہ نقش اپنے دل پر بٹھاتا چلا جا
زمانے کو اسلام سے آشنا کر
تو ایماں کے موتی لُٹاتا چلا جا
جو آئے تو آئے نہ آئے تو جائے
سُوئے حق تو سب کو بُلاتا چلا جا
نمایاں ہو جُگنو کی مانند اب تو
اندھیرے میں بھی جگمگاتا چلا جا
جلا علم و حکمت کی مشعل جہاں میں
جہالت کے پردے ہٹاتا چلا جا
غریبوں، یتیموں کا ہمدرد بن کر
تو گرتوں کو ہر دم اُٹھاتا چلا جا
جو ساتھی رہِ حق میں اب چل پڑے ہیں
اُنھیں ہر گھڑی آزماتا چلا جا
ضرورت ہو جب دیں کو تیرے لہو کی
تو فرطِ خوشی سے بہاتا چلا جا
بہشتِ بریں دیکھ وہ سامنے ہے
وہاں کھیلتا، مُسکراتا چلا جا

مرے ننھے مُنّے مسلماں سپاہی
جہاں کو یہ نغمہ سُناتا چلا جا

محترمہ ہاجرہ صاحبہ زریں۔

نشاط کی غلط فہمی

ہاجرہ کے یہاں آج بزمِ حسنات کا ہفتہ واری اجتماع تھا۔ ڈھائی بج چکے تھے جلسہ تین بجے سے شروع ہونے والا تھا، اس لیے آنے والیوں کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ بلا قیاس و گمان نشاط بھی آپہنچی (نشاط ایک دین سے لاپروا گھرانے کی لڑکی بزمِ حسنات میں شوقیہ آگئی تھی) اجتماع ختم ہونے پر راشدہ نشاط کی طرف بڑے اخلاق سے متوجہ ہوئی، خیریت اور خیر صلاح کے بعد باتوں میں کچھ دین کی باتیں بھی ہونے لگیں راشدہ نے کہا: "بہن نشاط یہ تو کہو ان دنوں تمہارا کیا شغل ہے؟

نشاط: "کوئی خاص شغل نہیں تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں کتابوں کی کیڑا ہوں بس دن رات ناول افسانے پڑھتی رہتی ہوں۔ واقعی ناول بڑی دلچسپ چیز ہوتی ہے۔"

راشدہ: "اور مذہبی کتابیں؟"

نشاط: "مذہبی کتابوں کے پڑھنے کا مجھے شوق ہی نہیں۔ اب رہی نماز اور قرآن تو ابھی سے تسبیح و قرآن لے کر مصلّے پر بیٹھ رہوں تو بڑھاپے میں کیا کروں گی۔ اور میرا یہ دن سن بھی نہیں کہ میں ابھی سے مذہبی کتابیں لے بیٹھوں۔ یہ کام تو بوڑھوں ضعیفوں کو زیادہ زیب دیتا ہے، عبادات اور قرآن کا وہی وقت موزوں بھی ہے۔ کہو بہن ٹھیک ہے نا؟"

راشدہ: "آہ۔ نشاط تم کتنے بھولے پن اور نادانی کی باتیں کر رہی ہو، کاش کہ تم میری باتوں کو غور سے سن کر ٹھنڈے دل سے سوچتیں۔

نشاط: "کیا، کیا، کہو بھی تو کیسی باتیں؟"

راشدہ: "اچھا پہلے تم میرے سوال کا جواب تو دو، وہ یہ کہ تم اپنے یا میرے بارے میں بتا سکتی ہو کہ موت کب آئے گی؟"

نشاط: "بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اتنا تو ضرور جانتی ہوں کہ مناسب کو ہے۔ لیکن کوئی انسان یہ نہیں بتا سکتا کہ کب مریں گے۔"

راشدہ: "تو بُو بُو نشاط، تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ عبادت کرنا بوڑھوں کا کام ہے؟ جب تمھیں معلوم ہی نہیں کہ کب مریں گے تو کیا عجب کہ بڑھاپے کے قبل ہی اسی سن میں موت آجائے تو پھر بتاؤ خدا کے سامنے کون سا نیک عمل لے کر حاضر ہوگی؟

نشاط (متفکرانہ لہجے میں): "ہاں بہن یہ بات تو تم نے بہت دُور کی کہی، میرا خیال واقعی غلط ہے۔"

راشدہ: "کاش کہ تم اپنے خیال کو صحیح راستے پر لے آئیں۔"

نشاط: "ہاں ہاں مَیں ضرور ایسا کروں گی۔ سچ کہا تم نے زندگی و موت کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں اگر مَیں آج ہی مرجاؤں تو پھر خدائے ذوالجلال کے سامنے کون سا نیک عمل پیش کروں گی۔"

راشدہ: شاباش، شاباش، خدا تمھارے ذہن کو اور تیز بنائے۔ آمین۔ اچھا سنو میں تمھیں حدیث شریف کی ایک روایت بھی بتاتی ہوں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کے دونوں مونڈھے پکڑ کر فرمایا: "عبداللہ دُنیا میں مسافرانہ گذر کر بلکہ رہ گیر کی طرح رہ۔ ابن عمرؓ کہا کرتے تھے: "شام کرو تو صبح کے منتظر رہو اور صبح کرو تو شام کا انتظار نہ کرو، اور تندرستی سے بیماری کے لیے، اور زندگی سے موت کے لیے جس قدر بنے کر دھر لو۔" ۔ نشاط تم نے سمجھا اس کا کیا مطلب ہوا؟

نشاط: "میری اچھی بہن ذرا تشریح کردو تو اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔"

راشدہ: "کیوں نہیں ضرور بتاؤں گی۔ سُنو انسان دُنیا میں جو بھی نیک عمل یا عبادت کرے تو یہ سمجھ کر کرے کہ یہ آخری نیکی یا عبادت ہے۔ کیونکہ یہ تو انسان کو خبر ہی نہیں کہ موت کس وقت آجائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ آخری عمل ہو، اور بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد موت آجائے اور پھر نیکی کا موقع نہ ملے۔"

نشاط: (آبدیدہ ہوکر) مَیں بہت شرمندہ ہوں کہ موت کو بھول کر آج تک مَیں نے کوئی نیک عمل نہیں کیا۔ بہن راشدہ تمھارا بہت بڑا احسان ہے کہ تم مجھے اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لائیں، اب میں انشاءاللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔"

راشدہ: "نہیں بہن میرا احسان کیسا، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اُس نے تمھیں

ظلمت سے نکال کر شمع ہدایت دکھائی۔ اچھا اب میں ذرا عصر کی نماز پڑھ لوں"۔
نشاط: (آہ سرد بھر کر)" افسوس مجھے تو نماز بھی پڑھنی نہیں آتی"۔
راشدہ:" یہ تو کوئی مشکل کام نہیں بشرطیکہ تم کوشش کرو"۔
نشاط:" اچھی بہن میں بہت ممنون ہوں گی اگر تم مجھے نماز سکھا دو"۔
راشدہ:" بھلا دین کے کام سکھانے میں کون کوتاہی کرے گا۔ میں تو ایسے کاموں کے لیے ہر وقت تیار ہوں"۔
نشاط:" خدا تمھیں اس کا اجر دے۔ انشاءاللہ تعالیٰ کل سے ایک گھنٹہ روز تمھارے پاس آیا کروں گی"۔ اچھا اب اجازت دو۔ خدا حافظ"۔

جناب شوکت صاحب نیازی

دُعا

یارب یہ التجا ہے
تجھ سے یہی دُعا ہے

نیکی سے ہو محبت اور ہو بدی سے نفرت
اچھی ہو میری عادت مجھ سے ہو سب کو راحت

یارب یہ التجا ہے
تجھ سے یہی دُعا ہے

سچے ہوں میرے وعدے ہوں نیک سب ارادے
مسلم مجھے بنا دے حق پر مجھے چلا دے

یارب یہ التجا ہے
تجھ سے یہی دُعا ہے

سجدہ تجھے کروں میں تجھ سے ہی بس ڈروں میں
کہنا ترا کروں میں اسلام پر مروں میں

یارب یہ التجا ہے
تجھ سے یہی دُعا ہے

حافظ عبدالسمیع صاحب حافظ

پیغامِ عمل

مسلماں ہے تو کچھ شانِ مسلمانی دکھاتا چل
فَضا میں دھجیاں دامانِ باطل کی اُڑاتا چل
نشانِ ظلم و جبر و جور دُنیا سے مٹاتا چل
سبق قرآن و سُنّت کا زمانے کو پڑھاتا چل

اگر باطل کے خِشت و سنگ تیری راہ کو روکیں
تو اپنی قوتِ ایمان سے ان کو ہٹاتا چل

قدم آگے بڑھا، چل پیکرِ عزم و عمل بن کر
عمرؓ فاروق و حیدرؓ کی طرح دُنیا پہ چھاتا چل

صداقت کی تجلّی سے منور کر دے عالم کو
جہاں کا گوشہ گوشہ نورِ حق سے جگمگاتا چل

اگر تو چاہتا ہے کامیابی دونوں عالم کی
خدا کے دین کا آفاق میں پرچم اُڑاتا چل

بہارِ باغِ عالم بن کے چھا جا ذرّے ذرّے پر
گلستانِ جہاں میں پھول وحدت کے کھلاتا چل

جناب عبدالوحید صاحب متعلم جامعہ رحمانیہ بنارس

کایا پلٹ

صفیہ ایک امیر اور دولت مند گھرانے کی چشم و چراغ تھی، ناز و نعمت میں پرورش ہوئی تھی، ہر طرح کی آسائش و آرام کے اسباب مہیا تھے، جس چیز کی اسے حاجت ہوتی تھی فوراً پوری کی جاتی تھی۔ تاکہ اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو۔ وہ دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ خوب صورت بھی تھی۔ اپنے کپڑے وغیرہ ہمیشہ صاف ستھرے رکھتی تھی۔ لڑکپن ہی سے اس کو صفائی کی عادت تھی، بڑی باسلیقہ اور ہوشیار تھی۔ ان تمام خصائل حمیدہ کے باوجود اس میں ایک بڑا عیب بھی تھا جس نے اس کی ان تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ وہ عیب تکبر و نخوت تھا۔ لڑکپن ہی سے اس میں کبر و نخوت سرایت کر گئے تھے اور رگ رگ میں سما گئے تھے۔ جیسے جیسے وہ جوانی کی طرف قدم رکھتی جاتی تھی اس کا تکبر دن دونا رات چوگنا ترقی کرتا جاتا تھا۔ چنانچہ جب وہ جوان ہوئی تو اس قدر اس کے اندر کبر و غرور بھرا ہوا تھا کہ وہ اپنی ہم سنوں اور سہیلیوں سے بولنا کیا معنی ان کی باتوں کا جواب دینا بھی اپنے لیے ذلت و حقارت خیال کرتی تھی۔ ہر وقت ناک بھوں سکوڑے پیشانی پر بل ڈالے اِدھر اُدھر اپنے مکان میں گھوما کرتی تھی۔ کسی سے سیدھے منھ بات تک نہ کرتی۔ اگر کوئی بات اس کے منشاء کے خلاف ہوئی تو گھر بھر کو کوسنا اور برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ نہ بڑے بھائی بہن کی بزرگی کا خیال نہ چھوٹے بھائی بہنوں کی محبت کا احساس۔ بس سب کو ایک ہی سانس میں برا بھلا کہہ ڈالتی۔ اس کے اس رویے سے گھر کے تمام چھوٹے بڑے بیزار تھے۔ نہ تو کوئی اس سے محبت کرتا اور نہ اس کے ساتھ کہیں جانا پسند کرتا تھا۔ جب گھر والوں نے اس کی اس حرکت کو حد سے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کو تنبیہ کی، لیکن اس پر ان کی نصیحت کچھ بھی کارگر نہ ہوئی۔ انھوں نے اس کی استانیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ یہ لڑکی دن بہ دن مغرور و بدمزاج ہوتی جاتی ہے، اور اس کا کبر بڑھتا ہی جاتا ہے۔ آپ اس کو کچھ نصیحت کیجیے اور سمجھائیے۔ انھوں نے جواب دیا

کہ ہم نے بارہا اس کو نصیحت کی، سمجھایا لیکن اس کی یہ بُری عادت نہ چھوٹی۔ اور یہ اپنی عادت سے باز نہ آئی۔ ہم لوگ تو بالکل مایوس ہوگئے کہ یہ کبھی بھی اپنی اس حرکت سے باز نہیں آسکتی۔ لیکن آپ کے اصرار اور کہنے کی وجہ سے ہم پھر کوشش کریں گے اور سمجھائیں گے، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راہِ راست عطا فرمائے۔ اور یہ کبر و نخوت سے باز آجائے۔

جب دوسرے دن صفیہ اسکول میں گئی تو معلمہ اس اکیلے کمرے میں لے گئی اور اس سے پہلے اس بات کا عہد لیا کہ اگر میں تم سے کچھ باتیں کہوں، جو بظاہر تمھیں بُری معلوم ہوں، لیکن حقیقت میں وہ تمھارے لیے بہت مُفید اور کارآمد ہوں گی۔ جس سے تمھاری دُنیا اور آخرت دونوں سُدھر جائیں گی تو مانوگی اور اُس کے مطابق عمل کروگی؟ صفیہ نے وعدہ کیا کہ "آپ کا حکم سر آنکھوں پر، جو بھی آپ حکم دیں گی میں بجا لانے کے لیے تیار ہوں۔ کیونکہ آپ کی فرماں برداری میں میری کامیابی کا راز مضمر ہے۔" تب اُستانی نے کہنا شروع کیا "اے پیاری بیٹی ہر آدمی کسی کا احترام اور عزت اُس وقت کرتا ہے، جبکہ وہ دوسروں کے سامنے اپنے کو کم سمجھتا ہے، عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر وہ تکبر و نخوت سے دوسروں کے ساتھ پیش آئے اپنے کو سب سے بڑا اور اچھا سمجھے، کسی سے سیدھے مُنہ بات نہ کرے تو اُس کی قدر لوگوں کی آنکھوں میں کچھ نہیں ہوتی، لوگوں کی نظروں میں وہ حقیر شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر بتایا کہ دیکھو کہ تکبر صرف اللہ ربّ العالمین کی شان ہے۔ تکبر کسی بندے کے لیے زیبا و لائق نہیں ہے۔ جس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ جنت میں داخل کیا جائے گا، اور جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ پھر دوسری حدیث پڑھی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے بات نہیں کرے گا، اور نہ اُن کو گناہوں سے پاک و صاف کرے گا اور نہ اُن کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھے گا، پہلا وہ بوڑھا جس نے زنا کیا اور دوسرا جھوٹا بادشاہ، تیسرا وہ شخص جو متکبر و مغرور ہے۔ اس کے بعد تیسری حدیث پڑھ کر سُنائی کہ ہمارے آقا سارے نبیوں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "تکبر میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میری لُنگی

جو شخص ان میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھپنے گا (ان میں سے کسی ایک خصلت کو اختیار کرے گا) اُس کو میں دوزخ کی آگ میں ڈالوں گا۔" معلّمہ نے حدیث سُنانے کے بعد صفیہ سے کہا کہ "میں نے اس لیے تمھیں احادیث پڑھ کر سنائیں تاکہ تمھارے اندر کبر و نخوت نے جو گھر کر لیا ہے، اُس کو تم چھوڑ دو اور اس بُری عادت سے باز آجاؤ، اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں ہمہ تن معروف رہو۔ اس کے بعد صفیہ اپنی اُستانی جی کے ساتھ کمرے سے باہر آئی اور دونوں اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔

پند و نصائح سُننے کے بعد بھی صفیہ اپنے اس فعل سے باز نہ آئی، بلکہ اپنی پُرانی روش پر بدستور قایم رہی۔ کسی سے بات کرنا، کسی مریض کی عیادت کرنا، نماز پڑھنا روزہ رکھنا، محتاجوں کی خبر گیری کرنا، یتیموں کی دیکھ بھال کرنا، غریبوں کو کھانا کھلانا، ان سب سے گویا اُس کو سروکار ہی نہ تھا۔ بس کمرہ بند کیے پلنگ پر لیٹ کر ناولں کا مطالعہ کرنا، سنیما کا اشتہار پڑھنا، شام کے وقت پکچر دیکھنے جانا، بات بات پر جھڑکنا، بچوں کو ڈانٹنا، نوکروں پر بے وجہ برس پڑنا، ناک بھوں چڑھائے رہنا، پیشانی پر بل ڈالے رہنا۔ اس کا دل چسپ ترین مشغلہ تھا۔ اس کے خاندان والے اور اس کی اُستانیاں بالکل مایوس ہوگئیں کہ اس لڑکی کا راہِ راست پر آنا ناممکن نہیں بلکہ محال ہے۔ اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

صفیہ ایک دن بہترین ریشمی ساڑھی اور عمدہ نفیس سینڈل زیب تن کیے اسکول جا رہی تھی کہ اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ سڑک پر دھڑام سے گر پڑی۔ سڑک پر کیچڑ تھی، جس کی وجہ سے اس کے سب کپڑے کیچڑ میں لت پت ہو گئے۔ اس کی صورت متغیر ہوگئی۔ اور وہ غمگین صورت بنائے کھڑی رہی۔ اس کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔ اسی حالت میں وہ کھڑی تھی کہ اسکول کی طالبات کی ایک جماعت اُدھر سے گزری اور اب کو اس حالت میں دیکھ کر ہنس پڑی، اور کچھ مدد نہ کی۔ کیونکہ وہ سب جانتی تھیں کہ یہ وہی صفیہ ہے، جو ان کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا بُرا سمجھتی تھی۔ اور اپنے غرور میں مست رہتی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی راہ لی۔ اور اسکول میں یہ قصہ تمام ساتھیوں سے بیان کیا۔ سب نے ایک ساتھ مل کر خوب ہنسی مذاق اُڑایا۔

صفیہ اسی طرح کھڑی تھی کہ ایک نان بائی کی لڑکی اُدھر سے گزر رہی تھی۔ وہ صفیہ

جو اپنی ہم رُتبہ سہیلیوں کو منھ لگانا عار سمجھتی تھی، اس نے محاجت کے ساتھ نان بائی کی لڑکی کو بلایا اور کیچڑ صاف کرنے میں مدد مانگی۔ اُس نے اِس کے تمام کپڑے اور ہاتھ پانی سے دُھلائے۔ صفیہ نے اس کے احسان کا شکریہ ادا کیا، اور جان لیا کہ اس کی سہیلیوں نے جو اس کی مدد نہ کی اس کی وجہ اس کا غرور اور تکبر ہے۔ اُسی دن سے اس نے تکبر سے توبہ کرلی۔ روز بہ روز اس کے اندر تبدیلی ہونے لگی۔ وہی صفیہ جو سیدھے منھ کسی سے بات کرنا بھی گوارا نہ کرتی تھی۔ اب جب کسی سے ملتی تو خندہ پیشانی سے پیش آتی بھائی بہنوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آنے لگی۔ بڑے بھائیوں کا احترام و تعظیم کرنے لگی۔ پابندی سے قرآن مجید کی تلاوت کرتی۔ نماز پنجگانہ پوری پابندی اور وقت سے ادا کرتی، رمضان میں روزے رکھتی، غریبوں اور محتاجوں کی خبر گیری کرتی، یتیموں اور بیواؤں کی نصرت و حمایت میں حتی المقدور لگی رہتی۔ ماں باپ، بھائی بہن، چھوٹے بڑے، امیر غریب، غرض ہر شخص کے ساتھ خندہ پیشانی اور تواضع سے پیش آتی، اور ہر وہ کام کرتی جس سے خدا اور رسول راضی ہوں۔

عزیز بھائیو اور بہنو! ہم کو بھی چاہیے کہ ہم صفیہ کے اس واقعے سے سبق حاصل کریں اور غرور و تکبر جیسی بری چیزوں کو کبھی بھی اختیار نہ کریں، اور زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں، جو کام بھی کریں خدا کی رضامندی کے لیے کریں۔ اور اپنے بھائیوں اور بہنوں کو اسلام کی طرف راغب اور مائل کرتے رہیں۔ +

پٹرولیم کی کہانی

(۴)

تیل کے چشموں کے ساتھ جو گیس نکل آتی ہے وہ اگرچہ کام کی چیز ہے، جیسا کہ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے۔ لیکن ہے بہت خطرناک۔ آپ ذرا سوچیں کہ اگر پٹرولیم کے چشمے میں آگ لگ جائے تو کیسی دقت کا سامنا ہو۔ ان چشموں میں کبھی کبھی آگ لگ بھی جاتی ہے اور اُس وقت سچ مچ بڑی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ تیل کے چشموں میں آگ لگانے میں اس گیس کا کافی حصہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ گیس بہت تیزی سے آگ پکڑلیتی ہے۔ کبھی کبھی یہ گیس اس قدر زور سے باہر نکلتی ہے کہ اندر کے پتھروں کو بندوق کی گولی کی قوت کے ساتھ باہر پھینکتی ہے۔ ایک بار ان پتھروں نے ۶ انچ موٹے لوہے میں بھی سوراخ کردیا تھا۔ یہ پتھر جب لوہے کے نلوں کے ساتھ ٹکراتے ہیں تو ان سے چنگاری پیدا ہو جاتی ہے اور ذراسی چنگاری غضب ہی تو کر دیتی ہے۔ گیس فوراً آگ پکڑلیتی ہے اور دیکھتے دیکھتے سارا پٹرولیم کا چشمہ آگ کے ایک طوفان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

بڑی عجیب بات ہے کہ جس چیز میں انسان کے جتنے فائدے چھپے ہوئے ہیں اُتنا ہی بڑا خطرہ بھی اُس کے اندر موجود ہے۔ کچھ پٹرولیم کے ساتھ ہی خصوصیت نہیں ہے آپ اگر غور کریں گے تو یہی پائیں گے کہ ہر فائدے کی چیز میں کوئی نہ کوئی شدید تباہی اور بربادی کی صورت بھی پوشیدہ ہے۔ ہوا کو دیکھیے، ایک لمحہ بھی اس کے بغیر زندگی ممکن نہیں، لیکن یہی ہوا اپنے اندر کس قدر قیامت کا سامان رکھتی ہے۔ پانی کو دیکھیے زندگی کا مدار اس پر ہے لیکن جب بھی پانی طوفان کی شکل اختیار کرلیتا ہے تو انسان کی ساری طاقتیں جواب دے جاتی ہیں، اسی طرح آگ کا بھی حال ہے ——— آپ اگر غور کریں تو ایک بات آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اس صورتِ حال سے انسان کو ایک بہت بڑا سبق ملتا ہے۔ یوں تو اس کائنات کی کونسی چیز ایسی ہے جو انسان کے فائدے کے لیے نہیں ہے۔ لیکن کسی چیز کے بارے میں بھی انسان کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے

جب اور جس طرح چاہے کام میں لا سکے۔ ہر چیز سے فائدہ اُٹھانے کی ایک حد ہے اور اُس کو کام میں لانے کا ایک قانون ہے، اسی کے تحت فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ اگر انسان میں ضد اور ہٹ دھرمی نہ ہو تو اس بات سے وہ یقیناً اس فیصلے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس سارے انتظام کے پیچھے ایک مالک کا ہاتھ ہے اسی کے اشارے پر سب کام ہو رہے ہیں اور انسان اس دُنیا میں اسی طرح ایک مجبور مخلوق ہے جس طرح یہاں کی ہر شے نظر آتی ہے۔ انسان کو اس کے مالک نے تھوڑا سا اختیار دیا ہے اس اختیار سے وہ کام لے سکتا ہے۔ لیکن جیسے ہی اس اختیار کی حد ختم ہو جاتی ہے وہ اپنے کو بالکل مجبور پاتا ہے۔ انسان کی یہ بے بسی خود اس بات کی ایک دلیل ہے کہ وہ بندہ ہے آقا نہیں، اس بندگی اور بیچارگی کا احساس انسان کو قدم قدم پر ہوتا ہے اور اس کو بتاتا ہے کہ وہ اپنا اصلی مقام جانے اور پہچانے۔

پٹرولیم کے چشموں میں جب کبھی آگ لگ جاتی ہے تو کروڑوں روپے کا نقصان ہوتا ہے، اگرچہ انسان اپنی عقل اور قوت کے اعتبار سے اس آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن کبھی کبھی وہ بالکل ناکام ہو جاتا ہے اور چشمے کو جلا چکنے کے لیے چھوڑنا پڑتا ہے۔ عام طور پر آگ بجھانے کے لیے بھاپ کی زبردست دھار شعلوں پر ماری جاتی ہے کبھی سوراخ پر ایک زبردست فولادی چادر چڑھائی جاتی ہے اور اس طرح آگ بجھائی جاتی ہے لیکن کبھی کبھی کوئی صورت کامیابی کی سمجھ میں نہیں آتی۔

ایک بار میکسیکو کے ایک چشمے میں آگ لگ گئی۔ پندرہ سو فٹ اونچے شعلے اُٹھنے لگے میلوں تک شعلوں کی چرچراہٹ سُنائی دینے لگی۔ دُھویں سے سورج بھی چھپ گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ آسمان پر گاڑھے بادل چھا گئے ہیں۔ گرمی اتنی سخت تھی کہ آدمی تین سو فٹ تک کنوئیں کے قریب بھی نہیں جا سکتا تھا۔ انجنیروں نے ہر طرح کوشش کی، اور جب سوراخ کے مُنھ پر فولاد کی ایک چادر ڈالنے کے سارے انتظام مکمل ہو گئے تو سوراخ کے چاروں طرف کی زمین دھنس گئی اور سوراخ کا دہانہ ایک ہزار فٹ قطر کا ہو گیا، یہ فوراً تیل سے بھر گیا اور ایک بہت زبردست آگ بھڑک اُٹھی، اور جب تک تیل اور گیس ختم نہ ہو گئی اُس وقت تک آگ نہ بجھ سکی۔ یہ آگ اٹھاون دن تک جلتی رہی اور اندازہ لگایا گیا کہ کوئی بیس لاکھ گیلن تیل دُھواں بن کر اُڑ گیا۔

رومانیہ میں ایک کنواں ہے جس کا نام موریتی ہے اس میں آگ لگ گئی اور کسی طرح نہ بجھائی جا سکی۔ یہ چشمہ ڈھائی سال تک مسلسل جلتا رہا اور جب تیل ختم ہو گیا جب ہی آگ ٹھنڈی ہوئی۔ (باقی)

آسمان کی سیر

جناب عبدالحکیم صاحب۔ ایم۔ اے۔ بی ٹی

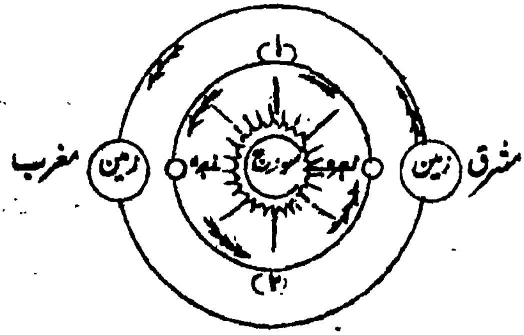
عزیزو میں چاہتا ہوں کہ آج آسمان اور آسمان کے ستاروں کے بارے میں آپ سے کچھ گفتگو کروں۔ شام کو مغرب کی نماز بعد مسجد سے نکلتے ہوئے آپ نے آسمان پر ایک روشن اور دمکتا ہوا ستارہ دیکھا ہوگا اس کا نام ہے "زھرہ" اور انگریزی میں اس کو وینس (VENUS) کہتے ہیں۔ حقیقت میں یہ ستارہ نہیں ہے سیارہ ہے۔ ممکن ہے آپ کے دل میں ستارے اور سیارے کے فرق کو نہ سمجھنے سے الجھن پیدا ہو رہی ہو، اس لیے پہلے یہ سن لیجیے کہ ستارہ کیا ہوتا ہے اور سیارہ کسے کہتے ہیں۔ آسمان میں جتنے ستارے ہیں، سب حقیقت میں جلتی ہوئی آگ کے گولے ہیں اور ایسی بلا کی گرمی ان میں ہے کہ اتنی گرمی میں کوئی چیز ٹھوس یا رقیق حالت میں باقی نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ سب ستارے جلتی ہوئی گیس کے کرے یعنی گولے ہیں جو چیز باہر سے وہاں پہنچتی ہے یا پہنچ سکتی ہے وہ بھی گیس ہی بن جاتی ہے۔ یہ بھی جان لیجیے کہ ہمارا آفتاب بھی ایک ستارہ ہے اور ستاروں میں اور سورج میں بس اتنا فرق ہے کہ یہ ہمارے بہت قریب ہے دوسرے بہت فاصلے پر ہیں۔ اسی لیے یہ ہم کو اتنا بڑا نظر آتا ہے اور دوسرے ستارے چھوٹے نظر آتے ہیں۔

اب سنیے کہ سیارہ کیا ہوتا ہے، سیارے کے معنی سیر و حرکت کرنے والا، چونکہ سیارے فضا میں جلد جلد حرکت کرتے ہیں، آج اس ستارے کے پاس ہیں تو کل اس ستارے کے پاس اس لیے انہیں سیارہ کہتے ہیں۔ ستارے ان کے مقابلے میں ایک مقام پر ثابت اور قایم نظر آتے ہیں۔ پھر بعض سیارے بالکل ٹھوس مادے کے بنے ہیں جیسے ہماری زمین ایک سیارہ ہے اور اس میں کوئی روشنی اور چمک نہیں ٹھیک اسی طرح "زھرہ" کو زمین کی ہی مانند سمجھیے، اس میں بھی کوئی ذاتی روشنی اور چمک نہیں ہے۔ لیکن آپ پوچھ سکتے ہیں کہ زھرہ چمکتا تو ہے، اور یہ کہ ہم روز اس کو چمکتا ہوا دیکھتے بھی ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ سورج کی روشنی زھرہ پر پڑتی ہے

اس لیے وہ روشن معلوم ہوتا ہے ورنہ وہ خود روشن نہیں۔ چاند کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی روشنی نہیں رکھتا ——— بڑی بڑی دُور بینوں کے ذریعے سُورج، چاند اور ستاروں کو دیکھنے سے حقیقت خود بہ خود واضح ہو جاتی ہے۔

تو مَیں یہ کہہ رہا تھا کہ زھرہ ایک ستیارہ ہے اور سورج سے اس کا فاصلہ چھ کروڑ ستّر لاکھ میل ہے۔ اگر ہم سُورج سے زمین کے فاصلے کو اکائی مان لیں تو یہ زھرہ کا فاصلہ اس اکائی کے مقابلے میں ۰٫۷۲۳ کے برابر ہوگا۔ زمین کی طرح زھرہ بھی سُورج کے گرد چکّر کرتا ہے، پُورا چکّر ۲۲۵ دن میں تمام ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زھرہ کا سال ۲۲۵ دن کا ہوتا ہے جبکہ زمین کا سال ۳۶۵ ¼ دن کا ہوتا ہے۔ زمین بھی چونکہ سُورج کے گرد گھومتی ہے، اس لیے زمین سے زھرہ کا فاصلہ بدلتا رہتا ہے۔ یہ فاصلہ بہرحال ۲۶ ملین اور ۱۶۰ ملین میل کے درمیان ہی رہتا ہے (ایک ملین دس لاکھ کے برابر ہوتا ہے)

زھرہ تو آج کل غروبِ آفتاب کے بعد مغربی آسمان میں نظر آتا ہے، لیکن وہ تھوڑے عرصے کے بعد غائب ہو جائے گا اور چند دن غائب رہنے کے بعد مشرقی آسمان میں طلوعِ آفتاب سے پہلے نظر آئے گا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ زھرہ کبھی تو غروبِ آفتاب کے بعد مغرب میں دکھائی دیتا ہے اور کبھی طلوعِ آفتاب سے پہلے مشرق میں نظر آتا ہے۔ ذیل کے خاکے کی مدد سے یہ چیز بخوبی سمجھی جا سکتی ہے:



زمین اپنے دائرے میں گردش کرتی ہے اور زہرہ اپنے دائرے میں، اس طرح گردش کرتے کرتے جب زمین اور زھرہ کی جگہیں وہ ہوتی ہیں جو خاکے میں مشرق کی طرف

پٹرولیم کی کہانی

(۳)

جب تحقیقات سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی جگہ تیل کے ملنے کی کافی علامات موجود ہیں تو پھر کھدائی کا کام شروع ہوتا ہے۔ تیل تک پہنچنے کے لیے زمین میں سوراخ کرنے کا طریقہ ہی کامیاب طریقہ ثابت ہوا ہے۔

سائنس کے اصولوں کے مطابق سب سے پہلا چشمہ امریکہ میں کھودا گیا۔ اس چشمے کے دریافت ہونے کا واقعہ بھی بڑا عجیب و غریب ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مغربی علاقے میں نمکین پانی کے بہت سے چشمے تھے۔ ان سے نمک حاصل کیا جاتا تھا۔ نمک حاصل کرنے کے لیے ان چشموں کا پانی باہر نکال کر زمین پر بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی کیاریوں میں بھر دیا جاتا تھا۔ جب پانی سوکھ جاتا تو نمک کی ایک تہ باقی رہ جاتی تھی جسے اکٹھا کر لیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی نمک کے ساتھ ایک تیل جیسی چیز بھی ملی ہوئی پائی جاتی تھی۔ نمک والے اسے بہت ناپسند کرتے تھے کیونکہ اس سے نمک خراب ہوجاتا تھا۔ ان بیچاروں کو کیا معلوم تھا کہ جس چیز کو دیکھ کر وہ ناک بھوں چڑھا رہے ہیں وہ تو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن انھیں ابھی اس کی خبر نہیں ہے۔

[illegible]ء میں ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص جس کا نام منڈل تھا۔ ان چشموں کے پاس شکار کھیل رہا تھا۔ شکار کھیلتے کھیلتے رات زیادہ ہوگئی اور وہ وہاں ایک پیڑ کے نیچے سوگیا۔ سوتے میں غلطی سے اس کی بھری ہوئی بندوق کا گھوڑا دب گیا اور بندوق چل گئی۔ بندوق کا رُخ کچھ ایسا تھا کہ گولی سیدھی زمین کے اندر گھس گئی۔ صبح کے وقت منڈل نے دیکھا کہ گولی نے زمین میں جو سوراخ بنایا تھا اُس میں سے کوئی کالی کالی گاڑھی بدبودار چیز نکل رہی ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ لیکن اس نے کچھ بکانے کو آگ جلائی تو ایک چنگاری اس کالی کالی چیز پر جا پڑی اور آگ پاتے ہی وہ بھڑک اٹھی۔

دکھائی گئی ہیں تو زہرہ شام کو دکھائی دیتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ سورج زھرہ سے
مغرب میں ہے۔ اس لیے سورج شام کو پہلے ڈوبے گا۔ اس کے کچھ عرصے بعد تب زھرہ
ڈوبے گا۔ یعنی غروب آفتاب کے بعد مغربی آسمان پر زھرہ نظر آئے گا۔ پھر دیکھیے
۔ زھرہ اور زمین کے مقامات کبھی وہ ہوتے ہیں جو خاکے میں مغرب میں دکھائے گئے
ہیں۔ اب زھرہ سورج سے آگے ہے یعنی صبح کو سورج طلوع ہونے میں ابھی کچھ دیر رہے
ں جب ہی زھرہ مشرقی آسمان پر نظر آنے لگے گا۔

اب یہ سوال اور باقی رہ جاتا ہے کہ کبھی کبھی زھرہ ہم کو بالکل نظر نہیں آتا۔ نہ
ح کو اور نہ شام کو، ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے آپ پھر خاکے کو غور سے دیکھیں
ماں دار لکھا ہوا ہے جب زہرہ وہاں پہنچتا ہے اور زمین کی پوزیشن وہ ہو جاتی ہے جو مشرق
مغرب میں دکھائی گئی ہے تو زھرہ نہیں دکھائی دیتا نہ صبح کو اور نہ شام کو اس لیے
زمین کے دیکھنے والوں کے لیے جس وقت آفتاب طلوع ہوگا اسی وقت زھرہ بھی نکلے
اور جب آفتاب غروب ہوگا زھرہ بھی اسی وقت غروب ہو جائے گا۔ اس لیے
رج کی روشنی میں وہ نظر نہیں آتا لیکن وہ سورج کے ساتھ ساتھ موجود ہوتا ہے البتہ
رج کے آگے یا پیچھے چلا جاتا ہے تو نظر آنے لگتا ہے۔ نشان (۱) کی طرح جب زھرہ نشان (۲)
پہنچتا ہے اور زمین مشرق یا مغرب میں ہوتی ہے تو بھی زھرہ نہیں دکھائی دیتا +